
ماہنامہ
حنا
مئی 2018
رمضان نمبر
http://www.urdutube.net/
http://www.books.urdutube.net/
Digitized by Google

ہر گھر کیلئے

ماہنامہ

حنا

جلد: 40 شمارہ: 5
مئی 2018ء
قیمت: -/70 روپے



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



اسلامیات

حمد — لیاقت علی عاصم
نعت — لیاقت علی عاصم — 7
پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — ادارہ — 8
رمضان کی فضیلت — نوریہ شفیق — 12

انشاء نامہ

اندر کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں — ابن انشاء — 21

سلسلے وار ناول

دل گزیدہ — ام مریم — 22
پربت کے اُس پار کہیں — نایاب جیلانی — 172

افسانے

جن کو اک کب کچھ — سادار — 217
احساس — عمارہ امداد — 213

ناولٹ

می رقصم — سیال — 98
شہر دل کے راستے — تحسین اختر — 124
پس پردہ — حنا اصغر — 192
محبتوں کا سفر — خدیجہ احتی — 222

مکمل ناول

اے وقت گواہی دے — ثنا کنول — 42
نسخہ اکسیر — شبانہ شوکت — 146

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ — تحریم محمود — 241
بیاض — تسنیم طاہر — 243
حنا کی محفل — عین غین — 245
رنگ حنا — بلقیس بھٹی — 246
میری ڈائری سے — صائمہ محمود — 249
حنا کا دستر خوان — افراح طارق — 252
کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق — 255

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! مئی 2018ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

یہ شمارہ جب آپ کو ملے گا آپ رمضان المبارک کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے، روزہ ایسی عبادت ہے جو تمام انبیاء علیہ السلام کی اُمتوں پر فرض رہا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض کرنے کا مقصد یہ بتایا ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے، تقویٰ کا مطلب ہے اپنے آپ کو غلط باتوں سے محفوظ رکھنا اور احکام خداوندی کے مطابق صحیح طریقوں پر زندگی بسر کرنا تقویٰ تمام عبادات کی بنیاد ہے اور اسلام کی تمام عبادات کا بنیادی مقصد باطنی اصلاح اور قلبی کیفیات کی تبدیلی ہے، روزہ کی وجہ سے سحری سے افطاری تک انسان کی عملی طور پر صبر اور شکر، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ضابطوں اور احکام کی اطاعت کرنے کی تربیت مسلسل اور لمحہ بلمحہ ہوتی رہتی ہے۔ روزہ میں جھوٹ، بدکلامی، فضول گوئی اور لڑنے جھگڑنے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح روزے کی بناء پر انسان میں ضبط نفس اور خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، رمضان المبارک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا، قرآن پاک کی تعلیمات قیامت تک کے لئے ہیں اس میں زندگی کو بہترین انداز سے گزارنے کا لائحہ عمل بتا دیا گیا ہے، اس کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسے سمجھے بوجھے بناء پڑھ لیا جائے بلکہ قرآن پاک کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے، جب ہماری زندگی کا کوئی شعبہ اور معاشرے کا کوئی بھی حصہ راہنمائی سے خالی نہ رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہینے سخاوت کی انتہا کر دیتے تھے، آپ کی اتباع سنت کا تقاضا ہے کہ اس مہینے میں مستحقین کی دل کھول کر امداد کی جائے، ماہ رمضان کے ایک ماہ کے روزے خالق کی عبادت اور مخلوق کی تربیت ہیں اور ایک ماہ کے روزوں کی تربیت کا حقیقی مفہوم اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب رمضان المبارک کے بعد بھی ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے اسلام کے اصولوں پر کاربند رہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانان اسلام کو روزہ رکھنے کی اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین، یارب العالمین۔

عید نمبر:۔ جون کا شمارہ "عید نمبر" ہوگا، عید نمبر میں تمام سلسلے عید کی مناسبت سے ہوں گے اس کے علاوہ مصنفین سے عید سروے بھی شامل ہوگا، آپ سب سے گزارش ہے کہ اپنی تحریریں ہمیں 16 جون تک بھجوا دیں۔

قیمت میں اضافہ:۔ گزشتہ دنوں حکومت کی جانب سے روپے کی قدر میں کمی کی وجہ سے ملک مہنگائی کے طوفان کی زد میں ہے، اسی وجہ سے گزشتہ چند ہفتوں میں کاغذ کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ہوا ہے، ان حالات میں ہمیں مجبوراً قیمت میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے، اس شمارے سے "حنا" کی قیمت -/70 روپے ہوگی، امید ہے کہ قارئین ہماری مجبوری کو سمجھتے ہوئے حسب سابق ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔

اس شمارے میں:۔ ثناء کنول اور شبانہ شوکت کے مکمل ناول، بشریٰ سیال، حنا اصغر، خدیجہ اسحق اور تحسین اختر کے ناولٹ، عمارہ امداد اور اسماء اور انم کے افسانے، ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود



حمد باری تعالیٰ

حلقہ مہر میں بھی پردہ مہتاب میں بھی
کیا عجب حسن ہے جو گم ہے میرے خواب میں بھی

جب سفینہ کوئی ہوتا ہے رواں اس کی طرف
لہر اٹھتی ہے اچانک مرے اعصاب میں بھی

وہ کہ رکھتا ہی نہیں کوئی خدوخال اپنے
ہم نے اوروں میں دیکھا اسے احباب میں بھی

میں خریدار ہوا بھی تو بھلا کس کا ہوا
وہ جو ارزاں [illegible] بھی موجود ہے نایاب میں بھی

رنگ افسردہ کشکول [illegible] وہ دست بدست
طوق در طوق دمکتا [illegible] میں بھی

سننے والوں نے سنا ہے اسے عاصم اکثر
[illegible] میں بھی خاموشی محراب میں بھی

لیاقت علی عاصم



نعت رسول مقبول ﷺ

نام در نام مٹی جاتی ہے امت مددے
اے قریشی لقب و ہاشمی نسبت مددے

دھوپ ہے اور بہت بے سرو سامانی ہے
آیہ حق مدد دے، سایہ رحمت مددے

آسمانوں سے مسلسل یہ بلاؤں کا نزول
کوئی نیکی مددے، کوئی عبادت مددے

چشم و مژگاں بھی دھواں سینہ و دل بھی تاریک
مطلع نور غدا، مہر نبوت مددے

اپنے ہی رنگ سے بے عکس ہے چہروں کا ہجوم
مرجع خوش نظراں آئینہ صورت مددے

اب کوئی غیر نہیں اپنے مقابل ہم ہیں
اے صف آرائے [illegible] قیادت مددے

لیاقت علی عاصم

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ادارہ

روزے کی فضیلت

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب ہے) جو شخص اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا، تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا۔

''اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے، اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب کرے گا، جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی، تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور تیسرا حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اور جو آدمی اس حصہ میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے دوزخ سے

رہائی اور آزادی دے گا۔''

روزہ میں احتساب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے، ان کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے، ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

روزہ کی برکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزہ رکھا کرو، تندرست رہا کرو گے، (طبرانی) اور روزہ سے جس طرح ظاہری و باطنی مضرت زائل ہوتی ہے، اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی صحت حاصل ہوتی ہے۔''

روزہ کی اہمیت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا عشرہ اخیرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں، یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے تا کہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں۔''

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، معارف الحدیث)

روزہ چھوڑنے کا نقصان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری جیسے کسی عذر کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا، وہ اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی، وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی۔''

(مسند احمد، معارف الحدیث)

رویت ہلال

رویت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے، آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔

(زاد المعاد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر

روزہ چھوڑ دو، اور اگر (انتیس تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔"

(صحیح بخاری ومسلم، معارف الحدیث)

سحری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سحری میں برکت ہے، اسے ہرگز نہ چھوڑو، اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعا خیر کرتے ہیں۔

(مسند احمد، معارف الحدیث)

افطار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے" (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)

(معارف الحدیث، جامع ترمذی)

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے اور اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔"

(مسند احمد، ابی داؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔

ذهب الظماء وابتلت العروق و ثبت الاجر ان شاء الله ط

(سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

معاذ بن زہیرہ تابعی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔

اللهم لک صمت و علی رزقک افطرت ط

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"روزے دار کی ایک بھی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی۔"

(ابن ماجہ، معارف الحدیث)

تراویح

اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے۔

(خصائل نبویؐ)

قرآن مجید کا پڑھنا

رمضان شریف میں قرآن مجید کا ایک مرتبہ ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت موکدہ ہے، اگر کسی عذر سے اس کا اندیشہ ہو کہ مقتدی تحمل نہ کر سکیں گے تو پھر الم ترکیف سے اخیر تک دس سورتیں پڑھ دی جائیں، ہر رکعت میں ایک سورۃ ہو۔

(بہشتی گوہر)

تراویح پورے مہینہ پڑھنا

تراویح کا رمضان المبارک کے پورے مہینہ میں پڑھنا سنت ہے، اگر چہ قرآن مجید مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے مثلاً پندرہ روز میں پورا قرآن مجید پڑھ لیا جائے تو باقی دنوں میں بھی تراویح کا پڑھنا سنت ہے۔

تراویح میں جماعت

تراویح میں جماعت سنت موکدہ علی الکفایہ ہے اگر چہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ختم ہو چکا ہو۔

تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھنا

تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھنا چاہیے، چار رکعت کے بعد اس قدر توقف کرنا چاہیے جس قدر وقت نماز میں صرف ہوا ہے، لیکن مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے وقت کم بھی کیا جا سکتا ہے۔

(بہشتی گوہر)

☆☆☆

گناہ ہے، (عورتیں اکثر تراویح کی نماز کو چھوڑ دیتی ہیں) ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

رمضان المبارک کی راتوں میں قیام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو فرض فرمایا، اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (تراویح میں تلاوت قرآن پاک پڑھنے سننے کے لئے تمہارے واسطے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سنت بنایا (کہ موکدہ ہونے کے سبب وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کے اعتقاد سے رمضان کا روزہ رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے، وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جائے گا، جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔"

(نسائی، حیواۃ المسلمین)

اعتکاف

احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مسجد میں ایک جگہ مخصوص کر دی جاتی اور وہاں کوئی پردہ، چٹائی وغیرہ کا ڈال دیا جاتا یا کوئی چھوٹا سا خیمہ نصب کر دیا جاتا۔

رمضان کی بیس تاریخ کو فجر کی نماز کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور عید کا چاند دیکھ کر وہاں سے باہر تشریف لاتے تھے۔

(معارف الحدیث)

جس نے رمضان کے آخری عشرہ میں دس دن کا اعتکاف کیا تو وہ اعتکاف مثل دو حج اور دو

رمضان المبارک کی عبادات

فوزیہ شفیق

روزہ کی فرضیت

۲ ہجری میں جنگ بدر سے پہلے تدریجاً اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو اپنے بندوں پر فرض کر دیا، پہلے روزہ رکھنے یا صرف دوسرے کو رکھوا دینے کا اختیار تھا اور خود رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی جو روزہ رکھنا چاہتا رکھ لیتا اور جو چھوڑنا چاہتا چھوڑ دیتا اور روزہ کی جگہ فدیہ دے دیتا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ میں صراحت ہے، ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں پھر نہ رکھیں تو وہ فدیہ دیں، ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' پھر دوسری آیت سے حکم منسوخ ہو گیا اور فرمایا۔

''جو شخص بھی اس مہینہ کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس مہینے کو پورے روزے رکھے۔'' (البقرہ ۱۸۵) اس کے بعد پھر یہ اسلام کا ایک اہم رکن بن گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے کلمہ شہادت کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' (بخاری و مسلم) کتاب و سنت کی کئی نصوص سے روزہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جو رمضان المبارک کے روزوں کے لئے ترغیب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی و انکساری اختیار کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں...... اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'') سورۃ الاحزاب۔۳۵)

روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

''روزہ ڈھال ہے، بندہ اس کو آگ سے ڈھال بنالیتا ہے۔'' بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو بندہ ایک دن کا روزہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکھتا ہے، اللہ عزوجل اس کے چہرے کو ستر سال کی مسافت جہنم کی آگ سے دور کر دیتا ہے۔'' اس ایک روزے کی وجہ سے۔

ابو امام صدی بن عجلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے ساتھ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزے کو لازم پکڑو کیونکہ اس جیسا (جنت میں داخل کرنے والا) عمل کوئی ہے ہی نہیں، روزہ اور قرآن سفارش ہوں گے۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت کے دن روزہ اور قرآن دونوں بندے کے لئے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا اے پروردگار میں نے اس کو کھانے اور شہوت سے روکے رکھا، میری سفارش اس کے بارے میں قبول کر لے اور قرآن کہے گا میں نے اس کو رات سونے سے روکے رکھا میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی۔''

روزہ پچھلے گناہوں کا کفارہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔'' (متفق علیہ)

احکام

روزہ کی جو فضیلت کتاب و سنت میں وارد ہو گئی ہے یہ صرف اس کے لئے ہے جس کے عقیدہ میں کفر و شرک کی ملاوٹ نہ ہو، اخلاص و للّٰہیت ہو، ریا کاری نہ ہو اور اس کا روزہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، رمضان المبارک کا چاند طلوع ہونے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے یا شعبان کی گنتی تیس دن پورے ہونے کے بعد بغیر چاند نظر آنے کے بعد رمضان کا مہینہ داخل ہو جاتا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اگر چاند چھپا دیا گیا ہو تو شعبان کی گنتی تیس دن مکمل کرو۔'' (متفق علیہ)

رمضان کے استقبال کے لئے رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو مگر ایسا شخص رکھ سکتا ہے جو مثلاً ہر سوموار، جمعرات کو روزہ رکھتا تھا۔''

روزے کا وقت

جب فجر صادق طلوع ہو جائے تو اس وقت اگر کھانے پینے کا لقمہ یا پانی وغیرہ کا گلاس پکڑا ہوا ہے لہٰذا اس فجر شروع ہو گئی تو وہ چیز کھانے پینے کی رخصت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے پوچھا۔

''سحری ختم کرنے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا تو انہوں نے کہا پچاس آیات کی تلاوت کے بقدر تھا۔ (ترمذی)

اور روزے کا وقت سورج کا غروب ہونے تک ہے، جب سورج غروب ہوگیا تو روزہ افطار ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب ادھر سے رات آ گئی، ادھر سے دن چلا گیا اور سورج غروب ہوگیا تو روزہ دار کا روزہ افطار ہو گیا، (یعنی افطاری کا وقت ہو گیا)۔ (بخاری و مسلم)۔

روزہ دار پر کون سی اشیاء ترک کرنا لازمی ہے

روزہ صرف کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنے کا نام نہیں ہے، حقیقت میں روزہ دار وہ ہے جس نے اپنے جسم کے تمام اعضاء کو اللہ کی بغاوت و نافرمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے اور محرمات کے ارتکاب سے روک لیا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے جھوٹ کی بات اور اس پر عمل ترک نہ کیا، اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

کیونکہ کھانا پینا چھوڑنے کا نام روزہ نہیں بلکہ کھانے پینے کو چھوڑنے کے ذریعہ تمام محرمات کو چھڑانا مقصود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزہ صرف کھانے پینے سے نہیں ہے بلکہ روزہ لغو اور بے ہودہ اعمال اور عورتوں کی طرف رغبت چھوڑنا ہے، اگر کوئی آپ سے لڑائی کرے یا جہالت والا عمل کرے تو اس کو کہو کہ میں روزہ میں ہوں۔'' (صحیح ابن خزیمہ)۔

اسی لئے ایسے برے افعال کرنے والوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سخت عید آتی ہے۔

قرآن، تقوی اور روزہ کا تعلق

اس قوت و استعداد کا اور ان اعلا صلاحیتوں کا سرچشمہ ہے تقوی، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ اس کتاب سے وہی صحیح راہ دیکھ سکتے ہیں، راہ پر لگ سکتے ہیں اور راہ پر چل سکتے ہیں، جو تقوی رکھتے ہوں، ھدی للمتقین، دوسری طرف روزے رکھنے کا مقصد، یا یوں کہیے روزوں کا حاصل یوں بیان کیا کہ لعلکم تتقون تاکہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھیے! آپ فوراً اس راز کو پالیں گے کہ روزے سے قرآن مجید کا اتنا گہرا تعلق کیوں ہے اور نزول قرآن کے مہینے کو روزوں کے لئے کیوں مخصوص فرمایا گیا، اس ماہ کی بابرکت گھڑیوں سے زیادہ موزوں وقت اس بات کے لئے اور کون سا ہو سکتا تھا کہ روزے کے ذریعے جس سے قرآن کی راہ آسان ہو اور قرآن کی امانت کا بوجھ اٹھانا ممکن ہو؟

شب قدر اور اعتکاف

''یہ وہ مبارک رات ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، یہ رات اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے، اس کام کے لحاظ سے جو اس رات میں انجام پایا، ان خزانوں کے لحاظ سے جو اس رات میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور حاصل کیے جا سکتے ہیں، ہزاروں مہینوں اور ہزاروں سالوں سے بہتر ہے، جو اس رات قیام کرے اس کو سارے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے، ہر رات کی طرح اس رات میں بھی وہ گھڑی ہے، جس میں دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں اور دین و دنیا کی جو بھلائی مانگی جائے وہ عطا کی جاتی ہے۔'' (مسلم: جابر)

اگر آپ اس رات کے خیر سے محروم رہیں تو اس سے بڑی بدقسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی (ابن ماجہ: انس بن مالک)

یہ رات کون سی رات ہے؟ یہ ہم کو یقینی طور پر نہیں بتایا گیا، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی طاق رات ہے، یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں، بعض احادیث میں کہا گیا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی ایک رات، یا رمضان المبارک کی کوئی بھی رات ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے اور اگر اس میں قیام اور عبادت کا اہتمام کر لیا جائے تو کافی ہے، یہ ضرور ہے کہ بعض صحابہ اور صلحا کی روایات سے ستائیسویں رات کی تائید ہوتی ہے، اس رات کا واضح تعین نہ کیے جانے میں ایک گہری حکمت پوشیدہ ہے۔

اس کو پوشیدہ رکھنے کا راز یہ ہے کہ آپ اس کی جستجو اور تلاش میں سرگرداں رہیں، محنت کریں، اپنی شوق کو جلتا رکھیں، آخری عشرے کی ہر طاق رات میں اسے تلاش کریں، اس سے زیادہ ہمت ہو تو اس عشرے کی ہر رات میں اور اس سے بھی زیادہ ہمت ہو تو رمضان کی ہر رات میں۔

جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اس کو خوش کرنے کے لئے اور اس کی رحمت اور انعامات کی طلب اور شوق میں، ہر وقت ہمہ تن جستجو بنا رہے، مسلسل کوشش میں لگا رہے، کام سے زیادہ، ارادہ اور مسلسل کوشش ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، اگر معلوم ہو کہ یہ رات کون سی ہے تو سعی و جہد کی جو کیفیت مطلوب ہے وہ ہاتھ نہ آئے گی۔

اس رات کے قیام سے وہ سارا خیر و برکت تو حاصل ہوگا ہی جو کسی بھی رات کے قیام سے حاصل ہوتا ہے، لیکن ایک طرف تو اس عام خیر و برکت میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے، دوسری طرف مزید خیر و برکت کے دروازے بھی کھول دیئے جاتے ہیں۔

پورا رمضان المبارک ہماری امت پر اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے ہمارے لئے کم وقت اور مختصر عمل میں وہ ثواب اور اجر رکھا ہے جو دوسری امتوں کو طویل مدت اور بہت عمل سے حاصل ہوتا تھا، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اس کی مثال ایسی ہے کہ ''امت مسلمہ کو عصر سے مغرب تک محنت کرکے اس سے کہیں زیادہ مزدوری ملتی ہے جتنی یہودیوں کو فجر سے ظہر تک اور عیسائیوں کو ظہر سے مغرب تک، کام کرکے ملی۔'' (بخاری: ابن عمر)

سب قدر ہمارے رت کی اس خصوصی رحمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

قبولیت دعا کی خصوصی گھڑی تو ہر شب آتی ہے، لیکن شب قدر میں اس گھڑی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کی شان اور تاثیر ہی جدا ہو جاتی ہے، وہ گھڑی نہ معلوم کون سی ہو، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو ایک مختصر مگر بہت جامع دعا سکھائی تھی، جو اس رات میں آپ بھی کثرت سے مانگیں۔

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی (احمد: تدمذی)

''میرے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا

ہے، معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے، پس مجھے معاف کردے۔"

اگر ہمت و حوصلہ ہو تو پھر آپ آخری عشرے میں اعتکاف بھی ضرور کریں، دس دن کا ممکن نہ ہو تو کم مدت کا سہی، اعتکاف، قلب و روح، مزاج و انداز اور فکر و عمل کو للّٰہیت کے رنگ میں رنگنے اور ربانیت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے، اس طرح شب قدر کی جستجو کا کام بھی آسان ہو جاتا ہے، اعتکاف ہر شخص کے لئے تو ممکن نہیں، لیکن اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کو فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اعتکاف کیا ہے اور اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ "جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کمر کس لیتے، راتوں کو جاگتے، اپنے گھر والوں کو جگاتے اور اتنی محنت کرتے جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔" (بخاری و مسلم)

اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ آپ کچھ مدت کے لئے دنیا کے ہر کام، مشغلے اور دلچسپی سے کٹ کر اپنے آپ کو صرف اللہ کے لئے وقف کریں، اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر اس کے گھر میں گوشہ گیر ہو جائیں اور سارا وقت اس کی یاد میں بسر کریں، اعتکاف کا حاصل یہ ہے کہ پوری زندگی ایسے سانچے میں ڈھل جائے کہ اللہ کو اور اس کی بندگی کو ہر چیز پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہو۔

یہ تو ممکن نہیں کہ آپ میں سے ہر شخص دس دن کا اعتکاف کرے، لیکن ایک کام آپ آسانی سے کر سکتے ہیں، جس سے آپ اپنی استطاعت کی حد تک اعتکاف کر کے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر لیں، وہ یہ ہے کہ آپ جب بھی مسجد **جائیں تو اعتکاف کی نیت کر لیں، کہ جو وقت بھی** میں یہاں گزاروں گا وہ میں نے اللہ کے لئے فارغ کر دیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں فیاضی سے خرچ کرنا ہے۔

نماز کے بعد سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے وہ سب خرچ کرنا، وقت بھی اور جسم و جان کی توتیں بھی، لیکن سب سے بڑھ کر مال خرچ کرنا، اس لئے کہ مال دنیا میں سب سے بڑھ کر محبوب اور مرغوب ہوتا ہے اور دنیا کی محبت ہی ساری کمزوریوں کا سرچشمہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انسانوں سے زیادہ فیاض اور سخی تھے، لیکن جب رمضان المبارک آتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور داد و دہش کی کوئی انتہا نہ رہتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے، قیدیوں کو رہا فرماتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ایک دانے اور ایک ایک پیسے پر جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے کم سے کم سات سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کو وہ چاہیں گے اس سے بہت زیادہ بھی عطا کریں گے، یہ وعدہ اس کے کلام میں ہے جس کی صداقت میں ذرہ برابر شبہ نہیں کیا جا سکتا، سرمایہ کاری کے لئے اتنے بے پناہ منافع کا وعدہ کرنے والا کاروبار اور کہاں پایا جا سکتا ہے؟ اور اس سرمایہ کاری کے لئے رمضان سے بہتر وقت اور کون سا ہو سکتا ہے، جب فرض ویسے ہی ستر گنا بڑھ جاتا ہے اور نفل فرض کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے؟

انفاق فی سبیل اللہ متقین کی لازمی صفت ہے، تقویٰ کی بنیادی شرط ہے اور تقویٰ پیدا کرنے کے لئے ناگزیر ہے، رمضان میں انفاق، روزے کے ساتھ مل کر، حصول تقویٰ کے لئے آپ کی کوشش کو کئی گنا زیادہ کارگر اور بار آور بنا دے گا۔

پس آپ رمضان میں اپنی مٹھی کھول دیں، اللہ کے دین کی اقامت و تبلیغ کے لئے، اقربا کے لئے، یتیموں اور مسکینوں کے لئے، جتنا مال بھی اللہ کی راہ میں نکال سکیں، نکالیں، بھوک اور پیاس برداشت کرتے ہیں، تو کچھ تنگی اور سختی جیب کے معاملے میں بھی برداشت کیجئے، لیکن جو کچھ دیجئے صرف اللہ کے لئے دیجئے، کسی سے بدلے اور شکریے کی خواہش آپ کے دل میں نہ ہو۔

"ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکر۔"

اس سے کیا فائدہ کہ آپ مال نکالیں، سرمایہ کاری کریں اور اپنے ہی ہاتھوں سرمایہ اور نفع دونوں ضائع کر دیں۔

زکوٰۃ بھی پورا حساب کر کے اسی ماہ میں نکالیے، اسی طرح باقاعدگی بھی آ جائے گی اور اجر بھی آپ کو ستر گنا ملے گا۔

لیلتہ القدر

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک رات ہے جس کو قرآن نے لیلتہ القدر کہا ہے اور اسے ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے، اس رات کی واضح تاریخ کا تعین نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مسلمان رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور سے ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت و ذکر کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہیں فرماتے تھے۔

اگرچہ لیلتہ القدر کا واضح تعین نہیں کیا گیا مگر مشہور قول یہی ہے کہ یہ رمضان کی ستائیسویں رات ہوتی ہے، اس رات میں زیادہ سے زیادہ قیام و سجود اور ذکر و تسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جب لیلتہ القدر آئی ہے تو جبریل ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں اور ہر بندے کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا خدا کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ (بیہقی)۔

اس رات میں علاوہ اور عبادات کے یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

"اے اللہ! تو یہ معاف فرمانے والا اور بڑی ہی کرم والا ہے، معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف کر دے۔"

تیئسویں شب

رمضان المبارک کی تیئسویں شب کو آٹھ رکعت نماز چار سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص ایک ایک بار پڑھے اور بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ تمجید پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر انشاء اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔

وظیفہ:۔

تیئیسویں شب کو سورۂ یسین ایک مرتبہ، سورۂ رحمٰن ایک مرتبہ پڑھنی بہت افضل ہے۔

پچیسویں شب

ماہ رمضان کی پچیس تاریخ کی شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ ہر رکعت میں پڑھنی ہے، بعد سلام کے کلمہ طیبہ ایک سو مرتبہ پڑھنا ہے، بدرگاہ رب العزت سے انشاء اللہ بے شمار عبادت کا ثواب عطا ہوگا۔

پچیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر تین تین بار، سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھنے، بعد سلام کے ستر دفعہ استغفار پڑھے، یہ نماز بخشش کے لئے بہت افضل ہے۔

پچیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے، سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے، یہ نماز واسطے نجات عذاب قبر بہت افضل ہے۔

وظائف:۔

ماہ رمضان کی پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورۂ دخان پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ اللہ پاک اس سورۂ کو پڑھنے کے باعث عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔

پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورۂ فتح پڑھنا واسطے ہر مراد کے افضل ہے۔

ستائیسویں شب

ستائیسویں شب قدر کو بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھنی ہے، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھے، اللہ تعالیٰ یہ نماز پڑھنے والے کو نبیوں کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا، انشاء اللہ العظیم۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قدر تین مرتبہ سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے سورۂ اخلاص ستائیس مرتبہ پڑھ کر گناہوں کی مغفرت مانگے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ اللہ پاک معاف فرمائے گا۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ تکاثر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، یہ نماز پڑھنے والے پر سے اللہ پاک موت کی سختی آسان کرے گا، انشاء اللہ تعالیٰ اس پر سے عذاب قبر بھی معاف ہو جائے گا۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ اخلاص سات سات مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ یہ استغفار معظم پڑھنی ہے۔

استغفر اللہ العظیم الذی لاالہ الاھو الحی القیوم واتوب الیہ

انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز کو پڑھنے والے اپنے مصلیٰ سے نہ اٹھیں گے کہ اللہ پاک اس کو اور اس کے والدین کے گناہ معاف فرما کر مغفرت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس کے لئے جنت آراستہ کرو اور فرمایا کہ وہ جب تک تمام بہشتی نعمتیں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا اس وقت تک موت نہ آ سکے گی، واسطے مغفرت یہ نماز بہت ہی افضل ہے۔

اعتکاف مسنون

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالالتزام رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا احادیث صحیحہ میں منقول ہے اور یہی سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کہ بعض کے اعتکاف کر لینے سے سب کی طرف سے کفایت ہو جاتی ہے۔

اعتکاف اور معتکف کے مسنونہ اعمال

دس دن کا اعتکاف سنت ہے اس سے کم کا نفل ہے، عورت کے لئے اپنے مکان میں اعتکاف کرنا سنت ہے۔

حالت اعتکاف میں قرآن شریف کی تلاوت یا دوسری دینی کتب کا مطالعہ کرنا بھی پسندیدہ ہے۔

(بہشتی زیور)

شب قدر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''شب قدر کو تلاش کرو، رمضان کی آخری دس راتوں کی طاق راتوں میں۔''

(صحیح بخاری، معارف الحدیث)

شب قدر کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے عرض کیا۔

''مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہ عرض کرو۔''

اللھم انک عفو.........تحب العفو فاعف عنی

ترجمہ:۔ اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں (اور) عفو کو پسند کرتے ہیں لہٰذا مجھ سے درگزر کر دیجئے۔

صدقہ فطر (معارف الحدیث)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ المکرمہ کے گلی کوچوں میں منادی کر دے کہ صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، دو مد (تقریباً دو سیر) گیہوں کے یا اس کے سوا ایک صاع (ساڑھے تین سیر سے کچھ زائد) کسی دوسرے غلہ یا کھجور وغیرہ کا اور یہ صدقہ نماز عید کو جانے سے قبل دے دینا چاہیے۔

(ترمذی)

خوشی منانا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''تم سال میں دو دن خوشی منایا کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر تم کو دو دن عطا فرمائے ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ارشاد فرمایا کہ یہ ایام کھانے پینے اور باہم خوشی کا لطف اٹھانے اور خدا کو یاد کرنے کے ہیں۔''

(شرح معانی الآثار)

☆☆☆

اندر کیا ہے

ابن انشاء

نیویارک کی خبر ہے کہ وہاں ایک کتاب چھپی اور مہینے بھر میں اس کی پچیس ہزار جلدیں فروخت ہوگئیں، ایک سو ساٹھ صفحے کی اس کتاب کی قیمت تین ڈالر ہے۔

یعنی تیس روپے، مشتاقوں کا ہجوم ایسا ہے کہ پبلشر اس کے دوسرے ایڈیشن کی فکر کر رہے ہیں۔

اور اس کتاب کے اندر کیا ہے، کچھ نہیں، سادہ اوراق، تحریر نہیں کوئی، تصویر نہیں کوئی۔

☆☆☆

ہمارے لئے اس خبر میں کوئی نئی بات نہیں، ہم نے کئی کتابیں پڑھی ہیں، جن میں کچھ نہیں ہوتا، آخر میں کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ایسی تو بات ہیں کہ تین چوتھائی سے زیادہ خالی ہوتی ہیں، کسی میں پلاٹ نہیں ہوتا، کسی میں کردار نگاری نہیں ہوتی، کسی میں آغاز نہیں ہوتا، کسی میں انجام نہیں ہوتا، شاعری کی کتاب ہوتو اکثر وزن نہیں ہوتا۔

اور وزن ہوتو اس میں معنی نہیں ہوتے اور اگر وزن اور معنی دونوں ہوں تو شاعری نہیں ہوتی، قصے، کہانیوں اور شاعری کی تخصیص نہیں اور بہت سے مضامین کی کتابیں ہم نے اندر سے خالی دیکھی ہیں، ان کا مطالعہ استاد ذوق کے قصیدے کے اس شعر کی مثال ہے۔

رات بھر ٹھونگا کیا، انجم کے دانے چرخ پیر
صبح دم دیکھا تو واں اصلاشکم میں کچھ نہ تھا

☆☆☆

اتنا البتہ ہے کہ ہماری ان کتابوں کے ورق سادہ نہیں ہوتے، نیویارک والی اس کتاب میں ورق سادہ چھوڑ دیئے گئے ہیں اور شاید یہی اس کی مقبولیت کی وجہ ہے، یوں تو تحریر کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی، آپ سادے کاغذ کا ریم بازار میں جا کر بیچئے، پھر چھپے ہوئے اخبار کا ریم لے جایئے اور فرق دیکھ لیجئے، خواہ اس میں ہمارا کالم ہی کیوں نہ چھپا ہو، جس میں بے شمار قیمتی بلکہ انمول اور زریں اقوال اور بے بہا اشعار ہوتے ہیں ڈیڑھ دو روپے سیر سے زیادہ قیمت نہ پائے گا، سادگی کی قدر کا یہ حال ہے کہ پرانے شاعر سادہ رویوں پہ مرا کرتے تھے، جس کے چہرے پر کوئی تحریر ہو، خط وغیرہ، اس کی قدر گر جاتی تھی، محبوبوں تک کو اپنے مصحف رخ ہی سادے رکھنے پڑتے تھے، دام دے کر خریدتا کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

کتاب کو اندر سے سادہ رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں، پبلشر کا تو یہ ہے کہ کتاب بچتی ہے، طباعت یعنی چھپائی کی سیاہی بچتی ہے اور مصنف یعنی مضمون تک بچتا ہے، اچھی خاصی کتاب محض پبلشر اور جلد ساز کے تعاون سے تیار ہو جاتی ہے، معاشرے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے گمراہ نہیں ہوتے، بے راہ روی نہیں پھیلتی، اس میں سرمایہ داری کی حمایت نہیں ہوتی، سامراج کی وکالت نہیں ہوتی، عریانی نہیں ہوتی، ابہام نہیں ہوتا، جہالت نہیں ہوتی، چرب زبانی نہیں ہوتی، تعصب نہیں ہوتا، غلط بیانی نہیں ہوتی، کچھ بھی تو نہیں ہوتا، پھر ایسی کتاب یا

کتابیں پڑھنے والے کی نظر خراب نہیں ہوتی، اسے عینک نہیں خریدنی پڑتی، اس سے کوئی ادھار نہیں مانگتا، ایک سو ساٹھ صفحے کی کتاب تیس روپے میں اتنی خوبیوں کے ساتھ قطعی مہنگی نہیں، کم از کم ہمیں مہنگی معلوم نہیں ہوتی۔

بین الاقوامی بھائی چارے کے فروغ میں بھی یہ کتابیں بہت کام آسکتی ہیں، ان کو دنیا میں ہر کوئی پڑھ سکتا ہے، ہر جگہ مقبول ہوں گی، اس سے خواندگی اور ناخواندگی کا مسئلہ بھی خوش اسلوبی سے حل ہو جائے گا، کیونکہ کتابوں کا ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے، ان سے محظوظ نہیں ہو سکتے، خواہ لوگوں کی حد تک بھی یہ دقت ہے کہ جو انگریزی پڑھا ہے، وہ عربی کتاب نہیں پڑھ سکتا اور عربی دانوں کے لئے جاپانی زبان میں چھپی ہوئی کتاب بے معنی ہے، آنکھیں جھپکتا رہ جائے گا، اگر ایسی کتاب جو خود بھی تکلیف اٹھاتی ہے، ہمیں بھی تکلیف دیتی ہے، اس قسم کی کتابوں کو رواج دے تو ہماری پبلشنگ کی صنعت بڑی ترقی کر سکتی ہے اور قارئین کا معیار بھی بلند ہو جائے گا، وہ چھپی ہوئی گھٹیا کتابیں نہ پڑھیں گے تو ضرور بلند ہو جائے گا۔

☆☆☆

ہمارے ملک میں بھی اس قسم کی کتابوں کا رواج ہونا چاہیے، اس کے انگریزی یا امریکی زبان سے ترجمہ کرنے میں بھی کچھ دقت نہیں، کیونکہ اس کے اندر کچھ ہے نہیں ترجمہ کرنے کو، اس کی پروف ریڈنگ بھی آسان ہے کیونکہ اس کے اندر کوئی تحریر نہیں جس کے ہجے غلط ہو سکیں، اس کو سمجھنے کے لئے کوئی خلاصہ بھی نہیں چاہیے، کوئی استاد بھی درکار نہیں، کوئی مضمون ہو تو خلاصہ ہو، خلاصہ کا خلاصہ کیا معنی؟

☆☆☆

جن لوگوں کو مطالعے کی عادت نہیں، ان میں مطالعے کو فروغ دینے کے لئے بھی یہ نسخہ اچھا ہے، مطالعے سے نہیں بھاگتے، صرف تحریر سے بھاگتے ہیں، سفید کورے کاغذ سے کوئی نہیں بھاگتا، ویسے تو یہ بات کوئی کتاب سے خاص نہیں، پرانی مثل ہے، تھوتھا چنا باجے گھنا، جتنا کوئی برتن خالی ہوگا، اتنی ہی اس میں سے اچھی آواز آئے گی، آپ کے آس پاس جتنے مقبول عام آدمی ہیں، لوگ جن کے آگے پیچھے پھرتے ہیں، کبھی ان کے اندر جھانک کے دیکھیے، خالی ہوں گے، بالکل خالی، پس اگر ایک خالی کتاب کی اتنی قدر ہو رہی ہے کہ مہینے بھر میں دوسرا ایڈیشن نکل رہا ہے، جبکہ ادب عالیہ کی کتاب کے ایک ہزار نسخے نکلنے میں پانچ سال لگ جاتے ہیں

☆☆☆

دور کیوں جایئے، یہ ہمارا کالم ہی ہے، کیا اخبار خریدنے والے سب ہی لوگوں نے پڑھا ہو گا، آپ بھی مارے باندھے ان سطور تک پہنچے ہوں گے، حالانکہ دیکھئے ہم اس میں کیا کیا مضمون کھینچ کر لائے، کیا کیا نکتے پیدا کیے ہیں، اگر اس کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی تو سب پڑھتے، یعنی سب کی نظر سے گزرتی، آئندہ ہم اپنی کتابیں بھی سادہ بازار میں لایا کریں گے ان کے اندر کچھ چھاپ کر ان کو خراب نہیں کیا کریں گے، آپ چاہیں ان میں حکمت کے نسخے لکھیں، پسندیدہ اشعار لکھیں، فلمی گانے لکھیں، کبھی بچے کی ناک پونچھنی ہو تو اس میں سے ورق پھاڑ سکتے ہیں، ہم اس میں ایسا کاغذ لگائیں گے جو اس مقصد کے لئے موزوں ہو، رومال کا کام دے سکے، قیمت بھی تیس روپے سے کم رکھیں گے کیونکہ ہمارا ملک مقابلتاً غریب ہے۔☆☆☆



دلِ گزیدہ

اُم مریم

تیسویں قسط کا خلاصہ

شانزے فطرت سے مجبور برائی پہ آمادہ ہے، اویس کو اکساتی ہے قدر کے قتل پہ اویس اس کا ساتھ دینے پہ معذرت کرلیتا ہے مگر وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والی نہیں۔

قدر زندگی میں پہلی بار سلیمان کا انوکھا روپ دیکھتی ہے، ماں کا ذکر کرتا ہوا باپ اسے دل سے بہت قریب لگے، وہ ماں کا برائیڈل ڈریس پہننے کو آمادہ ہو گئی۔

علی شیر کا دوبارہ رابطہ قدر کا ایمان پھر ڈگمگا دیتا ہے، وہ سلیمان سے کیا وعدہ بھول جانا چاہتی ہے، زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اکتیسویں قسط



بے مقصد کا طول عرض ناپتے انہوں نے اپنی توجہ املتاس کے درختوں، ڈیزی کے پھولوں اور پرندوں کی آوازوں پر لگانے کی کوشش کی، شفاف آسمان کی نیلاہٹوں میں کھونا چاہا مگر بے قراری تھی کہ بڑھتی چلی گئی، رہ رہ کر قدر کا رویا رویا چہرا یاد آیا، اس کا یہ ناراض رویہ کم از کم نارمل رویئے میں بدل ہی گیا تھا لیکن کوئی گلہ شکوہ نہیں تھا، بس آنکھوں میں اُمڈتی دھند کو پیچھے دھکیلتی ہر بار سامنا ہونے پہ رخ پھیر لیتی، اب وہ خود پسپا ہوئے خود اسے بلوا بھیجا اور تب سے منتظر تھے وہ آئی، چپ کر کے صوفے پہ ٹک گئی، سلیمان کو اس کے رویئے نہ مار ڈالا، خاموشی نے اذیت دی تھی، ان کے چہرے پہ ایسا تاثر ابھرا جیسے بہت اذیت میں ہوں۔

"یہ اپنے کمرے میں لے جاؤ، سب کچھ تمہارے لئے ہے۔" انہوں نے بیڈ پہ پڑے سامان کی طرف اشارہ کیا، جس پہ قدر نے اچٹتی نگاہ ڈالی تھی، گہرا سانس بھرا اور سر نفی میں ہلانے لگی۔

"مگر مجھے تو کچھ نہیں چاہیے، آپ سے تو بالکل نہیں۔" جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا، صاف لگتا تھا وہ اپنے آنسوؤں پہ قابو پانا چاہ رہی ہے مگر کامیاب نہیں ہو پائی، آنکھیں بھیگیں، آنسو ٹپک پڑے، وہ عمر کے جس حصے میں تھی، وہاں تاثرات چھپانا ممکن بھی نہیں ہوتا اور چہرے کھلی کتاب ہوتے ہیں، سلیمان کھنکارے اور گلا صاف کرنے کے بعد نرمی سے گویا ہوئے تھے۔

"یہ تمہارے لئے شادی کا جوڑا ہے، تمہاری ماں کا تمہاری پیدائش سے پہلے کا سنبھال کر رکھا ہوا تحفہ، میرا خیال ہے کہ تم اس لئے بھی انکار نہیں کرو گی بیٹے کہ یہی جوڑا اس نے خود بھی پہنا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی یہی برائیڈل ڈریس پہنے۔"

اپنی بات کا اثر اس کے چہرے پہ دیکھتے وہ اپنی بات مکمل کر چکے تھے قدر ایک دم سناٹے میں گھر گئی، دل سینے کے اندر دھڑکنیں گم کر بیٹھا، پورا وجود اک خاموش زلزلے کی زد میں آ گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے باپ کے منہ سے اپنی ماں کا تذکرہ سنا تھا، وہ متغیر چہرے کے ساتھ اٹھی، ڈگمگاتے قدموں سے بیڈ تک آئی، لرزتی انگلیوں سے اک اک چیز کو حسرت سے چھوا، حلق میں کانٹے اگ آئے تھے، حسرت سے ہاتھ پھیرا، گویا ماں کے ان دیکھے لمس کو محسوس کرنا چاہتی ہو، اس کے اندر مامتا کے لئے بلا کی تشنگی بلا کی پیاس جگی۔

"میری مما...... واقعی بھاگ گئی تھیں پپا......؟" وہ جیسے بولی نہیں تھی، سسکی تھی، سلیمان کا چہرا بے تحاشا سرخ پڑ گیا۔

"یہ محض بکواس ہے، جس نے بھی کی۔" وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ قدر کا دل سہم گیا، دھڑکنا بھول بیٹھا، مگر یک گونہ سکون بھی ہوا، یوں جیسے کوئی بھاری بوجھ سر سے اترا ہو، گویا کپڑوں پہ اچانک آ لگنے والی غلاظت سے نجات حاصل ہوئی ہو، باپ کا طیش ان کا اشتعال ان کی بات کی سچائی کا مظہر تھا۔

"تو...... کیا وہ آپ کو چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟ پپا پلیز ٹیل می، آپ جیسے جادوائی شخصیت کے مالک شخص سے کوئی کیسے بے وفائی کر سکتا ہے، جبکہ بہت سی عورتیں آج بھی......" وہ دل میں چھپا آخری کانٹا بھی نکال لینا چاہتی تھی کہ سلیمان نے بات کاٹ دی۔

"ان کی ڈیتھ ہو گئی تھی قدر، اینڈ لیو دیں، کیا آپ کو پتا نہیں چل رہا آپ ایسی باتیں کر کے

پپا کو اذیت دے رہی ہو؟" قدر نے ہونٹ بھینچ لئے، دمکتا مہکتا لباس اٹھا کر بازوؤں میں بھر لیا، سینے سے لگایا۔

"بالکل بے فکر ہو جائیں پپا، آپ کو دکھ نہیں دوں گی کبھی، میں گھر سے بھی نہیں بھاگوں گی، چاہے مجھے آپ کے فیصلے پہ کیوں نہ قربان ہونا پڑے، محبت صرف میری ماں نے ہی آپ سے نہیں کی میں بھی آپ ہی کی بیٹی ہوں۔" بھرائی ہوئی آواز میں کہتی، وہ کمرہ سے بھاگ گئی، سلیمان ایسے کھڑے تھے، گویا پتھر کے ہو گئے ہوں۔

☆☆☆

وقت آیا ہے جدائی کا تو اب سوچتے ہیں
تجھے اعصاب پہ اتنا بھی نہ طاری کرتے
آخری داؤ لگانا نہیں آیا ہم کو
زندگی بیت گئی خود کو جواری کرتے

اس نے نظم پڑھی اور متنفر انداز میں کتاب کھڑکی سے باہر پھینک دی، اسے ایسی شاعری پڑھنے کی رنجیدہ ہونے کی بالکل ضرورت نہ تھی، وہ اور ہوتے ہوں گے جو اپنا غم ایسے غلط کرتے ہوں گے، اس نے کھڑکی سے جھانکا، دم توڑتی دوپہر کے آنگن میں آخری قدم تھے، اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر ابھرا جیسے مرنے مار ڈالنے کا عزم پختہ کر رہی ہو، پھر پلٹی اور اپنا فون اٹھا لیا، پہلے احتیاطاً کمرے کی دروازہ بند کیا پھر بیڈ پہ بیٹھ کر ہینڈ فری سیٹ کی اور مطلوبہ نمبر ڈائل کرنے لگی، یہ ساری احتیاط ضروری تھی، وہ ہرگز بھی اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں رکھنا چاہتی تھی، کال ریسو ہوئی اور دوسری جانب سے کچھ بولنے کے بجائے ہنسی کی آواز سن کر وہ ایک لمحے کو بھونچکی ہوئی پھر جیسے سمجھ کر جان کر تیوری پہ بل پڑ گئے۔

"آخر تمہارے پیٹ میں ہنسی کے مروڑ کیوں اٹھ رہے ہیں۔" وہ غضبناک ہو کر پھنکاری، مردانہ ہنسی میں شدت آ گئی۔

"گئی تو تم یہاں سے ایسے تھیں کیا بندوق سے گولی نکلتی ہو گی، جو پلٹ کر نہیں آ سکتی، مگر یہ بھی شانزے ہیں، شرم نام کو نہیں جن میں۔" وہ بھی اویس تھا لحاظ مروت منقا تھا جس کے ہاں، اس کو خاص کر کھرے چھیلنے میں بڑا لطف محسوس ہوا کرتا، تاؤ تو شانزے کو بہت آیا مگر وہ منہ ماری کا نہ تھا، ہر صورت اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی، انتقام کی حرص نے اسے اندھا ہی نہیں کیا تھا، ایسی ناگن کا بھی روپ دے دیا تھا جو ڈسے بغیر نہیں رہتی۔

"کیا یہ بہتر نہیں کہ جلی کٹی تم پھر کبھی سنا دو مجھے، اس وقت میری سن لو۔" اس کا انداز سرد بھی تھا کاٹ دار بھی، اویس نے ہنکارا بھرا، ہنسی تو وہ کنٹرول کر ہی چکا تھا۔

"کیا کہنا چاہو گی؟ یہیں کہ اپنے سابقہ منگیتر کی طے ہونے والی شادی کی تاریخ پہ بدائی تو نہیں مانگنے والی تو سن لو کہ میں خود آج کل بڑا فقیر ہوا ہوا ہوں۔" اس کی مخصوص قسم کی بکواس جاری ہو چکی تھی، سانزے نے جل بھن کر دل ہی دل میں جانے کتنی بار اس پہ لعنت بھیجی۔

"مقام افسوس ہے، اگر تمہیں علم ہے تو پھر بھی، مجھے اذیت دے رہے ہو۔" اس نے ملامت

کرنا چاہی، مگر وہ اویس تھا، الٹا دانت نکالنے لگا۔

''تم محبت نہیں ہوس کا شکار ہو شانزے، ہم سب ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں، پھر ایک دوسرے سے انجان کیسے ہو سکتے ہیں، جب جانتے ہیں تو دھوکے بھی نہیں دے سکتے اک دوجے کو۔'' وہ پھر اس کی طبیعت صاف کرنے لگا۔

''میں چاہتی ہوں کسی طریقے سے یہ شادی رک جائے۔'' اس نے اپنی بات پہ زور دیا، اویس سرد آہیں بھرنے لگا۔

''اس کے لئے تمہیں چاہیے تم ان دونوں کی موت کی دعا مانگو۔'' وہ دانت نکوسنے لگا، شانزے نے اس پر پھر پھٹکار بھیجی۔

''اللہ نہ کرے کہ حمدان کو کچھ ہو۔''

''تو کیا صرف اس بیچاری معصوم لڑکی کو موت آ جائے، تو پھر تم ہی مر جاؤ یہ بہتر نہیں؟'' وہ اس کا مذاق اڑانے لگا، شانزے نے دانت بھینچے، وہ چاہتی تھی وہ سنجیدہ ہو کر بات کرے اس سے مگر مسلسل چٹکلے سوجھ رہے تھے۔

''ہاں میں یہی چاہتی ہوں اکیلی وہ لڑکی مرے۔'' اس کا لہجہ سفاکانہ ہو گیا، اویس چند ثانیوں کو چپ رہا، جب بولا تو موڈ اور انداز ہنوز تھا۔

''تمہیں کیا حاصل ہو گا حاسدوں کی خالہ جان! شادی تو وہ پھر بھی کسی سے کرے گا، اگر وہ تمہارے نصیب میں ہوتا تو پہلے ہی مل جاتا تمہیں۔'' شانزے نے کان نہیں دھرے، اس کی تان وہیں ٹوٹتی تھی۔

''تم اس کام میں میرا ساتھ دو گے؟'' سوال ہوا تھا اور اویس بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

''تمہیں معلوم نہیں شاید وہ بہت بڑے سیاست دان کی بیٹی ہے۔'' اس نے جیسے اسے یاد دلایا، اسے اس کی اوقات جو اس کے خیال میں وہ بھول چکی تھی یاد دلانا چاہی، شانزے کو یہی بات کانٹے کی طرح چبھی۔

''خدا نہیں ہے اس کا باپ، جو ہر کسی کے سر پہ ہوا سوار ہو گیا ہے۔'' اس کے انداز میں جیلسی تھی، اویس پھر ہنسنے لگا۔

''اچھا...... بالفرض...... میں مان جاؤں، تمہارا ساتھ دینے پہ آمادہ ہو جاؤں تو کیا کرنا ہو گا مجھے۔'' وہ اسے ٹٹولنے لگا، پرکھنے کو بولا، شانزے ایک دم پرجوش ہوئی۔

''عین شادی کے دن اسے گولی مروا دینا، شک فطری طور پہ مخالف سیاسی پارٹی کی طرف جائے گا، نہ لاٹھی ٹوٹے گی اور سانپ بھی مر جائے گا۔'' اس کی ہنسی میں شیطانیت رقص کرنے لگی، اویس نے محض ہنکارا ابھرا۔

''تو گولی سانپ کو مارنی ہے، یعنی حمدان کو؟'' اس سوال نے جو بھلے جتنی بھی سنجیدگی سے ہوا تھا شانزے کو برو فروختہ کر ڈالا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے، میں ایسا کیسے چاہ سکتی ہوں؟'' وہ پھٹ پڑی تھی، اویس نے کاندھے جھٹکے۔

''یعنی تم نے لفظ سانپ استعمال کیا تھا، سپنی نہیں، پھر کیا مطلب ہوا اس کا؟'' صاف لگتا تھا وہ اسے زچ کر رہا تھا اور کچھ بھی نہیں۔

''اچھا بھئی غصہ تھوک دو، میں سمجھ گیا گولی لڑکی کو مارنی ہے، یعنی دلہن کو۔''

''آف کورس۔'' وہ یوں خوش ہوئی جیسے ابھی دلہن کو گولی لگ بھی گئی ہو۔

''فرض کر لیا، ایسا ہو گیا، اس میں میرا مفاد کیا ہو گا تم نے یہ نقطہ واضح نہیں کیا، ذرا اس پہ بھی روشنی ڈال دو تو بہتر ہو گا۔'' وہ اب سنجیدہ ہو چکا تھا بظاہر، شانزے اسے لائن پہ آتا محسوس کر کے گردن اکڑا کے بیٹھ گئی، مسکرائی اور بال ادا سے جھٹکے۔

''ظاہری بات ہے تمہارا مطلوب، یعنی حجاب، اسے تم تک جائز ناجائز ہر طریقے سے پہنچانے کے لئے میری ہر مخلصانہ مدد تمہارے لئے ہو گی۔'' اب وہ بالوں کی لٹ کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھی، دل ہی دل میں گا رہی تھی۔

لٹ الجھی سلجھا جا رے بالم
میں نہ لگاؤں کی ہاتھ رے
چاند سے مکھڑے پہ ناگن زلفیں
چاہے ڈسیں ساری رات رے

تصور میں خود کو حمدان کے آگے مٹکتا محسوس کرتی تھی، جبھی دھیان اویس سے ہٹ گیا، خیال تھا ہی اتنا بے خود اس قدر ریختہ اور زور آور۔

''ہیلو...... ہیلو'' وہ بار بار پکار رہا تھا، زور زور سے تب وہ چونکی، متوجہ ہوئی۔

''ہاں...... ہاں...... بولو...... کیا کان پھاڑو گے؟'' وہ بدمزا ہوئی، سارے تصور کا اس کی بھونڈی آواز نے ناس مار دیا تھا۔

''میرا خیال ہے تم اپنی بات کر چکی مکمل، تو میرا جواب بھی سن لینا چاہیے تھا۔'' اویس خفا خفا سا بولا، موڈ جانے کس وجہ سے اچانک خراب ہو گیا تھا۔

''تمہارا جواب کیا ہو گا سوائے ہاں کے۔'' وہ اٹھلائی، یقین سے بولی، اویس نے قہقہہ لگایا، گویا اس کا مذاق اڑایا۔

''میں تمہاری طرح نہ بزدل ہوں شانزے بیگم اور نہ ہی کمزور کہ ایسے بزدلانہ اقدام سے کچھ حاصل کرنے کا سوچوں، ہمیں تو ایک خاص موقع کا انتظار ہے، جب آئے گا تو ڈنکے کی چوٹ پہ سب کچھ کریں گے، اگر تم تب تک جل جل کے نہ مر گئی ہوتیں تو تم بھی ملاحظہ کر لینا ہمارا کارنامہ۔'' یہ وہ کیا کہہ رہا تھا، شانزے بکے تو جاننے سے ہی جاتی رہی، گویا کچھ پلے نہ پڑا۔

''میں سمجھی نہیں؟'' وہ ہکلائی، اویس ہنستے ہوئے بے حال ہونے لگا۔

''اس میں تمہاری عقل کا قصور ہے کوڑھ مغز عورت، بادام کھایا کرو۔'' مشورے سے نواز کر وہ سکون سے فون بند کر گیا، جبکہ وہ ہاتھ میں موبائل یونہی لئے بیٹھی تھی، کھسیائی ہوئی، تلملائی ہوئی، اسے گالیاں دینے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

☆☆☆

میری آنکھوں میں نئے خواب بسانے آئے
پھر سے جگنو میرے کمرے کو سجانے آئے
ایک مدت سے میرے دل میں یہی خواہش ہے
تیری خوشبو میری سانسوں میں سمانے آئے
تو کسی روز میرے نام کا آنچل اوڑھے
تو کسی روز میرا ساتھ نبھانے آئے
آؤ تعمیر کریں پیار کا اک تاج محل
اس سے پہلے کہ ہجر ہم کو رلانے آئے
بیٹھ جاتا ہوں میں ہر روز سرراہ گزر
جانے کس لمحے کوئی مجھ کو منانے آئے

دونوں ہاتھ کھڑکی کی سلائیڈ پہ رکھے وہ باہر جھانک رہا تھا، ہونٹوں پہ بہت گہری مسکان تھی، بہت آسودہ، باہر تاریک رات بہتی تھی، جس کی گود تاروں کی روپہلی روشنی سے خالی تھی، لمبے لمبے درختوں کی شاخوں میں تاریکی دم سادھے سو رہی تھی، اس کی نظریں بانجھ رات کے سینے پہ روشنی تلاشتے تھکی تو کھڑکی بند کر دی۔

ابھی کچھ دیر قبل جب حجاب اسے دودھ کا گلاس دینے آئی تو اسے فون پہ مصروف پا کے بنا سوچے سمجھے چھیڑنے کا بہانہ تلاش کر لیا تھا۔

"ہوں..... تو بھابھی سے چپکے چپکے فون پہ رومانس ہو رہا ہے، کر لیں کر لیں، ہمارے تو کان ویسے بھی بند ہیں۔" حمدان اپنے ماتحت سے بات کر رہا تھا، اسے گھورنے لگا مگر وہ کہاں اثر لینے کی تھی، باز بھی نہیں آئی۔

"چھپی رستم ہیں قدر بھابھی بھی، بظاہر بڑا اکڑتی ہیں اندر ہی اندر یہ کارنامے۔" حمدان نے عاجز ہو کر فون بند کر دیا، خفگی سے اسے دیکھا۔

"میں اس سے کیوں بات کروں گا بھلا؟"

"کر بھی لیں تو کوئی حرج ہے؟" حجاب شرمندہ ہوئے بغیر دانتوں کی نمائش کرنے لگی۔

"اسی سے کریں گے، یہاں تو آنے دو۔" اب کے وہ مسکرایا تھا، آنکھوں میں بڑا دلکش رنگ اترا۔

"اوئے ہوئے۔" حجاب نے آنکھیں نچائیں۔

"تب تو کریں گے ہی، مزا تو تب ہے کہ اب کریں۔" وہ گویا اسے شہہ دے رہی تھی، حمدان نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"الٹی پٹیاں نہ پڑھاؤ مجھے۔"

"اس کا مطلب آپ اس مہاجن سے ڈرتے ہیں؟" حجاب نے منہ بنا لیا، حمدان نے کاندھے جھٹکے۔

"یہ کام مجھے نہیں آتا کم از کم۔" اس کا اعتماد قابل دید تھا، حجاب جب اسے زچ نہ کر سکی تو خود

زچ ہو کر واک آؤٹ کر گئی، حمدان مسکراتا رہا تھا، خیال آپ ہی آپ اس کا عکس چرا لائے، اسے نظر انداز کرتی اس روز روئی روئی آنکھیں اور سرخ ناک کے ساتھ اس کا حسن اور بھی دو آتشہ ہو چلا تھا اور بھی قیامت خیز لگ رہا تھا، وہ کن اکھیوں سے اس کا ملیح چہرہ دیکھتا تھا تو دل سیراب نہ ہوتا تھا، بھرتا ہی نہ تھا۔

(مجھے اسے فون تو کرنا چاہیے، پیار سے بات نہ بھی کرے گی تو غصہ بھی نہ کرے گی، سر آنکھوں پہ جناب آپ کا ہر انداز)۔ وہ شریر انداز میں مسکراتا اس کا نمبر ڈائل کر گیا۔

"ہیلو۔" خاصی تاخیر اور بار بار کی ٹرائی کے بعد جا کر حمدان نے اس کی سوئی سوئی غنودہ آواز سنی تھی۔

"اتنی جلدی سو گئیں تھیں؟" وہ حیران رہ گیا، حیران تو قدر بھی رہ گئی تھی، نیند خراب ہونے پہ اس نے نمبر دیکھے بنا کال ریسو کی تھی کہ آنکھیں کھل ہی کہاں رہی تھیں، مگر بے تکلفی کا یہ مظاہرہ نہ کھلنے والی آنکھیں کھول گیا، وہ طیش میں مبتلا ہوتی جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی۔

"کون......؟" حمدان اس سوال پہ لو دیتے جذبات پہ گھڑوں کے حساب سے پانی گرتا محسوس کرتا سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

"جی یہ کیا بات ہوئی، بس اسی سوال کی کمی تھی۔" اس نے جل کر جواب دیا، قدر بھنا اٹھی۔

"شٹ اپ، سیدھی طرح بات نہیں کر سکتے، کون ہو تم، آدھی رات کو فون کرنے کا مطلب؟"

"ہم وہ ہیں جو آپ کا سب کچھ قرار پا چکے ہیں خیر سے، کیا اب پہچانا۔" وہ بھی اسے دانستہ زچ کر رہا تھا، مقصد بات کو طول دینا تھا اور وہ کامیاب تھا، قدر کے وجود میں غصے کے بگولے اٹھنے لگے، اس بڑھی ہوئی جرأت کے مظاہرے نے اندر آگ دہکا ڈالی گویا۔

"اگر سامنے ہوتے تو بتاتی تمہیں اس بات کا جواب۔" اس نے دانت پیسے، حمدان ایک دم شریر ہو گیا تھا۔

"تم بتانے والی تو بنو میری جان، ابھی آ جاتا ہوں پاس بھی، شرعی و قانون تقاضے تو پورے ہیں، کوئی حد بندی ہی نہیں۔" وہ اسے ستانا چاہتا تھا، وہ اسے ستا رہا تھا، تصور کی آنکھ سے اس کا سرخ ہو کر دہکتا چہرا بھی دیکھ سکتا تھا، قدر کو کہاں توقع تھی اس سے اس درجہ فضول گوئی کی جبھی چند ثانیوں کو بول نہ پائی، یہ سکتہ ٹوٹا تو حشر اٹھا دیا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ اپنی اوقات سے باہر کیوں نکل جاتے ہو ہر بار۔" وہ بلبلا اٹھی تھی، حمدان نے گہرا سانس بھرا۔

"ایسی باتیں کر کے آپ صرف میرے غصے کو ہوا دیتی ہیں، جو آنے والے وقت میں آپ کے لئے ہی مشکلات میں اضافہ کرے گی ہیں۔" حمدان کی تنبیہ پر بھی وہ سیخ پا ہو گئی تھی۔

"دھمکی دے رہے ہو تم مجھے، کاش تمہارا یہ روپ دیکھتے پپا!" وہ جیسے سسکی تھی، حمدان کو تاسف نے آن لیا۔

"آپ خواہ مخواہ ہرٹ ہو رہی ہیں قدر، میرا مقصد تو صرف آپ کو شادی کی مبارک باد دینا تھا۔" گہرا سانس بھرتا وہ وضاحت کر رہا تھا۔

''کسی کی موت کی خبر پہ مبارک کوئی پاگل ہی دے سکتا ہے، کاش میں مر جاتی مگر یہ برداشت نہ کرنا پڑتا۔'' وہ باقاعدہ روتے ہوئے فون بند کر چکی تھی، حمدان کے دل پہ ان دیکھا بوجھ آن گرا، پھر وہ سو نہیں سکا، اضطراب اس کا دل مسلتا رہا تھا، گرمیوں کی اماوس کی یہ رات دھیرے دھیرے سرکتی رہی، یہاں تک کہ آخری پہر شروع ہو گیا، دور سے اذان کی آواز بھی آ رہی تھی، جب وہ تھک کے بستر پہ گرا تو اس کا دل بے حد خالی ہو رہا تھا۔

تمہاری بے رخی پر بھی لٹا دی زندگی ہم نے
اگر تم مہرباں ہوتے ہمارا حال کیا ہوتا

☆☆☆

یہ دنیا ہے یہاں [illegible] تماشا ہو بھی سکتا ہے
ابھی تو غم ہمارا ہے تمہارا [illegible] ہو بھی سکتا ہے
نہ یہ سمجھو کہ تم ہی آخری [illegible] محبت ہو
محبت جرم ہے ہم سے دوبارہ ہو [illegible] ہے
تیرا ماننا بچھڑ جانا بچھڑ کے پھر سے [illegible]
ہمیشہ کی جدائی کا اشارہ ہو بھی سکتا ہے
تم اپنے آپ کو ہرگز کوئی الزام مت دینا
یہ سودہ ہے محبت کا خسارہ ہو بھی سکتا ہے

اسے بڑے دنوں بعد علی شیر کا ٹیکسٹ موصول ہوا، جسے پڑھ کر سمجھ کر وہ بے اختیار رونے لگی۔ (تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں میں خود ہی سمجھ گئی تھی، تبھی ہتھیار پھینک دیئے) اس کے جواب میں جو میسج بھیجا اس کے نیچے میں علی شیر کی کال آنے لگی، قدر اتنی بد دل تھی کہ سنے بغیر کاٹ دی۔

(اب کیا فائدہ) وہ بے دل تھی، علی شیر بھی مستقل مزاج تھا، ہار ماننا اسے کبھی نہیں آئی تھی، اتنا بار بار کیا کہ قدر کو اس سے بات کرنا پڑی تھی۔

''کیوں تنگ کرتے ہو؟''

''تو کیا اب یہ حق تم نے کسی اور کو دے دیا؟'' اس کی آواز میں سلگن تھی، جس کی آنچ قدر تک بھی آ پہنچی۔

''نہ بھی دوں تو تمہارے پاس بھی نہیں رہا۔''

''مجھے بس یہ بتاؤ تم شادی پہ کیسے مان گئیں؟'' علی شیر کے غصے کی اصل وجہ یہی تھی۔

''اور کیا کروں پھر؟'' وہ بے اختیار چلائی، ضبط کھو گیا تھا جیسے، دل ویسے ہی بھرا رہتا۔

''تم ایسے ہار ماننے والی تو نہ تھیں قدر، میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔'' وہ پھٹ پڑا۔

''تو کیا کرو گے تم؟'' قدر نے پرواہ نہیں کی۔

''تمہارے اس کچھ لگتے کو جان سے مار دوں گا۔'' علی شیر ہیجان میں مبتلا ہو رہا تھا۔

''تو مار دو۔'' قدر کا جواب علی شیر کو ٹھنڈا کر گیا تھا۔

''میں کل رات تمہارے گھر سے باہر تمہارا منتظر رہوں گا قدر، تم آؤ گی، تمہیں آنا ہوگا، ورنہ میں سمجھوں گا تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں ہے۔''

وہ خود تو جذباتی ہو ہی رہا تھا، اسے بھی کر دینا چاہتا تھا، شیطان کا کام ہی برائی کا راستہ مزین کر کے دکھانا ہے اور وہ دکھا رہا تھا، قدر ایک دم چپ ہو گئی، جیسے کچھ سوچتی ہوئی، جیسے کٹھن فیصلے کے مرحلے پہ کھڑی ہو گئی، باپ کی عزت، باپ کا مان، باپ سے کیا وعدہ، دور کھڑے اسے بے قرار نظروں سے دیکھتے تھے اور وہ نظریں چرائی تھی، باپ نے بھلا اسی کے لئے کیا کیا تھا، جو وہ قربانی دیتی، اسے بھی حق تھا اپنی زندگی جینے کا۔

''اس سورما کی طرف سے تو تم بالکل بے فکر ہو جاؤ، اس سے تو میں خود نپٹ لوں گا، اگر وہ ہم دونوں کے بیچ آیا ہے تو میں سمجھتا ہوں اسے جینے کا کوئی بھی حق حاصل نہیں ہے۔''

''جینے کا حق تو تم جیسے کتوں کو بھی نہیں ہے، لیکن دیکھو...... جیتے بھی ہیں اور بھونکتے بھی ہیں۔'' سلیمان غضبناک ہو کر غرائے اور ریسور قدر کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اس کا مطلب تھا، سلیمان خان دوسرے فون سیٹ سے ان کی بات چیت سن رہے تھے، وہ تھر تھر کانپتی خوفزدہ نظروں سے ٹیلی فون کے ریسور کو دیکھتی رہی، چند لمحے نہیں گزرے اور سلیمان خان اس کے سامنے آن ٹھہرے، ان کی نظروں میں کیا تھا، وہ کیسے دیکھتی، وہ تو زمین میں گڑھنے پہ قدرت نہ رکھتی تھی ورنہ [illegible] کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی۔

''[illegible]...... مم...... میں......'' وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر سلیمان خان نے اس کی بات کاٹ ڈالی۔

''اس انکشاف کے بعد میں روایتی حربہ استعمال کرتے کوئی اقدام نہیں کروں گا قدر! بلکہ تمہیں اختیار دے رہا ہوں اپنی مرضی کا فیصلہ کر لو، میرے دل کے میرے گھر کے دروازے کھلے ہیں، کھلے رہیں گے، بے [illegible] چلی جانا، اگر تم میری بیٹی ہو گی تو فیصلہ میرے حق میں کر لو گی...... نہیں تو...... میرا تم سے ہر رشتہ [illegible] ختم ہو جائے گا۔'' وہ بول ضرور رہے تھے، مگر اسے ان کی آواز بالکل شناسا نہ لگی، وہ زارو قطار [illegible] تھی، کچھ نہیں بولی، سلیمان جیسے آئے تھے، ویسے ہی پلٹ گئے، اسے چپ کروائے بغیر...... اس کا دکھ سنے بغیر، اس کا فیصلہ جانے بنا، اسے یقین ہوا۔ [illegible] ماں ایسے ہی مری تھی، ان کی ایسی ہی [illegible] اعتنائی سے مری ہو گی، بھلا کوئی ایسے بھی کرتا ہے جیسے [illegible] گئے تھے، جیسے وہ کہہ گئے تھے، نہ [illegible] نہ مان نہ بھروسہ، وہ اتنے بے حس اتنے سنگدل کیوں [illegible] روایتی کیوں نہ تھے، وہ سوچ گئی اور [illegible]۔

☆☆☆

کہیں کوئی نہیں مرتا
ہے سارا کھیل حرفوں کا
نہ ہے محبوب ہی کوئی
سبھی جملے سے لگتے ہیں
چلو کچھ دیر ہنستے ہیں

اسی کو یاد کرتے ہیں
جسے ہم زیست کہتے تھے
کہ لینا سانس بن جس کے
ہمیں اک جرم لگتا تھا
کہ سنگ جس کے ہر اک لمحہ
خوش و خرم لگتا ہے
جسے ہم زندگی کہتے
جسے ہم شاعری کہتے
غزل کا قافیہ تھا جو
نظم کا جو عنواں تھا
وہ جب لہجہ بدلتا تھا
وقت اس سے آگے چلتا تھا
بلا کا تیز لگتا تھا
جو سایہ بن کے رہتا تھا
جدا ابس اس کے رستے ہیں
چلو کچھ دیر ہنستے ہیں
چلو کچھ دیر ہنستے ہیں

باہر چلچلاتی دھوپ تھی، رات کی بارش کے بعد آسمان بالکل صاف تھا، صبح سے خوب سفید دھوپ نکلی ہوئی تھی، گاڑی سے نکل کر کمرے تک آتے آتے انہیں پسینہ آ گیا، دھوپ بہت تیز تھی، پتا نہیں واقعی موسم شدید تھا یا ان کے اندر اتنی تپش در آئی تھی، کمرے میں آ کر انہوں نے گریبان کے بٹن کھولے اور کوٹ اتار کر صوفے پہ اچھال دیا، بیڈ کی پائنتی بیٹھتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا، دل بے حد شاکی تھا، دکھی تھا، انہیں سمجھ نہ آتی تھی، ان کی زندگی میں ابھی اور کیا کچھ ہونا باقی تھا ابھی...... روز کچھ نیا اور انوکھا، انوکھا اور حیران کن، صرف حیران کن نہیں، بے یقین اور دکھ بھرا بھی۔

انہیں یقین ہونے لگا تھا ان کی تخلیق کے وقت ایک لفظ ان کی قسمت میں لکھا گیا تھا، محرومی کا لفظ، رشتوں سے، مان سے اعتبار سے، محبتوں سے محرومی، ایک بیٹی کا رشتہ تھا، جس پہ خود سے زیادہ مان تھا انہیں، کہ اتنی ہی محبتیں دے ڈالی تھی اسے انہوں نے، جس کی معصوم صورت دیکھ کر انہیں زندگی سہل لگتی، بھولنے لگتا کہ کوئی دکھ بھی ہے۔

اس نے انہیں اتنا بڑا دھوکہ دیا؟ وہ یقین کرنا بھی چاہتے تو نہ کر پاتے۔

وہ تو خود کہتی تھی مجھے علی شیر سے شادی نہیں کرنی، اس کے سوا کسی سے بھی، انہوں نے مان لیا، اپنے تئیں اس کے لئے بہترین فیصلہ کیا، ایسا انتخاب کیا جس کی قدر و قیمت کا اندازہ وہ ابھی نہیں کر سکتی تھی، نادان جو تھی، مگر وہ ایسا قدم اٹھائے گی؟

وہ سوچ نہ سکتے تھے، اس کی ناراضی و خفگی کو وہ اس کے حوالے سے لے ہی نہ رہے تھے، سمجھتے رہے وہ ان کے فیصلے کی وجہ سے ہرٹ ہوئی ہے، اس کے لئے دوسری ماں کا انتخاب اسے پسند نہیں آیا، جس معاملے کو وہ اتنا عام لے رہے تھے وہ اتنا گمبھیر ہوگا، کیا اندازہ تھا۔

فون کی مسلسل سے ہوتی بیل پہ انہوں نے اس خیال سے کال تھوڑی ریسو کی تھی کہ اگلے لمحے انکشاف کا ایسا زہر ان کی رگوں میں اترے گا کہ کیا بیس سال پہلے اترا تھا، تب بھی جانے والی نے انہیں اندھیرے میں رکھا تھا اور ایک بڑا قدم اٹھایا تھا، وہ اگر اس کی بیٹی تھی تو اس سے ہٹ کر کچھ کیسے کر سکتی تھی، انہوں نے چاہا بہت چاہا، وہ خود کو نارمل رکھیں مگر اندر کہیں وحشت کا اک جنگل اگ آیا تھا، انہوں نے کیا سنا کیا رسپانس دیا انہیں ٹھیک سے یاد نہیں، یاد تھا تو بس یہ ایک بار پھر بھروسہ ٹوٹ گیا۔

وہ ساری رات نہ سوئے، ساری رات ان کی آنکھیں جلیں، فیصلہ سنا کر بھی چین کہاں تھا، چین تو اصل میں کھویا ہی اب تھا، بیوی اور بیٹی کے رشتوں میں فرق ہوتا ہے، زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، بیوی وہ ہوتی ہے، جس کے خطا سے درگزر نہ ہو پائے تو تعلق سے بندھی نازک ڈور ایک جھٹکے سے کاٹ پھینکیں، ٹوٹ جاتی ہے، ختم ہو جاتا ہے ہر ناطہ، مگر بیٹی...... بیٹی خون ہوتی ہے، اپنا خون ہوتی ہے، بیٹی سے غلطی تو تو ایسا کوئی ہتھیار ایجاد نہیں ہو سکا کہ اس سے بندھا رشتہ کاٹ کر توڑ کر پھینک دیا جائے، وہ کہہ آئے تھے، دروازے کھلے ہیں گر چاہے وہ جا سکتی ہے، مگر کیا واقعی وہ برداشت کر پائے؟ کیا واقعی وہ سہہ پاتے؟

☆☆☆

تمہیں کیا بتاؤں میں
میں کیوں ناشاد رہتی ہوں
میں کیوں برباد رہتی ہوں
میرے دست تمنا پر
لکھی تحریر ہو جاناں
بہت سے دور خوابوں کی
تمہی تعبیر ہو جاناں
مگر جو ناصلہ تقدیر نے
ماتھے پہ لکھے ہیں
مقدر کی اسی تقدیر کے باعث
میں خود پہ جبر کرتی ہوں
گلہ شکوہ نہیں کرتی
مسلسل صبر کرتی ہوں
تمہیں کیسے بتاؤں میں
میں صبر کرتی ہوں

زمین مصلحت میں
آرزو کو دفن کرتی ہوں
فلک سے ٹوٹ کر
جیسے سمندر میں بکھرتی ہوں
میں کیسے صبر کرتی ہوں
میں کیسے جبر کرتی ہوں
سنو.............
ان چاہتوں کو
عشق کی پہچان دیتی ہوں
جنوں کی آخری حد کا
کوئی عنوان دیتی ہوں
سنو میں مان دیتی ہوں
یقین تم کو دلانے کو
کہو تو جان دیتی ہوں

نرم سی ہوا سے شہتوت کے پتے لرز رہے تھے، فصلوں کے بیچ جانے والی پگڈنڈی پر وہ تینوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے ہمراہ آگے بڑھ رہی تھیں، حجاب کا دل عجیب سی ویرانی سمیٹ لایا تھا، عمر نے شادی میں شریک ہونے سے معذرت کر کے اسے مایوسی ہی نہیں افسردہ بھی کر ڈالا تھا۔

''آپ کو اندازہ ہے؟ مما کو کتنا دکھ ہوگا آپ کے اس فیصلے سے؟'' اس نے اسے مجبور کرنا چاہا، جواباً وہ زہرخند سے ہنس دیا تھا۔

''وہ دکھوں کی عادی ہو گئی ہیں اور انہیں دکھ سہنے پہ مجبور تمہارے سو کولڈ فادر نے کیا ہے، الزام مجھ پہ کیوں؟''

آج وہ خاصا بے لحاظ ہو رہا تھا، حجاب نے گہرا سانس بھر کے موبائل دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کیا۔

''اتنے روڈ کیوں ہو جایا کرتے ہیں کبھی کبھی؟''

''مجھ سے یہ سوال نہ کیا کرو، دوسرے لفظوں میں اتنی معصوم نہ بنا کرو۔'' وہ غرا اٹھا، حجاب چپ کر گئی، بلکہ فون بند کر دیا، عمر نے پھر بھی خیال نہ کیا، کوئی رابطہ نہ کیا، گاؤں کی تحصیل چھوٹی سی تھی، اسی حساب سے اس کے ریلوے اسٹیشن پہ حکومت کی توجہ تھی، نظام بھی ایسا ہی تھا، ٹرین کا ٹائم بھی مقرر نہ تھا، کبھی ٹائم سے بھی پہلے آ جاتی کبھی غیر اعلانیہ کئی کئی گھنٹے لیٹ، منیب چوہدری نے انہیں ٹائم سے پہلے پہنچنے کی تاکید کی تھی، خود وہ ٹکٹ کنفرم کرانے کی خاطر پہلے جا چکے تھے۔

عاشقاں توں سوہنا مکھڑا لوکاں لئی
سجناں نے بوہے اگے چق تان لئی
چق تان لئی او چق تان لئی

وہ اپنے دھیان میں تھیں، کہاں غور کیا مگر وہ لفنگا نظریں گاڑھے نہ صرف کھڑا تھا، بلکہ حجاب کو دیکھتے ہی تانیں بھی اڑانے لگا، حجاب کے ساتھ ساتھ حرم اور غانیہ کے بھی قدم اکھڑ گئے، اس افتاد کے متعلق تو گمان بھی نہ تھا، یہ تھا بھی سنسان علاقہ...... گاؤں سے ذرا پرے تالاب نما جوہڑ تھا، جس میں میلوں دور واقع پہاڑوں سے برسات کے دنوں میں آنے والا پانی جمع ہوتا تھا، اس میں بارش اور دریا سے بھی پانی آتا رہتا تھا، اس وجہ سے اس میں پانی کبھی کم نہ ہوا تھا، یہ جگہ قدرتی طور پر چاروں طرف سے درختوں میں گھری ہوئی تھی، یہاں گاؤں کی عورتیں کپڑے دھوتیں بچے نہاتے تھے، کچھ بچے بلند و بالا درختوں پر چڑھ کر تالاب میں چھلانگ بھی لگاتے تھے، غرض یہ گاؤں کے لوگوں کی من پسند جگہ تھی مگر دوپہر کو یہاں زیادہ رش ہوا کرتا، عورتیں گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر ادھر کا رخ کرتیں اور شام سے پہلے پہلے واپس لوٹ جایا کرتیں، یہ صبح کا وقت تھا اور یہاں سناٹا تھا۔

''سلام چاچی...... ادھر کدھر؟''

وہ بات بھلے غانیہ سے کرتا تھا مگر دیکھتا حجاب کو تھا، جس سے اوڑھی ہوئی چادر کا پلو پیشانی تک کھینچ کر اس کے بے حجاب نظروں سے بچنے کی سعی کی تھی مگر بے سود، اس کی نظریں تو ایکسرے مشین تھیں، جو اندر تک اتری جاتی تھیں۔

''وسلام۔'' غانیہ نے محض سلام کا جواب دیا اور قدموں کی رفتار بڑھا دی، وہ اندر سے بہت خائف ہو چکی تھیں مگر وہ ساتھ تھا، پیچھے پیچھے تھا۔

''کدھر جانا ہے میں چھوڑ دیتا ہوں چاچی۔'' وہ لپک کر ان کے برابر آیا، ایسے کہ حجاب کے ساتھ چلنے لگا، غانیہ نے کانپتے ہاتھ میں حجاب کا حرم کا ہاتھ دبوچ لیا۔

''شکریہ...... ہم چلے جائیں گے۔'' وہ خشک آواز میں بولیں، اویس نے گہرا معنی خیز سانس بھرا۔

''چل جیسی آپ کی مرضی...... اتنی بے رخی وی چنگی نہیں ہوتی چاچی، رستے تو ساں توڑے ہیں ہم نے نہیں۔'' وہ ناراضگی سے وہیں قدم روک گیا، غانیہ سے اس مرتبہ جواب دینا بھی گوارا نہ کیا، یہ کیا کم تھا کہ بلا نے پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

سجناں ہوندی ڈھولنا ہائے ڈھولنا
سونے دی تویتڑی
رہندی گل نال لگ کے تیرے
سانواں دے نیڑے نیڑے
اگاں لاندی ڈھولنا
ہائے ڈھولنا
سونے دی تویتڑی

وہ پیچھے تو رہ گیا تھا مگر پیچھا چھوڑ نہ رہا تھا، پاٹ دار آواز میں گا رہا تھا، گویا اسے ہی سنا رہا تھا، غانیہ کے ساتھ دونوں لڑکیوں نے بھی رفتار میں اضافہ کر دیا، اب دور سے ریلوے اسٹیشن کی رنگ

اڑی بوسیدہ عمارت دھوپ میں جلتی نظر آنے لگی تھی، گرمیوں میں تو سورج طلوع ہوتے ہی آگ برسانے لگتا ہے۔

مزید چند منٹ میں وہ لوگ اسٹیشن پہنچ گئیں، جہاں وہ شخص ٹکٹوں سمیت ان کا منتظر تھا، مگر اس عفریت کا خوف ختم نہ ہوا تھا، وہ بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھتیں، کہیں وہ آ تو نہیں رہا، مگر گاؤں کو جاتی سڑک پہ دھول اور خاک اڑتی تھی، ویرانی تھی، گاڑی کے آنے میں بہت وقت تھا، لمبے سے پلیٹ فارم سنسان پڑا تھا، نیم کے سوکھے پتے چہار سو بکھرے تھے، جنہیں ہوا ساتھ اڑائے پھرتی، کچھ دیر مزید گزری تو پلیٹ فارم پہ چند اور مسافر نظر آنے لگے، سناٹا دور ہوا تو زندگی بولنے لگی، گاؤں سے آتی چکی کی آواز بھی ماحول کا حصہ تھی، کچھ فاصلے پر ڈسپنسری کی خالی عمارت تھی، جس کی ویرانی صدیوں پرانی تھی، یہاں کوئی ڈاکٹر آ کر نہیں ٹکتا تھا، لوکل ڈاکٹروں نے خود اپنے کلینک جگہ جگہ کھولے ہوئے تھے، اسٹیشن کے عمارت میں ایک سائیڈ پہ پانی کا انتظام بھی تھا، دستی نلکا چلا چلا کر کوئی مسافر ہاتھ دھو رہا تھا کوئی پانی پینے میں مصروف تھا، سامنے درختوں کے جھنڈ میں کسی بزرگ کا زار دکھائی دے رہا تھا، گھنے پیڑوں کے بیچ اونچے ٹیلے پر دربار بنا تھا، چند لوگ درختوں کے نیچے چارپائیاں ڈالے محو گفتگو تھے، دستی پمپ بھی موجود تھا، آس پاس جنگلی جھاڑیاں کیکر اور نیم کے پیڑ تھے، حجاب نے گہرا سانس بھر کے سر جھکا لیا، ماں کی طرف نظر کرتے ندامت محسوس ہوتی تھی، دھڑکنوں میں ہلچل مچی تھی، خیالات میں ہیجان برپا تھا۔

وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر ذہن ریلیکس بھی نہیں ہو پاتا تھا، سارا دن اسی وجہ سے خود کو اتنا مصروف رکھتی مگر فراغت کا ایک لمحہ بھی بھاری پڑ جاتا، وہ یاد آتا جو بے حس تھا بے پرواہ تھا، جسے یاد کرنا نہیں چاہتی تھی وہ۔

عمر کو کیا پتا تھا، اس کے کتنے خواہش مند تھے، مگر اس کے دل نے عمر کے نام پہ دھڑکنا سیکھا تھا، حالانکہ اسی کی ایک دوست نے کتنا اس سے اصرار کیا تھا، اپنے کزن کے متعلق، مگر وہ ہر بار اسے جھڑک دیتی اس کے تذکرے پہ۔

''مجھے کچھ مت بتایا کرو، مجھے تمہارے کزن میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' وہ چڑ جاتی مگر اس کا اصرار جاری رہتا۔

''اسے تو ہے۔''

''تو میں کیا کروں؟''

''مرتا ہے تم پہ، بس تم اس کی پذیرائی کر دو۔''

''تم پاگل ہو؟ کیسے پذیرائی کر دوں، میں نہ صرف انگیجڈ ہوں بلکہ عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں، ایسی سطحی وہ گھٹیا حرکتوں کا مطلب، آج کے بعد یہ بات نہ کرنا، ورنہ دوستی ختم کر دوں گی تم سے بھی۔'' اسے سختی برتنی پڑی تھی وہ باز جو نہ آ رہی تھی۔

''چلو بیٹے...... سامان اٹھاؤ، ٹرین آ گئی ہے۔'' غانیہ کی آواز پہ وہ چونک اٹھی، پلیٹ فارم پہ رنگ اڑی بوسیدہ ٹرین جس کا انجر پنجر سب ہلتا تھا، واقعی آ موجود ہوئی تھی، مسافروں سے پہلے ہی بھری تھی، اس پہ مزید کئی مسافر دھکم پیل کرتے چڑھنے کی کوشش کرتے اترنے والوں کو بھی اترنے

کا موقع دینے کو تیار نہ تھے، ٹکٹ خریدنے کے باوجود سیٹ قسمت سے حاصل ہوتی تھی یا پھر اس کے لئے بدمعاشی اور لڑاکا پن کا مظاہرہ ضروری تھا، اس کا تو حوصلہ ہی نہ ہوا کہ وہ آگے بڑھے اور اس طوفان بدتمیزی کا حصہ بن جائے، ہچکچا کر گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہوئی، حرم تو پہلے ہی خاصے فاصلے پہ سکڑی سمٹی کھڑی خائف نظر آئی تھی، اس شخص نے بیٹیوں کے گریز اور اضطراب کو محسوس کیا تو ٹرین میں سوار ہونے کا فیصلہ تبدیل کر لیا، سامان واپس رکھ دیا سگریٹ سلگاتے ہوئے غانیہ کو بھی بچیوں سمیت ہٹنے کا اشارہ کرتا واپس بینچ پہ آ بیٹھا۔

''زندگی کس تگ و دو کا نام ہے میں آپ لوگوں کو یہ ہی سمجھانا چاہتا تھا، اسے سہل سمجھنے والا احمق ہے اور کوشش ترک دینے والا کم ہمت، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ اپنی عزت، عزت نفس اور وقار کو کچل ڈالیں، لڑکیوں کو تو خاص کر اپنے گرد ایک ایسا نہ ٹوٹنے والا حصار قائم کرنا چاہیے جسے توڑنا اور پاٹنا کسی کے لئے بھی ممکن نہ رہے، مجھے فخر ہے کہ میری بیٹیاں ایسی ہی ہیں، اس میں اللہ کا کرم اور تمہاری ماں کی تربیت کا اہم کردار رہا ہے بلاشبہ۔''

سگریٹ پیروں تلے مسلتا ہوا وہ شخص آج ایسی انوکھی بات کہے گا یہ نہ تو غانیہ کے گمان میں تھا، نہ ہی دونوں لڑکیوں کے، چند ثانیوں کے تحیر و استعجاب کے بعد ہونٹوں پہ در آنے والی مسکراہٹ جو ایک دوسرے سے نظریں ملنے کے بعد اتری تھی، وہ بہار میں کھلنے والی پہلی کونپل کی اور سورج کی اس کرن سے مشابہہ تھی جو دھند کے بعد دھرتی کو اجالنے اور نکھارنے کو اترتی ہے۔

''تھینکس فار دس کمپلیٹ پپا، تھینکس اگین۔'' حجاب ہی بولی تھی، اس کی اداسی کسلمندی افسردگی سب ایسے غائب ہوئی تھیں گویا سرے سے ایسے احساسات نے اسے چھوا نہ ہو۔

''میں یاسر کو فون کروں گا، اسے کہوں گا خود آ سکتا ہے تو ٹھیک ورنہ گاڑی بھیج دے۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا اور بیگ سنبھال لیا، وہ تینوں بھی تقلید میں کھڑی ہوئیں۔

''جی پپا! جو تھوڑی بہت تیاری رہتی ہے وہ بھی مکمل کر لیں گے۔'' حجاب نے تاکید کی، مسکراہٹ حرم کے چہرے کا بھی احاطہ کیے تھی، حیران تھیں تو بس غانیہ جن کی حیرانی ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی، وہ بار بار اس شخص کے سنگی چہرے کو دیکھتی تھیں، سوچتی تھیں۔

''کیا واقعی پتھر پگھل رہا ہے، کیا واقعی؟''

''کیا واقعی لوہا ڈھل رہا ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟''

ایسا تو تب نہ ہوا تھا جب وہ حسن عشق اور جوانی کی دولتوں سے مالا مال تھیں، پھر اب...... وہ الجھ رہی تھیں، وہ ہنوز بے یقین تھیں۔

بہت شام میں گونجی سدا اداسی کی
ہے مزید اداسی دوا اداسی کی
امور دل میں کسی تیسرے کا دخل نہیں
یہاں فقط تیری چلتی ہے یا اداسی کی
بہت شریر تھا میں اور ہنستا پھرتا تھا
پھر ایک فقیرے دے دی دعا اداسی کی

چراغ دل کو ذرا احتیاط سے رکھنا
کہ آج رات چلے گی ہوا اداسی کی
بہت دنوں سے ملاقات نہیں اب محسن
کہیں سے خیر خبر لے کے آ اداسی کی

علی شیر کا جب دسیویں بار بھی اسی مستقل مزاجی سے فون آیا اور اس نے کاٹا تو آنکھوں میں ٹھہرے آنسو بے اختیار بہہ نکلے، اس نے موبائل آف کیا اور دراز میں ڈال دیا۔

''جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس گننے کا فائدہ۔'' اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا، مگر یہ سمجھانا ہی بہت اذیت انگیز تھا، دل پتا نہیں کیا کچھ یاد کروا تا رہا تھا۔

وہ اہمیت وہ محبت، وہ مان اور وہ چاہ۔

جو صرف علی شیر نے اس کی محبت نے ہی اسے سکھائی تھی، وہ سگریٹ نہیں پیتا تھا قدر کو سگریٹ پینے والے مرد پسند تھے، سلیمان اسموکنگ کرتے تو کوئی ماورائی مخلوق لگتے، جادوئی شخصیت کے مالک، کیسی دلرانہ حرکات وسکنات تھیں ان کی، وہ اپنے ہمسفر کو بھی پاپ جیسا دیکھنے کی متمنی تھی ہر لحاظ سے۔

جب اس نے پہلی بار علی شیر سے سگریٹ پی کر دکھانے کی فرمائش داغی تو کتنا حیران ہوا تھا وہ۔

''تم مجھے نشے پہ اکسا رہی ہو؟''

''یہ بے ضرر نشہ ہے۔'' وہ لاپرواہی سے بولی، کاندھے اچکا کر۔

''کوئی بھی نشہ بے ضرر نہیں ہوتا احمق لڑکی!''

''تم نے نہیں بات ماننی تو صاف منع کر دو۔'' منہ بسور کر بیٹھی قدر علی شیر کو مسکرانے پہ مجبور کر گئی۔

''او کے جناب! میں ابھی لاتا ہوں ابھی پیتا ہوں، اب خوش؟''

''ایسے پہلے ہی خواہ مخواہ خوش ہو جاؤں جبکہ تم نے ایک کام کیا بھی نہیں۔'' وہ ناک سکوڑ کر بولی تو علی شیر کی ہنسی چھوٹ گئی تھی، پھر اسی وقت وہ سگریٹ لایا، پی کر بھی دکھا دیا، قدر کو وہ ویسا طلسمی کردار تو نہ لگا جیسے سلیمان لگتے تھے مگر اسے خوشی ضرور ہوئی، پھر جب ان کے رشتے کی باقاعدہ بات طے ہوئی، گو کہ منگنی کا فنکشن بڑا نہ تھا، بہت سادگی سے سب کیا گیا مگر قدر کو شوق چڑھ گیا تھا وہ شیروانی پہنے اور اس نے بلا جھجک یہ بات علی شیر تک پہنچا بھی دی تھی اور وہ بے ساختہ بدک گیا تھا۔

''شیروانی......اور وہ بھی منگنی پہ......بالکل نہیں۔''

''کیوں نہیں......میرا دل کر رہا ہے۔'' وہ ٹھنکی تھی، عادتیں اور ضدیں ابھی تک بچوں کی طرح ہی تو کرتی تھی۔

''یار شادی کے لئے رکھ لو یہ فرمائش۔''

''نہیں ابھی، بس ابھی۔'' اس نے پیر پٹخے نخوت سے آرڈر کیا۔

''پھر شادی پہ کیا پہنوں گا؟'' علی شیر الجھن میں تھا۔

''شادی کا شادی پہ دیکھا جائے گا، تم ابھی تو مانو۔'' اس نے چڑ کر کہا اور علی شیر ہار گیا، اس کی مان لی، وہ کتنا خوش ہوئی تھی، کتنا اترائی تھی، حالانکہ خود اس کی بات نہیں مانی تھی کہ وہ چاہتا تھا، وہ لہنگا پہنتے یا ساڑھی مگر اس نے میکسی پہن کر اپنا شوق پورا کیا تھا اس کا نہیں، علی شیر پھر بھی خفا نہ ہوا پھر بھی خوش تھا، وہ جان بوجھ کر اسے ستاتی، اس سے جھگڑا کرتی، اسے طیش دلانے کی کوشش کرتی اور انجوائے کیا کرتی، مگر پھر سب کچھ بدل گیا، کچھ کا کچھ ہو گیا، علی شیر بھی اپنے مطالبے پورے کرتا مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا، اس نے سرد آہ بھری اور دل کی گھبراہٹ دور کرنے کی خاطر کمرے سے نکل آئی، باہر اک روشن دن کا اختتام آسمان پہ جمع ہوتے سرمئی بادلوں پہ ہو رہا تھا، موسم خنک ہو رہا تھا، اسی وقت کسی مصروف نجی چینل کو انٹرویو دے کر فارغ ہونے والے سلیمان نے اسے دیکھا تھا، انٹرویو کرنے والا پینل واپس جا چکا تھا، وہ ان کی موجودگی سے بے خبر تھی، اپنے دھیان میں مگن...... چونکہ نہا کے آئی تھی جبھی شیمپو سے مہکتے نمی کا احساس لئے بال پشت پہ بکھرے تھے، نکھرا بے حد شفاف مگر اداس پرحزن چہرا، سفید لباس میں ملبوس وہ نازک پیاری اسی لڑکی جس کے ادھ کھلے بال، چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے جو اتنی سرخ وسفید تھی کہ ذہن میں فوراً کسی فارنر کا خیال آتا تھا، دونوں بازو پہلوؤں میں گرائے چلتی اور گرد سے بے نیاز نظر آتی تھی، اس کے سفید لمبے دوپٹے کا پلو گھاس پہ گھسیٹتا جا رہا تھا، وہ ان کے قریب سے گزری ساتھ ہی اس کا گھسیٹتا ہوا سفید وجود۔

وہ اسے دیکھتے رہے، دکھ سے، افسردگی سے، انہیں وہ بچپن سے یکسر مختلف لگی، بالکل الگ، جو بہت کم خفا ہوتی تھی، بلکہ جسے خفا ہونے کا پتا ہی نہ تھا، جو سوال بھلے بہت کرتی تھی مگر ان کے ہر جواب پہ ہر بات پہ آنکھیں بند کر کے ایمان بھی لے آیا کرتی، انہیں یاد تھا ایک بار وہ اسے اپنے ہمراہ قبرستان لے گئے تھے۔

ٹاہلی، کیکر، شہتوت کے علاوہ جنگلی گھاس اور خود رو جھاڑیوں میں گھرے قبرستان کی چار دیواری گر گئی تھی، شہر خاموش میں خاموشی سناٹے اور ٹھنڈک کے سوا اک اور احساس بھی تھا، یہ وحشت ویاسیت کا احساس تھا جو وجود میں پنجے گاڑھتا تھا، درختوں کی شاخوں اور پتوں سے دھوپ چھن چھن کر قطار در قطار بنی کچی پکی قبروں پہ پڑتی تو بہت سی قبروں کے کتبے چمکنے لگتے اور دھوپ چاندی کے سکوں میں ڈھل کر ان پر بکھر جاتی، کچھ قبروں پہ دھول اڑتی تھی کچھ پہ تازہ پھول بکھرے تھے، بعض کو خود رو گھاس نے ڈھانپ رکھا تھا، وہ کہتے دعا مانگو بیٹے یہ تمہاری دادی جان کی قبر ہے، وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ فوراً پھیلا دیتی، مگر اس کی دعا بہت جلد ختم بھی ہو جاتی پھر سوال شروع ہو جاتے۔

''اور دادا جان کی قبر؟''

''وہ ادھر ہے، کچھ فاصلے پہ، چلیں وہاں چلتے ہیں؟'' اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے تو وہ ایک فرمائش داغ ڈالی۔

''اور پپا! مما کی قبر پہ بھی چلیں، وہاں بھی دعا مانگیں۔'' یہ دیکھے بنا کہ سلیمان کے چہرے پہ

کیسا تاثر آیا۔
"وہ ادھر نہیں ہے بیٹے۔"
"پھر کدھر؟" اس سوال کے جواب میں پھر خاموشی ہوئی چاہے قدر سوال در سوال کا یہ سلسلہ کتنا ہی کیوں نہ بڑھاتے جاتی مگر باپ کی خاموشی توڑنے میں ناکام ہوئے جاتی تو سلیمان خود اس کا دھیان بٹا دیتے، کبھی پارک وغیرہ میں لے جا کر کبھی ڈھیر ساری اس کی پسند کی چاکلیٹس اور آئس کریم کھلا، وہ کہتی معصوم ہوا کرتی تھی، بہل جاتی بھول جاتی مگر اب وہ نہ آسانی سے بہلتی تھی، نہ بھولتی تھی، ناراض تھی تو ناراض ہی تھی، ناراض رہنا چاہتی تھی، انہوں نے گہرا سانس بھرا اور سر اٹھا کر شفاف آسمان کو دیکھا۔
کیسی عجیب خاموشی ہے دل میں اترتی روح کو چیرتی ہوئی، بیٹی کے چہرے کو دیکھتے انہیں کچھ یاد آیا کچھ ایسا جو وہ یاد کرنا نہ چاہتے تھے۔

بہت مغرور بنتے جا رہے ہو
محبت میں کمی کرنی پڑے گی

یاداشت کے پردے پر ان کی اپنی آواز لہرائی اور روح کے گھاؤ اور زخم کا اضافہ ہوا کہ وہ ان کے سامنے ناز سے فخر سے گردن تانے مسکراتی تھی۔
"آپ ایسا نہیں کر سکیں گے صاحب!"
اسے پتا نہیں اتنا اعتماد کیوں تھا جو ٹوٹتا تھا نہ کم ہوتا تھا۔
"کیوں نہیں؟"
جواب میں انہوں نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تو ادھر سے پہلے سے تیار شدہ جواب حاضر ہو گیا تھا۔
"محبت میں کمی مجھے موت سے ہمکنار کر دے گی سلیمان، آپ کی محبت تو آنکھیں ہے میرے لئے، آکسیجن کے بغیر کسی کو زندہ رہتے دیکھا ہے؟"
اور حالات و واقعات گواہ تھے اس کی بات سچ ثابت ہو گئی تھی، وہ گر پوری نہیں بھی مری تھی تو آدھی ضرور مر گئی، بلکہ اسے زندوں میں شمار کرنا حماقت تھی، محض سونا جاگنا چلنا پھرنا زندگی نہیں کہلاتا، زندگی کا نام تو خواہش اور خوشی ہے، امنگ اور جذبات ہے، یہ نہیں تو زندگی نہیں، جبکہ وہ تو یوں تھی گویا۔

کوئی پل ہو تیرے ساتھ کا
میری عمر بھر کو سمیٹ لے
میں فنا بقا کے سبھی سفر
اسی ایک پل میں گزار دوں

"صاحب......!" انہیں چونکانے کا باعث آیا ماں کی آواز تھی، قدر کے صبیح چہرے سے ان کی خالی نظریں ہٹ کر آیا ماں کے تھکن زدہ جھریوں سے بھرے چہرے پہ جا ٹھہریں۔
"بیٹا کے جہیز کے سامان کی لسٹ تیار کروا دی ہے، خریداری آپ خود کریں گے؟" تہہ شدہ

پیپر ان کی سمت بڑھاتے وہ سوال کر رہی تھیں جسے تھامتے انہوں نے گہرا سانس بھرا، بہنوں نے بائیکاٹ کر رکھا تھا، قدر تعاون پہ آمادہ نہ تھی اور وہ خود اسے معاملات سے سرے سے نابلد، لے دے کے آیا ماں رہ گئی تھیں، وہ بھی عمر کے اس حصے میں تھیں کہ اس معاملے میں بس اتنا سا ہی ان کا ساتھ دے سکتی تھیں جبکہ سلیمان کی خواہش تھی قدر کے لئے ہر چیز ایسی لی جائے کہ ان کی محبت اور شفقت کے ساتھ اخلاص کا احساس بھی اسے ہمیشہ محسوس ہوتا رہے۔
"جی میں کر لوں گا، آپ قدر کے کہہ دیجئے گا شاپنگ کے لئے تیار رہے کل۔" انہوں نے ہر کام پس پشت ڈال کر اس کام کو فوقیت دے ڈالی، ایک ہی بیٹی تھی ان کی وہ کوئی کمی نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔
"جی بہت بہتر بیٹے!"
آیا ماں نے حامی بھرتے قدر کو دیکھا جواب جھولے پہ بیٹھ چکی تھی، جھولا ہلتا تو اس کے بال بھی آگے پیچھے لہرانے لگتے، وہ جانتی تھیں اسے آمادہ کرنے کا کام مشکل تھا مگر انہیں کوشش تو کرنا تھی۔

(جاری ہے)

اے وقت گواہی دے

ثنا کنول



کوئی رسم دار و رسن چلے
کوئی دور ساغر خون چلے
کہیں انگلیاں ہوں لہو لہو
کہیں حسن چشم فسوں چلے

پورے ماحول میں چھائی خاموشی کی فضا کو اس کی خوبصورت پرنم آواز نے اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا اندھیرے کو چیرتی دل سے نکلتی آواز نے محفل کو ساکت و جامد کر دیا تھا، درد جب لفظوں کی صورت نکلتا ہے تو سامنے ماجود ہر وجود کو ساکت کرنے کی صلاحیت اختیار کر ہی لیتا ہے، کولڈ ڈرنک لبوں سے لگانا بھول کر نجانے کتنی ہی نظروں نے اس کے وجود کا حصار کیا ہوا تھا، کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں حسد، نفرت، جلن، ستائش لیکن آواز ان سب سے بے پرواہ اسٹیج پہ موجود آواز ... دل کے تار چھیڑتی وہ کہیں اور تھی موجود تھی بازگشت اسے سنائی دی۔

''خوابوں کے پیچھے بھاگنے والے اکثر تباہ و برباد ہوتے ہیں۔'' نصیحت بھری یہ آواز آج بھی اسے بے بس کر گئی پلکوں کی باڑ پھلانگتے آنسو اب اس کے رخسار بھگونے لگے، اندھیرے میں کھڑا ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ چھپ سا گیا تھا۔

چلو حسن و عشق کی داستاں
سر سطح ریگ رقم کریں

''اپنی دنیا سے نکل کر اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیا کرو کہیں کوئی اور بھی ہے جسے تمہاری ضرورت ہے۔'' آواز پھر گونجی اس نے بے بسی سے اپنی آنکھیں زور سے میچ لیں۔

کہیں محملوں کی قطار ہو
کہیں قافلہ جنوں چلے

موتیوں جیسے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اب رخسار بھگوتے اس کی صراحی دار گردن چومنے لگے،

مکمل ناول



موٹی خوبصورت گھنگھریالی لٹوں کے ہالے میں اس کا زرد چہرہ یکدم دکھی دکھائی دینے لگا۔

''کون ہے یہ؟'' چمکتے سورج نے سرگوشی کی بادلوں کی ٹولی نے یکدم سورج کو اپنے گھیرے میں لے لیا، وہ مچل کر بادلوں سے نکلتا پھر سوالیہ ہوا۔

''یہ تو دنیا کی مایا ناز ہستی ہے، ایک کامیاب سنگر، ایک کامیاب فنکارہ سب کچھ تو ہے اس کے پاس عزت، شہرت، دولت، مقام، پیسہ پھر ایسی بے بسی کیوں؟ نادان سورج بعض دفعہ سب کچھ ہو کر بھی انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا جیسے دل کے بنا دھڑکن اور جسم کے بنا روح نہ ہو تو انسان انسان نہیں ہوتا۔''

بادلوں کی راگنی اس کے سر پہ سے گزر گئی وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگا تبھی بادلوں کا ایک ٹکڑا بادلوں سے الگ ہو کر اِدھر اُدھر ڈولنے لگا، یہاں سے وہاں جاتے وہ جیسے کسی جائے پناہ کی تلاش میں تھا۔

''اس پہ تم رحم کرو ترس کھاؤ اور دعا کرو یہ تہی داماں ہے تہی دست...... خالی ہاتھ اسے اپنا آپ کبھی کبھی اک فقیر جیسا لگتا ہے ایسا فقیر جس کے کشکول میں زندگی نے سب کچھ ڈال کر بھی جیسے کچھ نہ ڈالا ہو، بالکل خالی اک فقیر کے کشکول جیسی ہے یہ۔'' یہاں سے وہاں ڈولتے بادل نے سرگوشی کی، اگلے ہی پل وہ فضا میں بکھر کر کئی ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔

''سوسوئیٹ سونیناں کمال کر دیا یار۔'' لبوں پر ہنسی کا خول چڑھائے آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں جکڑا تھا جو بروقت مسکرائی۔

''تھینک یو...... تو عابد حسین صاحب کیسا لگا آپ کو مس سونیناں کا گانا۔'' اسے بانہوں میں لئے، مسکرایا اس کے پہلو میں کھڑی وہ اترائی جیسے۔

''یہ تو ناممکن ہے عابد حسین صاحب کو میرا گانا پسند نہ آیا ہو۔'' اک ادا سے کہا اپنے آدھے بالوں والے سر کو ہلاتے عابد حسین جو کہ اس پارٹی کے چیف گیسٹ تھے کھلکھلائے تو اسے بے اختیار ان کے وجود سے کراہیت سی محسوس ہوئی جسے وہ کمال مہارت سے چھپا گئی۔

''میری جان تم نے تو مجھے خاموش ہی کر دیا واقعہ ہیرا ہو تم ہیرا تو کیا خیال ہے آج کی شام میرے نام۔'' اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا جسے اس نے خود ہی آگے بڑھا دیا حالانکہ یہ کر... سے مرنے لگی، مٹ کر فنا ہونے لگی تھی، ہاں مگر چہرے سے اندر کی تباہی ظاہر نہ ہونے پائی۔

''ہم ... بھلا انکار کر سکتے ہیں بس آپ کو کبیر الدین کے ساتھ ایک میٹنگ کرنی پڑے گی پھر سونیناں آپ کی ہوئی۔'' بڑے خوبصورت انداز سے وہ مسکرائی کبیر الدین نے شاطر نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا جیسے کوئی دکھ درد یا تکلیف تلاش کرنے کی کوشش کی تھی پر وہاں کوئی دکھ ہوتا تو نظر آتا، کسی درد کی پرچھائی تک نہ تھی اس کے چہرے پہ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا۔

''جو دکھ تکلیف چہرے سے عیاں نہ ہوں، وہ بڑے جان لیوا ہوا کرتے ہیں اندر ہی اندر انسان کو مار کر آہستہ آہستہ ختم کر دیتے ہیں اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی، تمہیں تکلیف نہیں ہوتی۔'' کان کے پاس سرگوشی کی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی مسکرائی، کیا کچھ نہیں تھا اس مسکراہٹ میں دکھ...... درد...... تکلیف...... اور انتقام...... اپنی ذات اپنے وجود سے انتقام لینے والی اس وقت وہ اسے ظالم لگی۔

''اگر ہو تو کیا تم مجھ پہ رحم کرو گے۔'' جواب جانتے ہوئے سوال کیا ترکی بہ ترکی کہا۔

''کیا تم اس قابل ہو کہ تم پہ رحم کیا جائے۔''

☆☆☆

...ی میں کہتا وہ اسے پاتال میں گرا گیا، ایک ... پاتال میں جہاں ہر طرف اندھیرا ہی ...را تھا، گھور تاریک سیاہ اندھیرا، جس میں وہ ... جا رہی تھی نیچے بہت نیچے کوئی اسے بچانے ...ہیں تھا، کوئی ہاتھ تھامنے کے لئے آگے نہیں ... بازگشت پھر ہوئی ہمیشہ کی طرح روکتی ٹوکتی، ... بازگشت۔

''کچھ خوابوں کی تعبیر بہت بھیانک ہوتی ... انسان کو مار دینے والی اور مجھے ڈر ہے تمہیں ...ے خوابوں کی تعبیر مار کر کہیں کسی ایسی جگہ نہ ... دے جہاں پہ کوئی نہ ہو بچانے والا ہاتھ ... تھام لینے والا، جہاں صرف اندھیرا ہو، ... جو عذاب جان ہو ہر طرف ... تمہارے خوابوں کی کرچیاں تمہیں زخمی ... اور تم چاہ کر بھی خود کو ان سے بچا نہ سکو۔'' ننھی ننھی سی بوندیں اس کے رخسار پہ سے ...ئی صراحی دار گردن چومنے لگیں، وہ مڑی ... کے اس بڑے سے ہال سے نکلتی چلی ... کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی ... لگے جیسے جیسے وہ وہاں سے دور ہو ...، ویسے ویسے اسے اپنا آپ گہرے پاتال ... محسوس ہو رہا تھا، نیچے بہت نیچے جہاں ... کے سوا کچھ نہیں تھا ... ٹوٹے خوابوں کی ... کے اور اب وہ کرچیاں اس کے جسم ... گھس کر اسے زخمی کرنے لگیں تھیں، اس کا ... لہولہو ہونے لگا وہ خود کو بچانے کی کوشش ... مزید زخمی ہوتی گئی وہ مر رہی تھی لمحہ بہ لمحہ ... آہستہ اور پھر...... وہ مر گئی ہاں ایک ... ایکٹرس ایک کامیاب سنگر مر گئی تھی، خود ... اندر، خاموش، بے موت مرنا کیسا ہوتا ہے یہ کوئی اسے پوچھتا۔

''اماں مجھے بہت بھوک لگی ہے ابا کب آئے گا۔'' بے چارگی سے کہتی فرح سکینہ بی کے وجود کو ہلانے لگی جو بھوک سے نڈھال بیٹوں سے نظریں چرائے اک آس اک امید سے لکڑی کے بند ٹوٹے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

''تو سو جا فرح ابا آج بھی نہیں آئے گا۔'' بڑی امبر اسے پکڑے گود میں لیٹتے بولی۔

''کیوں؟'' سوال ہنوز معصومیت سے پر اور بھوک سے چلایا۔

''کل کی طرح شاید اللہ آج بھی ابا کو پیسے نہ دے اسی لئے۔'' اسے سمجھایا تھا جیسے پر بھوک کہاں کچھ سنتی یا جانتی ہے اسے تو صرف روٹی سے مطلب ہوتا ہے صرف روٹی سے۔

''ابا تو کہتا ہے اللہ سب کو دیتا ہے پھر وہ ابے کو کیوں نہیں دیتا۔'' دوسرا سوال ہوا، اپنی بڑی بڑی آنکھیں بھوک سے تڑپتے امبر کے وجود پہ جما دی۔

''ابا کہتا ہے جب اللہ سے کچھ مانگو اور وہ نہ دے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ہمیں آزما رہا ہے۔'' نو سال کی ہو کر بڑی بڑی باتیں کرتی امبر کو سکینہ بی نے خشک آنکھوں سے دیکھا اب تو رونے کے لئے آنکھوں میں بھی پانی نہ تھا آنسو کہاں سے نکلتے۔

''تو پھر تم اللہ سے کہو نہ وہ ہمیں اور نہ آزمائے ہم تو بھوک سے مر جائیں گے اب تو رحم کر دے۔'' ساکت بیٹھی سکینہ بی جیسے جان سی پڑی وہ آگے بڑھی اور دونوں کو سینے سے لگا کر رونے کی کوشش میں پلکیں جھپکا کر رہ گئی اب تو آنکھوں میں بھی آنسوؤں کا قحط سا پڑنے لگا تھا۔

☆☆☆

جب کبھی اس کا دل دنیا کے ہنگاموں اور

اندر کی خاموشی سے گھبرا جاتا تو وہ اسی جگہ چلی آئی جہاں پہ موجود ہر طرف بکھرے سکون کو محسوس کرتی اپنے اندر کا ہر دکھ ہر درد تکلیف آنسو کو اپنی آواز کے ذریعے سے نکال کر ہلکا کر لیتی، اسے دکھ کم تو نہیں ہوتا ہاں مگر رونے کے لئے تنہائی ضرور مل جاتی تھی اسے۔

پیپل کے درختوں کے درمیان برگر کے پیڑ کے پاس نہر کے ٹھنڈے پانی میں پیر بھگوئے گھنٹوں وہ اپنی ذات کو کھوجتی رہتی، اس کا درد موتیوں کی صورت آزاد ہوتا رہتا اور وہ برگر کے پیڑ والی نہر میں پاؤں ڈالے مدہوش سی گنگناتی رہتی، آنسو بے قابو ہو کر تاروں کی صورت اس کے رخسار بھگوتے رہتے اور وہ دنیا سے بے پرواہ خود میں گم رہتی اس وقت بھی اس کی حالت کچھ ایسی ہی تھی، نہر میں پاؤں ڈالے پانی میں تیرتے ان نارنجی بیلوں کے پھولوں کو دیکھتی رہی، نیلے پیلے ہرے لال گلابی نجانے کتنے ہی رنگ کے پھول اسے بیٹھے نجانے کتنی دیر ہو چکی تھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سر سے پیر تک یکدم نارنجی رنگ میں رنگنے لگی ہے اگر بولتی شاید اس کی آواز بھی نارنجی رنگ ہی اوڑھے ہوتی، جھک کر پھولوں کو جمع کر کے اپنی گود میں رکھتی وہ بالکل نارنجی رنگ میں ڈھلنے لگی تھی، آنسو ایک قطار کی صورت اس کی آنکھوں سے بہتے رخسار بھگو رہے تھے، تبھی اس نے لب وا کیے اور پھر اگلے ہی پل نارنجی رنگ ہر طرف بکھرنے لگا، یوں جیسے زمین آسمان اور بادلوں نے نارنجی رنگ اوڑھ لیا ہو، پھول جمع کرتی دھیرے دھیرے وہ گنگنائی۔

کوئی شمع وعدہ جلا رکھیں
جو فصیل جان کا پتہ ملے
ہمیں تیرگی بھی قبول ہے
رخ دلبراں کا پتہ ملے

قطرہ قطرہ گرتے آنسو اس کے زرد چہرے کو مزید اداس کرنے لگے، اپنی گود میں کئی رنگوں کے پھول جمع کیے اس وقت وہ خود کو بھی ان رنگوں میں رنگا محسوس کر رہی تھی۔

دل نارسا کی
ہیں رہین سنگ گماں
کہ جبین موسم شوق
تیرے آستاں کا پتہ

اس کے آنسو ان پھولوں پہ گرتے انہیں بھی نارنجی رنگ میں رنگ... برگر کے ... بیٹھی کوئل نے اپنی سریلی آواز میں جیسے اس کی حوصلہ افزائی کی جسے وہ اپنا دوست ہمراز ... چلی گئی، شام آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی ... دردی سے آنسو صاف کرتی وہ اٹھی تو گود میں کیئے نجانے کتنے ہی پھول نہر میں جا گرے، مگر اب ان کا رنگ سیاہی پکڑنے لگا تھا۔

☆☆☆

بھوک سے تڑپتی امبر سو چکی تھی نیند سکینہ اور فرح کی آنکھوں سے کوسوں دور ... رک سا گیا، رک رک کر چلتی دھڑکن ... لئے جیسے بے چین سی تھی، آنکھیں ناامید سی دروازے پہ جمی اسے اندر ہی اندر اب مر ... لگیں تھیں، جب پیٹ خالی ہو تو تب دل ... اور روح بھی خالی خالی سی ہو جاتا ہے تب نہ تو ... کام کرتا ہے دماغ کچھ سوچتا اور روح نہ ہی ... محسوس کرتی ہے، وہ بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی تھی۔

اللہ وسائے کا کچھ پتہ نہیں تھا امبر ... بخار سے تڑپتی اس کی بے چینی بڑھا رہی ... آسمان پہ اڑتے پرندے اب شام کو آتے دیکھ اپنے اپنے گھروں کا رخ کرنے لگے تھے جو

آسمان سیاہی پکڑنے لگا ویسے ویسے اس کی ... بھی دم توڑنے لگی، بے بسی لاچارگی کی تصویر وہ تینوں بس اک آس پہ زندہ تھے اور وہ آس بھی صرف، ایک روٹی وہ روٹی جس کے لئے سارا سارا دن دھوپ میں کام کرتے ہیں وہ ... جو کسی غریب کے بچے کی بجائے امیر لوگ ... کتے کو کھلانا پسند کرتے ہیں اس ایک روٹی پہ ... کا حق نہیں ہوتا، تب غریب کو خود سے بہتر لگنے لگتا ہے کم از کم اسے روٹی کی فکر تو نہیں ... ، ہاہ...... غریب بھی نا کس قدر بے بس ... ہیں صرف ایک روٹی کے لئے۔

"اماں...... اماں مجھے بہت بھوک لگی ..." اپنی توتلی زبان سے کہتی امبر نیند سے ... اس کے سینے پہ جیسے بوجھ سا آ پڑا، ... بھوک سے تڑپتی امبر کو دیکھا، بکھرے ... آنکھوں ... بھوک قفل زدہ ہونٹ ... کپڑے اور ... ہاتھ، مارے دکھ کے ... چرائی، تبھی امبر ... صحن میں گئی، کچا مٹی کا ... اور پھر اگلے ہی پل، اپنے ... چھوٹے ... سے مٹی کھرچ کھرچ کر کھائی ... کی ... گئی تھی، ایک جھٹکے سے آگے بڑھ ... سینے سے بھینچ لیا تڑپ تڑپ کر روتے اس ... سیاہ پڑ ... چہرے پر آنسو لکیریں چھوڑنے ...

"اماں اللہ ابا کو کچھ نہیں دیتا ہمارے ... کے لئے تو پھر اس سے کہہ دو کہ وہ ہمیں ... ہی سلا دے جیسے اس نے بھائی راجو کو سلایا ... تو اسے بھوک بھی نہیں لگتی ہو گی ... بھی نہیں کھانی پڑتی ہو گی نا۔" معصومیت ... وہ سکینہ بی کو مار گئی، آنسو صاف کرتے وہ ... امید سے بولی، وہی امید جس پہ دنیا قائم ... جس پہ ہزاروں کروڑوں انسان زندہ ہیں۔

"ایسے نہیں کہتے اللہ ضرور دے گا وہ سب کو دیتا ہے کیونکہ وہ دینے والا ہے بخشنے والا رحمان و رحیم میرا پاک رب، تم بہن کا خیال رکھنا میں کہیں سے کھانے کے لئے روٹی لے آتی ہوں، میں اب راجو کی طرح تم دونوں کو بھوک سے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی، کبھی نہیں۔" چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتی لکڑی کے ٹوٹے پھوٹے دروازہ کو بند کرتی وہ رات کی تاریکی میں باہر نکل آئی، وہ سکینہ بی جسے اندھیرے سے خوف آتا تھا جو لائٹ جانے پہ چیخ چیخ کر پاگل ہونے لگتی وہی اب رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر نکل آئی تھی صرف "ایک روٹی" کے لئے۔

ایک طرف کالی اندھیری رات تو دوسری طرف بھوک سے مرتے بچے، وہ بھوک سے مرنے والے راجو کو تو نہیں بچا سکی تھی اب وہ ان دونوں کو مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی، پھر چاہے کچھ بھی ہو جاتا۔

رات کی تاریکی میں گھروں کے دروازے پیٹتی وہ صرف ایک فریاد کر رہی تھی، صرف ایک روٹی جسے وہ جا کر اپنے بچوں کو کھلا سکتی، یہ ایک روٹی بھی نا اسے کہاں سے کہاں لے آئی تھی، رات کے اندھیرے میں دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے وہ بھیک مانگ رہی تھی ایک ماں اپنی اولاد کے لئے کیا کچھ نہیں کرتی اور اولاد اسے کیا دیتی ہے ... رعب، گالیاں، دھکے اگر وہ ایک بار بھی ماں کے احسانوں کو یاد کر لے تو مارے شرم سے ڈوب مرے۔

اور پھر بالآخر ایک دروازہ کھل گیا مگر ہر دروازہ انسان نہیں کھولتا، کچھ کے پیچھے شیطان چھپے ہوتے ہیں۔

"میرے بچے بھوک سے مر رہے ہیں خدا کے لئے مجھے ایک روٹی دے دو۔" منت بھرا

انداز۔

''ایک کیا تو ڈھیر ساری روٹیاں لے جا مگر تجھے پہلے میری بات ماننی پڑے گی۔'' شیطانیت سے دیکھتے آفر کی۔

''دیکھو میں تمہارے پیر پکڑتی ہوں مجھے صرف ایک روٹی دے دو۔'' آگے بڑھی جھک گئی اٹھ نہ سکی روتی گڑگڑاتی وہ ایک ماں سے بھکارن جا بنی، بھیک مانگتی بھکارن۔

''ٹھیک ہے تو میرا دل خوش کر دے میں تجھے روٹی دے دوں گا۔'' وہ جو کوئی تھا اس کی نیت ٹھیک نہیں تھی ہوس بھری نظریں اس کے وجود پہ جمائے کہا وہ یکدم دو قدم دور ہوتی ملتجی ہوئی۔

''میں ایسی ویسی نہیں ہوں میرے بچے بھوک سے مر رہے ہیں صرف ایک روٹی کا سوال ہے۔'' ہاتھ جوڑے گڑگڑاتے عجیب ماں تھی وہ۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا اگر تو ایسی ویسی نہیں ہے تو بن جائے گی، دیکھ یا تو تو یہ روٹی لے کر میرا کہا مان لے یا پھر اپنے بچوں کو بھوک سے مرنے دے فیصلہ تیرے اختیار میں ہے۔'' کیا کچھ نہیں تھا اس منظر میں بے بسی لاچاری، غربت، افلاس اور حد سے بڑھتی بھوک، ایک طرف بھوک تھی تو دوسری طرف عزت، جان روح اور زندگی سے بھی قیمتی عزت۔

''کیا بھوک اتنی ظالم ہوتی ہے؟ کیا عزت ایک روٹی سے ہار جائے گی۔'' ہوا نے سرگوشی کی، تاریکی میں چمکتا چاند چپ چاپ یہ منظر دیکھے گیا، سوال کئی تھے مگر جواب ندارد۔

☆☆☆

''سنو آج شوٹ کے بعد کہیں لنچ کرنے چلیں گے۔'' شوٹ سے فارغ ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ کبیر الدین نے سرگوشی کی، ایک پل کے لئے اسے اپنے اندر سناٹے اترتے محسوس ہوئے، پھر کمال ضبط سے مسکرائی۔

''وائے ناٹ، بٹ شام کو تو ایک اینکر انٹرویو کے لئے آنا ہے میرے گھر تو۔'' جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کچھ لوگوں کو انکار کرنا کتنا مشکل ہوتا نا۔''

''مجھے لگتا ہے کہ تمہیں یہ بات یاد دلانے ضرورت نہیں ہے مجھے کہ تم یہ سب سے زیادہ میرا ہے۔'' جتایا تھا وہ پر اذیت انداز مسکرائی۔

''تو ہم لنچ یہ ساتھ ہو نگے، کیا یوسون ... در ہوا وہ ساکت سی بیٹھی رہی کانوں میں ... نہیں ... اضطراب ہی اضطراب ہمیشہ بازگشت ... گونجتی اسے بے چین کر گئی۔

''یہ جو ... ہے نا یہ بڑی خطرناک ہے، اس میں انسان کا دل چاہتا ہے کہ وہ کھیل کھیلے کوئی سیڑھی لگا کر ستاروں پہ اوپر اوپر بہت اوپر چلا جائے، پوری دنیا کو حیرت سا کر دے۔'' سب لوگ پیچھے سے ... اسے ہی دیکھتے رہیں۔

''مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ کوئی کتنا اوپر کیوں نہ چلا جائے آتا نیچے ہی ہے پھر ہوائی جہاز ہو یا پھر کسی کا غرور سے تنا سر۔''

''تو پھر کیا ہو رہا ہے آج کل۔'' ... نظروں سے دیکھا جو کسی دوسری ہی دنیا میں ہوئی تھی۔

''وہی روز مرہ کی بزنس میٹنگ، بزنس اور گھر میں موجود میڈ کے ہاتھوں کا کھانا۔'' ... ہو کر بولی۔

''تو پھر کیوں نا روٹین میں کچھ فرق ... جائے۔'' اجازت چاہی اسے اپنا سانس ... محسوس ہوا۔

''کیا مطلب؟'' نم آنکھوں سے مسکرائی کیا کچھ یاد آ جاتا تھا اسے کبیر الدین کو دیکھ کر۔

''کل ہم دونوں پندرہ دنوں کے لئے مری جا رہے ہیں۔''

پھر یوں ہوا کہ ہوا چلی تیز بہت تیز، طوفانی ہوا اپنے ساتھ سب کچھ اڑا کر لے جانے والی تیز ہوا اور اسی ہوا میں اسے اپنا وجود اڑتا محسوس ہوا کسی برف کے رودے کی طرح، یہاں سے وہاں ہوا میں معلق۔

''میرا خواب ہے مری دیکھنے کا، میں مری کا چپہ چپہ گھومنا چاہتی ہوں کسی آوارہ پنکھ پکھیرو کی طرح، ہوا میں اپنے پنکھ پھیلائے آزاد پرندے کی مانند اڑنا چاہتی ہوں۔'' اپنی خوابوں سے پر آواز اس کے کانوں سے ٹکراتی اس کا دل چیر گئی۔

''وہ دل جہاں کبھی خوابوں کا اک جہاں آباد تھا۔

''اڑ کے اڑتے اگر تمہاری مزید اڑنے کی طاقت ختم ہو گئی اور تم بلندی کی بجائے نیچے بہت نیچے گرنے لگی تو۔'' اسے ... بازگشت، اسے بے چین کر گئی، دل تڑپا، آنکھوں نے رونے سے انکار کر دیا، آنسو برسنے کے بجائے آنکھوں کے گوشے میں ہی گم سے ہو گئے وہ پلکیں جھپکا کر رہ گئی ... رونا کہاں ممکن تھا۔

کتنا مشکل ہوتا ہے، اپنے انداز کے طوفان کو چھپا کر مسکرانا ... پرسکون رضا بہ رضی نظر آنا یہ کوئی اس وقت اسے پوچھتا، جو اپنے اندر اٹھتے نجانے کتنے ہی طوفانوں کو چھپائے مسکرانے کی ناکام سی کوشش ... مخاطب ہوئی تو آواز کانپ رہی تھی دل چھلکنے کو جیسے بے چین سا ہوا۔

''میں اب تھکنے لگی ہوں دم گھٹتا ہے میرا، یہ سوچ کر کے میں اس جگہ اس ماحول سے نکل کر بھی نکل نہ سکی، آخر کب تک میں خود کو یوں بے مول کرتی رہوں گی۔'' بے بسی لاچاری سے کہتی وہ سکینہ بی جیسی لگی۔

''ہر انسان کی زندگی ہی ادھوری ہوتی ہے شاید، بیشک وجہ کچھ ہو، دکھ سب کو ملتے ہیں اپنے اپنے انداز میں کئی رنگ بدلے۔''

''اوتو اب تم تھکنے اور مرنے لگی ہو۔'' کہہ کر وہ ہنسا، اس وقت وہ اسے دنیا کا ظالم ترین انسان لگا، ظلم کی انتہا کرنے والا کبیر الدین۔

''تمہیں تو شکر کرنا چاہیے کہ تم صرف میرے سامنے بے مول ہوتی ہو ورنہ۔'' کہہ کر وہ رکا اور جیسے اس کی جان لے گیا تڑپتی بولی۔

''ایک بات یاد رکھنا کبیر الدین۔'' اس نے گہری سانس لی۔

''یہ جو دل ہوتا ہے نا اس میں خدا بستا ہے اور خدا کے گھر کو توڑا نہیں کرتے ورنہ بعد میں پچھتانے کا بھی وقت نہیں ملتا۔'' مر مر کے جینے والوں کی فہرست میں وہ اول تھی، آنسو اس کے چاند چہرے پہ لکیریں چھوڑنے لگے، نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا وہ تمسخراً مسکرایا، قدرے قریب اس پہ جھک کر سرگوشی کرتا اس کی جان نکال کر اسے لہولہان کر گیا، ہوتا ہے نا بعض دفعہ کسی کی مار آپ کو لہولہان کرتی بلکہ اس کی باتیں آپ کو اندر سے مار کر لہولہان کر دیتی ہیں ویسے ہی اس کی باتیں اسے مار گئیں، آج تیسری بار وہ مر گئی تھی، اپنے خوابوں کے ہاتھوں، اپنے دل کے ہاتھوں اور کبیر الدین کی بات سے، ہاں وہ تیسری بار مر گئی تھی اور آج بھی اس کا قاتل وہی تھے اس کے خواب...... ہمیشہ کی طرح۔

''اگر طوائفوں کے دل میں خدا بسنے لگا تو ہم جیسے شریف کہاں جائیں گے، تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ چھڑا لے تمہارے خوابوں کو تمہاری اپنی

گرفت سے اس سے پہلے کہ وہ بری طرح مسلے جائیں۔"

☆☆☆

نہر کے ٹھنڈے پانی میں پیر ڈالے اسے اپنے اندر اک سکون سا اترتا محسوس ہوا، آج برگر کے پیڑ پہ بیٹھی کوئل کچھ اداس اداس سی تھی، نارنجی بیلوں کے پھول شاخ سے گر کر نہر کے پانی میں تیرنے لگے نجانے کتنے ہی پھول اس کی گود میں آن گرے، تبھی اس کی نظر نارنجی پھول پہ پڑی درد کی اک لہر اسے اپنے وجود میں دوڑتی محسوس ہوئی، کوئل نے اپنی سریلی آواز میں اسے کچھ کہا تھا، جسے سنتی وہ اک پل کو آنکھیں بند کر گئی اور پھر اگلے ہی پل اس کی خوبصورت آواز ہر طرف پھیلتی چلی گئی، کیا کچھ نہیں تھا اس آواز میں، سب کچھ پا کر کھونے کا درد۔

اپنی ذات پہ موجود ٹوٹے یقین کا دکھ
اے زندگی کچھ زیادہ تو نہ مانگا تھا
تم سے سوائے خوبصورت
خوابوں کے محبت کی خوبصورت پریوں کے
کچھ زیادہ تو طلب نہ کی تھی تم سے
سوائے اپنی ہنسی کے صرف اتنی ہی تو چاہ تھی
کھلکھلاتے لمحے مسکراتے پل ہمارے ہوتے
اے زندگی کچھ زیادہ تو طلب نہ تھی
سوائے اس عشق کے جو کوئی ہم سے کرتا
کوئی ہم پہ بھی مرتا
بتا ذرہ پھر کیوں روٹھ گئی تو

نجانے کتنے ہی دکھ پھر سے جاگ گئے اسے لگا جیسے برگر کے پیڑ پہ بیٹھی کوئل رونے لگی ہو، نارنجی بیلوں کے پھول اس کی گود میں پڑے اداس سے ہو گئے اور نہر کا پانی اس کے آنسوؤں میں بدلتا چلا گیا، جلا دینے والا، جما دینے والا، مٹا کر ختم کر دینے کی صلاحیت رکھنے والا۔

کچھ رنگ تتلیوں کے تھوڑی روشنی جگنو کی
کچھ پھول چاہتوں کے کچھ خواب زندگی کے
پھر بتا کیوں روٹھ گئی تو
بتا کیوں روٹھ گئی تو

کچھ دکھ بتائے بناء ہی انسان کی جاگیر بن جاتے ہیں، اسی پہ حکمت کرتے نہ اسے جینے دیتے ہیں اور نہ ہی مرنے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ انسان پہ اس قدر حاوی ہو جاتے ہیں کہ اس کی باتوں سے چھلکتے آنکھوں سے بہتے چلے جاتے ہیں، بنا رکے، بنا تھمے اور سونیناں کا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوتا تھا۔

☆☆☆

ملامت بھری نظروں سے اس نے ہاتھ میں پکڑی روٹی کو دیکھا اگلے ہی پل اس کی نظروں کے سامنے فرح اور امبر کے چہرے گھوم گئے، بھوک سے بلکتے بلکتے بچے تو وہ معصوم سے وجود اسے پتھر کر گئے، اگر وہ اپنی عزت گنوا کر روٹی لے جاتی تو کیا ثبوت تھا کہ اس ایک روٹی کو کھا کر وہ زندہ رہتے۔

آج اگر وہ ایک بار ایسا کرتی تو اسے دوسری بار پھر سے کیا ایسا ہی کرنا پڑتا، اس کی تمام عمر کی عزت کی قیمت کیا تھی، صرف ایک روٹی، نہایت دکھ سے سوچتی وہ دو قدم پیچھے ہوئی، نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی پھر چاہے اس کے بچے بھوک سے مر ہی کیوں نہ جاتے، ضمیر جاگ اٹھا ممتا کرلائی تڑپتی مچلتی اسے بے قرار کر گئی۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی بس تم مجھے یہ روٹی دے دو۔" اتنا کہتے ہی وہ روٹی پہ جھپٹ پڑی، ایک طرف بھوک تھی تو دوسری طرف شیطان، روٹی کو دونوں ہاتھوں سے اپنی طرف کھینچتی اسے وہ پاگل لگی، بھوک نے اسے جیسے پاگل سا ہی کر دیا تھا، تبھی کھینچا تانی میں سکینہ بی نے اسے دھکا دیا جو اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی وجہ سے دیوار سے ٹکرایا اور پھر اگلے ہی پل، خون کا اک فوارہ سا ابل پڑا تھا اس کے سر سے، نہایت حیرت سے اس نے اس خون کو دیکھا سمجھ ہی نہ آیا وہ کیا کرے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ شیطان مردود وہیں پہ تڑپ تڑپ کر مر گیا، لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے آگے بڑھ کر روٹی اس کے ہاتھ سے کھینچی۔

"یہ کیا کر دیا تم نے؟" تبھی ابھرتی آواز نے اسے ساکت کر دیا دروازے میں کھڑا وہ آدمی اسے دیکھ کر ساکت ہوا، وہ مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی، بھاگتی ہوئی وہ ایک پل کو بھی نہیں رکی۔

ایک روٹی نے ایک ماں سے قاتل بنا دیا تھا آسمان حیران تھا زمین ساکت اور وہاں موجود ہر کوئی اسے خون میں لتھڑی روٹی کو لے جاتے حیرت سے بے یقینی اور دکھ سے دیکھتا رہ گیا، چمکتے چاند نے گھبرا کر بادل میں منہ چھپا لیا کہ اب وہ مزید کچھ اور نہیں دیکھ سکتا تھا تبھی ہر طرف سے رونے کی آوازیں ابھرنے لگیں، بین کرتی، روتی، کرلاتی سینہ کوبی کرتی آواز بھوک کی تھی، حد سے بڑھتی بھوک رو رہی تھی اور انسانیت سوئی مگر شاید اب دیر ہو چکی تھی بہت زیادہ دیر۔

☆☆☆

ایک رات میں نے اماں سے پوچھا۔

"اماں آسمان پر موجود اس چاند کو اتنا روشن اور چمکدار کس لیے بنایا ہے۔" میری آواز میں حیرت ہی حیرت تھی اور اماں کے جواب میں سکون ہی سکون۔

"اللہ نے۔"

"اللہ نے وہ کیسے؟" میں نے بے یقینی سے جھریوں زدہ اماں کے چہرے کو دیکھا، وہ میرے بال بکھرتی مسکرائیں۔

"وہ ہر چیز پہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے اس نے زمین پہ پھول لگائے آسمان کو چاند سورج اور ستاروں سے سجایا۔"

"کس لئے؟" میری حیرت برقرار تھی ور اماں کا سکون بھی۔

"ہمارے لئے۔"

"ہمارے لئے کیوں۔" میں نے مزید سوال کیا۔

"تا کہ ہم اسے لطف اندوز ہو سکیں ایک بات یاد رکھنا جب بھی کچھ مانگو تو اسی سے مانگنا وہ تمہیں ضرور عطا کرے گا۔" اس لمحے میں نجانے کتنی ہی دیر آسمان پہ چمکتے چاند کو حسرت سے دیکھتا رہا۔

"اور اماں مجھے۔" کس قدر معصومیت تھی اس کی آواز میں، نجانے کتنے دکھ درد چھپائے دل میں وہ رو رہا تھا، نارنجی بیلوں کے پھولوں پہ نظریں جمائے وہ محسوس کر سکتی تھی کہ وہ رو رہا تھا، قطرہ قطرہ گرتے آنسو نہر کے پانی کو ساکت کرنے لگے۔

"اگر میں اللہ سے چاند کو مانگو تو کیا وہ مجھے دے گا۔" میرے لہجے سے چھلکتی حسرت اماں کو بے چین کر گئی۔

"چاند تو سب کا ہے پتر، یہ اگر کسی ایک کا ہوتا تو صرف اس کے گھر کو روشن کرتا۔" وہ اب اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھ سے نکلا آنسو نہر میں تیرتے نارنجی پھول پہ گرتا اسے کئی رنگوں میں بدل گیا، نجانے کتنے ہی رنگ تھے، لال، پیلا، نیلا، ہرا اور ان سارے رنگوں میں ایک رنگ گہرا تھا دکھ کا رنگ جو سونیناں کے پاس بیٹھے اس شخص کے دل میں تھا، اس کی رگو میں دوڑتا اسے اندر

ہی اندر زخمی کرتا دکھ۔

"تم نے جگنوؤں کو پکڑنے کی کوشش کی ہے۔" اس نے پوچھا، وہ چاہ کر بھی کہہ نہ سکی کہ ہاں اکثر اس نے جگنوؤں کو پکڑنا چاہا ہے جس کے بدلے سوائے اندھیروں کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوا، مگر چپ رہی بعض دفعہ آپ کسی کے سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں مگر چاہ کر بھی آپ دے نہیں سکتے لفظ نہیں ملتے زبان ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور ہونٹوں پہ جیسے تالے سے لگ جاتے ہیں اور آپ بس بے بسی سے سامنے موجود اس شخص کو دیکھ کر رہ جاتے ہیں جیسے وہ اسے دیکھ رہی تھی چپ چاپ بنا کچھ کہے۔

"بچپن میں اکثر میں کرتا تھا جب کبھی میں نے جگنوؤں کو پکڑنا چاہا وہ مجھ سے دور ہوتے گئے اور جب میں نے تتلیوں سے کھیلنے کی طلب کی تب سوائے رنگے رنگ کے مجھے نہ ملا۔" وہ کہتا چلا گیا وہ اسے سنتی رہی چپ چاپ سانس روکے نجانے کتنے سالوں بعد آج کسی کو سننا اچھا لگ رہا تھا بہت سے زیادہ اچھا، وہ دونوں اپنے اپنے دکھوں کی کشتی میں سفر کرتے خوشیوں کے سمندر کو تلاش کر رہے تھے ان کی تلاش جب کبھی انہیں تھکا دیتی تو وہ اسی کنارے گھنٹوں بیٹھے رہتے برگر کے پیڑ پہ بیٹھی وہ خوبصورت کوئل انہیں سنا کرتی، نارنجی بیلوں کے پھول ان کے ہمراز بن جاتے اور نہر کا وہ ٹھنڈا پانی ان کا ساتھی ہوتا۔

"تم نے کبھی تتلیوں کا رنگ دیکھا ہے، وہ رنگ جو انہیں مٹھی میں قید کرنے کی کوشش میں آپ کے ہاتھ پہ رہ جاتا ہے، ہلکا بھورا پھر تیز لال بالکل خون کے جیسا، مجھے یاد ہے بچپن میں ایک بار جب تتلی کو پکڑنے کی کوشش میں، میں اپنے ہاتھ پہ اس کا لال رنگ لئے اماں کے پاس گیا تھا تب اماں نے اس طرح خوف زدہ ہو کر میرے ہاتھ پہ لگے اس رنگ کو دیکھا جیسے وہ کسی تتلی کا رنگ نہ ہو بلکہ کسی کا خون ہو اور پھر......"

اس نے نظریں اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا جو آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گندمی رنگت بڑی بڑی آنکھیں ٹوٹا بکھرا وجود اور ضبط سے سرخ ہوتی ناک، وہ ایسا نہیں تھا جیسے کسی ناول کا ہیرو ہو بلکہ وہ عام سے نین نقش کا مالک اک عام سا مرد تھا جسے خاص اس کے دکھ بناتے تھے کیونکہ سونیناں کو اس کے دکھ اپنے اپنے لگتے چاند کی طرح دکھ بھی تو بعض دفعہ سانجھے ہوتے ہیں نا، کچھ دنوں پہلے ہی وہ دونوں اسی نہر کنارے بیٹھے تھے وہ بولتا رہا وہ اسے سنتی رہی نجانے کتنے ہی دکھ تھے اس کی جھولی میں جنہیں دیکھ کر وہ اپنے دکھ بھول سی جاتی اک بے نام سا رشتہ تھا جیسے۔

"ان کی نظروں کا خوف آج بھی مجھے یاد ہے، نجانے کس بات نے ڈرا دیا تا انہیں میں آج تک سمجھ نہیں سکا۔" اس کی آنکھ سے دوسرا آنسو نہر کے پانی میں گرتا اسے ساکت کر گیا، وہ ساکت سی بیٹھی نہر کے پانی کو گھورتی رہی۔

☆☆☆

آہستہ آہستہ شور بڑھتا جا رہا تھا اس کے جسم پہ مارے خوف و گھبراہٹ کے کپکپی چھائی ہوئی تھی خوف سے آنکھیں بند کیے وہ ساکت تھی جب دستک کی آواز کے ساتھ اللہ وسایا کی آواز گونجی۔

"سکینہ اری او سکینہ در کھول میں ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا، اللہ وسائے نے ایک نظر اسے دیکھا، بکھرے بال، سیاہ پڑتے ہونٹ، جھریاں زدہ گال، نا امید مایوسی اور خوف میں ڈوبی آنکھیں، کیا کچھ نہیں تھا ان آنکھوں میں خوف دہشت دکھ اور کچھ چھپانے کی ناکام سی کوشش۔

"باہر ساری رات میں کام کی تلاش میں پھرتا رہا، مجھے کہیں کام نہیں ملا، پتہ نہیں اللہ پاک نے ہمارے نصیب میں کیا لکھا ہے، فرح کیسی ہے اور امبر کے بخار کا کیا ہوا۔" بے چینی سے پوچھا، آہستہ آہستہ چلتی وہ اس تک آئی۔

"امبر کا بخار بڑھ رہا ہے، اندر سو رہی ہے اور فرح باہر کھیلنے گئی ہے کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کاش ہم بھی بچے ہوتے معصوم شرارتی بچے، یونہی کھیل کھیل میں ہر درد بھول جاتے مسکراتے مسکرائے جاتے، ہنستے تو ہنستے جاتے، خود ہی مٹی کا چھوٹا سا گھر بناتے پھر اسے اپنے ہی ہاتھوں سے توڑ دیتے، نہ گزرتا موسم ہم پہ اثر انداز نہ ہوتا اپنی ایک الگ ہی دنیا ہوتی جہاں پہ ہنستی کھلکھلاتی تتلیاں ہمارے چاروں جانب رقص کرتی وہاں پر بھوک نہ ہوتی اور اپنی عزت بچانے کے لئے کسی کو مارنا نہ پڑتا۔" بے خیالی میں وہ بہت بڑا سچ کہہ گئی، بے اختیار اللہ وسائے کو دیکھا جو اس کی آخری بات سنے بنا بولا۔

"یہ ساری باتیں کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں سکینہ، وہاں پہ نہیں جہاں ہر طرف بھوک ناچتی ہو، صرف بھوک ہی بھوک ہو دروازوں سے ٹکراتی، بین کرتی، ماتم کناں سی بھوک، انسان کو انسان سے حیوان بنا دینے والی بھوک۔" اس کے رگ رگ میں ٹپکتی بھوک کو محسوس کر کے وہ اک آس اک امید سے بولی وہی آس وہی امید جو ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔

"تو پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" ٹھنڈی آہ بھر کر کہتا اللہ وسایا اسے پہلے سے زیادہ کمزور لگا۔

☆☆☆

"اللہ کہتا ہے، میرے بندے میں نے تجھ کو دو آنکھیں دیں اور تو ان سے دیکھ جب تجھ کو حلال نظر آئے جب حرام نظر آنے لگے تو یہ پردہ گرا لیا کر، یہ پردہ اس لئے لگایا ہے کہ اس سے حرام نہ دیکھا جائے، ایسے لوگ جب بازاروں سے گلیوں سے گزر جائیں تو وہ گلیاں محترم سی ہو جاتی ہیں، وہ گلیاں روشن ہو جاتی ہیں، چمن سے گزریں تو اس چمن کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے، زمین و آسمان میں ان کے چرچے ہوتے ہیں، اب تو چراغ رخ سے بھی ڈھونڈو تو یہ لوگ تمہیں کہاں ملیں گے، دنیا اجڑ گئی انسان مٹ گئے اور مذکر رہ گئے، عورتیں مر گئیں مونث رہ گئیں، کچھ مذکرہ ہیں کچھ مونث، وہ عورتیں زیر زمین سو گئیں، وہ مرد جا کر مٹی کی چادر تلے سو گئے جن کی آہ بکا عرش کو ہلاتی تھی، وہ عورتیں جن کا حیا فرشتوں کو شرما دیتا تھا ان سے جہاں خالی ہو گیا، کوئی کروڑوں میں ایک ہو تو ہو اور ہونا بھی چاہے، ورنہ تو قیامت ہی آ جاتی اور آج مذکرہ ہیں مونث ہیں اور انہیں لذتوں کے سوا نفس کی غلامی کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا۔" وہ مزید کہہ رہی تھی اور سونیناں ساکت تھی جان نکلتی ہوئی سی محسوس ہوئی، دل و دماغ ماؤف سا ہونے لگا، اس کے موٹی گھنگھریالی لٹوں کے ہالے میں مقید چہرے پہ آنسو کی آبشار کی طرح برس رہے تھے اور وہ ساکت تھی ششدر بے یقین۔

"ہمارے دل دہل اٹھتے ہیں، ہمیں اللہ کا خوف محسوس ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا کہ یہی خوف خدا محسوس کرنے والا پل اس آخرت کے دن ہیں بخشوائے گا ہم سب کے گناہ معاف فرما میرے مولا۔" QTV پہ موجود بڑی بی کی باتوں نے ایک پل کے لئے اسے ساکت کر دیا وہ اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی، پردے سرکائے چاند کو دیکھتی وہ رو رہی تھی، الفاظ تیر کی صورت دل پہ لگے اسے زخمی کر گئے۔

"کون ہوں میں؟ دھوپ میں لپٹا اک

خواب، یا رات کے ڈھیر پہ خود کو کھوجتی اک بے حس مخلوق، سردی کی صبحوں میں جلتا ہوا الاؤ یا شام کے اندھیرے میں دم توڑتی دیئے کی آخری لو، کون ہوں میں؟ ایکٹرس، سنگر یا پھر بقول کبیر الدین کے اک طوائف، اک سوال جو گونجتا ہے میری ذات میں مجھے جھنجھوڑتا بے بس کر جاتا ہے اور میں خود سے پوچھ نہیں پاتی کہ کون ہوں میں؟" وہ رات کے سناٹے میں کھڑکی میں کھڑی یک ٹک چاند کو دیکھتی خود سے ہم کلام تھی۔

"مجھے کیا سے کیا بنا دیا میرے خوابوں نے میں نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں ایک ایکٹرس بننے کی کوشش میں اک طوائف بن جاؤں گی کبیر الدین کی طوائف۔" آنسو بھری آنکھوں سے اس نے آسمان کو دیکھا۔

"یا اللہ اگر میرے خوابوں نے مجھے گندگی کے ڈھیر پہ ڈال دیا ہے تو کوئی تو ہوتا جو مجھے پر سے اٹھاتا میری مدد کرتا پھر بے شک اس گندگی میں کھڑا ہونے کی صورت اس کے پیر خراب ہو جاتے پر وہ میری خاطر اپنی پرواہ نہ کرتا اسے صرف میری فکر ہوتی صرف ایک ہاتھ تو ہوتا۔"

بے بسی لاچاری اور بیچارگی سے روتی وہ اللہ سے فریاد کر رہی تھی، دل ٹوٹا تھا اور ایسا ٹوٹا تھا کہ اسے خود اپنے ہی وجود تک سے نفرت سی ہونے لگی اسی نفرت جو مٹائے نہیں مٹتی تھی گھٹائے نہیں گھٹتی تھی۔

"مگر نہیں کوئی ہاتھ ایسا نہیں ہے جو مجھے گندگی کے اس ڈھیر میں سے نکال سکے سب مجھ پہ ہنستے میرا مذاق اڑاتے مجھے اس ڈھیر میں دھنسا رہے ہیں اور میں اس میں دبتی جا رہی ہوں میرا دم گھٹتا ہے دل تڑپ رہا ہے اور میری آنکھیں باہر کو ابلنے کے لئے تیار ہیں اور میں باہر نکلنے کی کوشش میں مزید اس میں دبتی جا رہی ہوں، نیچے بہت نیچے کہ شاید اب اسے نکلنا ناممکن ہے مگر میرے اللہ کوئی اور نہ سہی میں تجھ سے دعا کرتی ہوں تو مجھے گندگی کے اس ڈھیر سے نکال میری مدد کر اللہ، میری مدد کر۔" آنسو اس کے رخسار بھگوتے جا رہے تھے باہر صبح کی کرنیں نکلتی اک نئی صبح کا پیغام سنانے لگیں کہ ہر رات کے بعد خوبصورت صبح ہماری منتظر ہوتی ہے اگر جو ہم سمجھے۔

☆☆☆

ایک بے بسی اور لاچار ماں صرف ایک روٹی کے لئے جرم کی مرتکب ہوئی تھی جرم بھی وہ جو اس نے غلطی سے کیا تھا، یہ سچ اب وہ کبھی اللہ سوائے سے نہیں کہہ سکتی تھی پتہ تھا اگر اسے پتہ چلا تو وہ وقت سے پہلے ہی مر جائے گا اسے آگے وہ چاہ کر بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی خوف نے دل و دماغ میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے ڈر تھا کہ ہر گزرتے پل کے ساتھ بڑھتا تھا سارا سارا دن صحن میں بیٹھی وہ عجیب سی دعا کرتی رہتی۔

کبھی نہ رات ہونے کی دعا وہ خود بھی اپنی دعا کی طرح بڑی عجیب سی ہو گئی تھی، ماسٹر کے کمرے سے ہی نہ نکلتی اللہ وسایا صبح کا گیا رات کو خالی ہاتھ لوٹتا تو رہی سہی امید بھی دم توڑ جاتی، آہستہ آہستہ راشن بھی ختم ہونے لگا، روٹی کے لالے تو پہلے ہی تھے اب تو نوبت فاقوں تک آ گئی، ہر طرف آگ تھی، دہکتی شعلے نکالتی آگ جلا کر سرخ کر دینے والی آگ کے شعلے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے اور وہ اس آگ میں جل رہی تھی، تڑپتی مچلتی، جلتی، ہزار بچنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی، آگ بڑھتی جا رہی تھی لمحہ بہ لمحہ ہر گزرتے پل کے ساتھ اور اس سے پہلے کہ اس کا دم نکلتا اس کی آنکھ کھل گئی، پسینے میں شرابور وجود کے ساتھ وہ رات کے پچھلے پہر خوف سے بند دروازے کو دیکھنے لگی جیسے اس بند دروازے کے پیچھے وہی خواب والی آگ ہو سرخ جلا کر سیاہ کر دینے والی۔

پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اس کے رخسار سے ہوتی اس کی سیاہ گردن بھگونے لگی تھی، خوف دہشت اور ہراس کی وجہ سے وہ اس وقت خود اپنے ہی وجود سے ڈر رہی تھی اسے اپنے کپڑوں تک سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

جس کے دل میں ڈر بس جائے اسے جیتے جی مار دیتا ہے کچھ نہ کرنے کے باوجود بھی ڈر اسے چھوڑتا نہیں پھر وہ ایک ناگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو لمحہ بہ لمحہ انسان کو ڈستا رہتا ہے اس کا زہر انسان کے پور پور میں بس کر اسے ہر پل مارتا رہتا ہے، بار بار اس وقت تک جب تک اس کا ڈر ختم نہ ہو جائے، وہ بھی ہر لمحے مر رہی تھی ہر گزرتا پل اسے مار رہا تھا اسے یوں لگتا جیسے ابھی دروازہ کھلے گا اور پولیس آ کر اسے لے جائے گی کالی سیاہ جیل میں، اس کے آگے وہ چاہ کر بھی سوچ نہیں سکی، چاند اپنے جوبن پہ تھا، وہ اسے دیکھنے لگی اس کا خوف کم ہونے کی بجائے بڑھتا جا رہا تھا تبھی چاند پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظر اللہ وسائے پہ پڑی کمزور لاغر اپنے بوجھ سے جھکے ہوتے وجود کے ساتھ وہ اپنی کل کی روزی کی فکر میں مبتلا تھا غربت ایسی ہی ہوتی ہے، انسان کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دینے والی۔

☆☆☆

"ایک بار جب میں رات کی تاریکی میں گھر سے چلا گیا تھا بغیر اماں کو بتائے، تب وہ بہت روئی تھیں رات بھر سڑکوں پہ مجھے تلاش کرتی وہ گلی گلی میرے لئے گھومتی رہیں اور میں اپنے دوست یاسر کے گھر کھیلتا رہا بے فکر سا، ابا کو تو کسی کی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی ان کی بلا سے ہم دونوں جاتے بھاڑ میں انہیں تو بس اپنی آرا کی فکر تھی۔"

ابا کی بات پہ اس کے انداز میں نجانے کتنی ہی حسرتیں کرلا رہی تھیں کھوئے کھوئے انداز میں کہتا وہ برگر کے پیڑ کے پاس چلا آیا وہ نہر کے ٹھنڈے پانی میں ہمیشہ کی طرح پیر بھگوئے اس کے ساتھ اس کی یادوں کے سفر میں گم تھی۔

"اور جب اماں گھر آئی ناامید مایوس سی تو مجھے صحن میں کھڑا پا کر جیسے جی اٹھی، مجھے گلے سے لگائے نجانے کتنی دیر تک چومتی رہی اس دن اماں نے گھنٹوں مجھے خود سے لگائے رکھا اور ابا اسے گھورتا باہر نکل گیا، اس نے ایک بار بھی میرے سر پہ ہاتھ نہیں رکھا مجھ پہ شفقت نہیں لٹائی پھر جب یہ یہ سوال میں نے اماں سے کیا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔" اس کی آنکھوں کی چمک نے ایک پل کے لئے اسے ساکت کر دیا۔

کس قدر خوش قسمت تھا وہ جو اسے اتنی محبت کرنی والی ماں کا ساتھ حاصل تھا، ایک پل کے لئے سوچا اس نے۔

"میں تو تجھ سے پیار کرتی ہوں نا پھر تو ایسا کیوں سوچتا ہے صدر۔" وہ میرا نام بھی اس قدر پیار سے لیتی کہ مجھے خود اپنے نام سے ہی محبت سی ہونے لگتی، ماں کی محبت نور بن کر اس کے چہرے پہ چمکنے لگا، اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا یہ نام وہ کچھ اور نہ سوچ سکی کہ وہ مزید کہہ رہا تھا۔

"یہ مائیں کتنی اچھی ہوتی ہیں نا اپنے بچوں کے دکھ درد کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہیں خود بیشک بھوکی رہیں مگر اپنے بچوں کو کبھی بھوکا نہیں رہنے دیتی، کیا تمہاری ماں بھی ایسی تھی۔" اس نے پوچھا، وہ چونکی پھر ہکلائی۔

"ہاں شاید۔" وہ بے اختیار اٹھ کر مڑی تو گود میں پڑے نارنجی بیلوں کے پھول اس کے قدموں میں ڈھیر ہوئے۔

"آج مجھے کچھ نہیں سناؤ گی۔" جھک کر

پھولوں کو جمع کرتے پوچھا، ایک آنسو بغاوت کر گیا اس کی آواز فضا میں بکھرتی چلی گئی اور وہ بے بسی کی تصویر بنے کہتی رہی۔

تجھ سے ناراض نہیں زندگی
حیران ہوں میں
ہاں حیران ہوں میں

اس کے لفظ نہر کنارے کے پار موجود پرندوں کو ساکت کر گئے، دانہ کھانا بھول کر وہ ساکت سے اسے سنتے گئے۔

تیرے معصوم سوالوں سے
پریشان ہوں ہاں
پریشان ہوں میں

اس کی آواز ہمیشہ کی طرح برگر کے پیڑ پہ بیٹھی کوئل کو سن کر گئی، نارنجی بیلوں کے پھول حیرت زدہ سے اس کے آنسوؤں کو دیکھنے لگے اور وہ بغیر زندگی سے شکوہ کیے رو رہی تھی اور اس کے آنسوؤں میں کوئی دوسرا بھی شامل تھا اور وہ تھا صدر دین۔

☆☆☆

''آج پھر جا رہا ہوں سکینہ دعا کرنا اللہ ہم پہ رحم کرے اور کچھ نہ سہی گھر کے لئے تھوڑا سا راشن ہی لے آؤں۔'' اک آس تھی اس کے لہجے میں اور وہ اس کے جانے کے خوف سے بولی۔

''تو آج نہ جا۔''

''تو پاگل ہو گئی ہے ہمارے بچے بھوک سے مر رہے ہیں جا کر کوئی کام نہیں ڈھونڈوں گا تو تم تینوں کو کھلاؤں گا کیسے۔'' سختی سے کہتا مڑ گیا وہ جلدی سے دروازہ بند کرتی اندر کی طرف بڑھی، کچا صحن ایک کمرہ اور چار دیواری دے کر بنایا گیا کچن یہ چھوٹا سا گھر تھا ان کا۔

وہ گھر جہاں پہ ہر طرف بھوک ناچتی تھی اور جس گھر میں بھوک ناچتی ہو وہ گھر گھر کب رہتا ہے وہ تو اک قبرستان بن جاتا ہے جہاں پہ بھوک کے سوا کچھ نہیں ہوتا قبریں بھی نہیں صرف بھوک ہی بھوک اور اسی قبرستان میں اگر خوف کا پرندہ بیٹھ جائے تو ہر طرف خوف ہی خوف رہ جاتا ہے وہ بھی خود کو اسی خوف میں جکڑا محسوس کرنے لگی تھی، پولیس کا خوف موت کے خوف سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے آج تین دن گزارنے کے باوجود بھی وہ اس رات کو نہیں بھولی تھی۔

''اماں مجھے پیاس لگی ہے۔'' کمرے کی چوکھٹ پہ سر ٹکائے وہ بند دروازے کو گھور رہی تھی جب فرح بولی۔

''پی لے، جا گھڑے میں ہوگا۔'' اک ہاتھ سے اس نے کیا جو پھر سے سامنے آئی۔

''وہاں نہیں ہے اماں سارا پانی ختم ہو گیا۔''

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی جو مزید کہہ رہی تھی۔

''اماں کیا روٹی کی طرح پانی بھی لال ملے گا۔'' تڑپ کر نظریں اٹھائیں اب کیسے کہتی وہ روٹی لال نہیں بلکہ کسی کے خون سے رنگی تھی جسے خود اس نے اپنے ہاتھوں سے دونوں کو کھلایا تھا، جھرجھری لیتی وہ اٹھی ایک گھڑا کمر پہ اور دوسرا سر پہ ٹکاتی بولی۔

''تم دونوں باہر مت نکلنا، میں ابھی نلکے سے پانی بھر کر لاتی ہوں۔'' اسے اپنی آواز گہرے کنوں سے آتی محسوس ہوئی، اپنا چہرہ چھپائے وہ باہر نکلی گلی میں عورتوں کا اک ہجوم سا تھا، وہاں ایک نہیں کئی چہرے تھے سکینہ بی جیسے اور کئی فرح اور امبر تھیں وہاں بھوک سے تڑپتی مچلتی اور روتی۔

نلکے پہ لگی لائن میں کھڑی ہوئی تو مارے گھبراہٹ کے جسم کانپنے لگا خوف اور ہراس سے نظریں دوڑائیں اور ساکت رہ گئی، گلی میں کچھ پولیس والے کچھ عورتوں سے پوچھ رہے تھے اس نے قدم بڑھا کر وہاں سے بھاگنا چاہا پر قدموں نے ساتھ نہ دیا دھڑکنیں بے قابو ہوئیں، وہ عورتوں کے پیچھے چھپنے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی تبھی ایک کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر اس پکڑ لیا اور ہر طرف جیسے طوفان سا آ گیا جو سب کچھ بہا کر لے گیا۔

''چلو ہمارے ساتھ۔'' درشتگی سے کہا۔

''کہاں؟'' ہکلائی گھڑے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین بوس ہوئے، نجانے کتنے ٹکڑوں میں بٹے۔

''پولیس اسٹیشن۔'' الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ جو اس کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا، جس خوف سے وہ بھاگ رہی تھی وہی راستہ روکے بیچ کی تصویر تھامے سامنے آ کھڑا ہوا کہ اب فرار ممکن نہ تھا۔

☆☆☆

کار آہستہ آہستہ منزل کی طرف بڑھ رہی تھی منزل بھی وہ جس کا کوئی پتہ نہیں تھا وہ تو اک سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی، بھاگتے بھاگتے پیروں میں اب چھالے سے پڑ گئے مزید بھاگنے کی اس میں ہمت نہیں تھی مگر پھر بھی وہ بھاگ رہی تھی اور سرابوں کے پیچھے بھاگنے والے اکثر خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں تہی داماں تہی دست وہ بھی خالی ہاتھ تھی بالکل تہی دست۔

''کیا سوچ رہی ہو۔'' کھڑکی سے پار دیکھتی وہ ان چاہی سوچوں میں گم تھی اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں جب اس نے پوچھا۔

''میں دعا کر رہی ہوں۔'' اسے دیکھے بغیر کہا۔

''اچھا کیا مانگ رہی ہو۔'' مذاق اڑایا تھا جیسے اس نے اس کا۔

''میں اپنے اس رب سے دعا کر رہی ہوں کہ وہ مجھے واپس بلا لے اپنے اس جہاں، جہاں پر روشنیوں کے سمندر میں نیکی کی سنہری مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں وہاں جہاں برائی کا کوئی نشان نہ نہیں جہاں خواب دیکھنے کی اتنی کڑی سزا نہیں ہو جہاں سونیناں کبھی بے مول نہ ہو اور جہاں......''

وہ ایک پل کو رکی رخ پھیر کر اس کی براؤن آنکھوں میں دیکھا اور جہاں کوئی آدم زدہ کسی سونیناں کو بے مول نہ کرے، ایک آنسو گرا، بے قابو ہو کر اور قیامت کر گیا، طنزیہ انداز میں بولا۔

''تم نے خود کو خود ہی بے مول کیا ہے کسی آدم زادہ نے نہیں۔''

''نہیں کبیر الدین میں نے خود کو بے مول نہیں کیا بلکہ میرے خوابوں نے مجھے بے مول کیا ہے واقعہ خوابوں کے پیچھے بھاگنے والے اکثر برباد ہوتے ہیں۔'' ٹوٹے سے انداز میں کہا نجانے کتنا دکھ پناہ تھا اس ایک جملے میں یہ کوئی نہیں جانتا تھا کبیر الدین بھی نہیں۔

کھڑکی میں کھڑی وہ اپنی موت کی دعا کر رہی تھی پر ہر دعا قبول ہونے کے لئے تھوڑی ہوتی ہے کچھ دعائیں بس فضا میں معلق ہو کر رہ جاتی ہیں کبھی نہ قبول ہونے کے لئے اور اس کی موت کی دعا بھی شاید کچھ رہی ہی تھی۔

''ادھر آؤ سونیناں میرے قریب۔'' اس نے قریب آتے کہا، وہ دو قدم دور ہونے کی کوشش میں اسے جا لگی۔

''پلیز کبیر الدین مجھے بے موت مت مارو رحم کرو مجھ پہ۔'' بے بسی کی انتہاؤں پہ پہنچ کر گڑگڑائی اس پہ تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا بڑتی جسارتوں پہ وہ قدموں میں جا گری۔

دوسری بی بی حوا کی بیٹی آدم زاد کے قدموں میں گری اپنی عزت کی بھیک مانگ رہی تھی آخر

کب تک آدم زاد بی بی حوا کی بیٹیوں کو بے مول کرتا رہے گا کب تک، آتی شام روتی جاتی دوپہر نے اک ترس بھری نگاہ اس پہ ڈالی مگر جواب ندارد تھا۔

''میرے خوابوں نے تو مجھے بے مول کیا ہی ہے تم تو نہ کرو میں اب تھک رہی ہوں مر رہی ہوں مجھے اور......'' باقی کے الفاظ اس کے منہ میں ہی دم توڑ گئے اس کی سسکیاں چیخنا اندر ہی کہیں رہ گئیں اور آج چوتھی بار وہ پھر مر گئی۔

آج تمہارا وہ چہرہ دیکھا
جو اسے پہلے نہیں دیکھ پائی تھی
لیکن اب سب بے سود ہے
لا حاصل ہے
اب تو پیچھے جلنے بھننے والی
کشتیوں کی راکھ کے سوا کچھ بھی نہیں
کچھ بھی تو نہیں

کتنا شوق تھا اسے دنیا دیکھنے کا نگر نگر گھومنے کا اور مری، مری تو خواب تھا اس کا جسے کوئی دیوانے کا خواب کہا کرتا تھا اور اب جب یہ خواب پورا ہوا تو وہ اندر سے بہت بری طرح ٹوٹ چکی تھی، ریزہ ریزہ ہو چکی تھی، ہوتا ہے بعض دفعہ ایسا ہم کسی چیز کو پانے کے لئے دن رات ایک کر دیتے ہیں سجدے کرتے دعائیں مانگتے اور منت تک مان لیتے ہیں اور پھر جب ہمیں وہ چیز مل جاتی ہے تو تب ہم حسابی کتابی بن جاتے ہیں کہ اسے پانے کے لئے کیا کھویا کیا چھوڑا اور کیا کیا قربانیاں دیں تب وہ چیز اپنی اہمیت اور قدر گنوا بیٹھتی ہے وہ بھی اس وقت حسابی کتابی بن گئی۔

کیا کیا نہیں کیا تھا اس نے ایک کامیاب ایکٹرس بننے کے لئے اور آج جب بن گئی تھی تو اسے اپنا آپ کسی فقیر جیسا لگنے لگا، دس دن ہو چکے تھے انہیں مری آئے اور ان دس دنوں میں جب جب کبیر الدین کا دل آیا اس نے اسے بے مول کیا تھا، کسی نے سچ کہا ہے کہ ''عورت اللہ کی ایسی تخلیق ہے جسے اس کی پوری زندگی میں کوئی بھی خوش نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود اسے برداشت کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے آج سے صدیوں پہلے اللہ نے جب انسان کو بنایا یعنی مرد کو، اسی وقت اللہ نے عورت کو اس کے ساتھ نہیں بنایا، پھر مرد کو علم عطا کیا پھر سارے فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کو کہا عورت اسی وقت بھی نہیں تھی، عجیب بات ہے اللہ نے مرد کو مٹی سے بنایا، بے جان مٹی سے، بے رونق مٹی سے، ایسی مٹی جس میں خوشبو تک نہیں تھی، لیکن عورت کو اللہ نے حضرت آدم یعنی ایک مرد کی پسلی سے پیدا کیا ایسی چیز سے پیدا کیا جسے اس نے علم کی طاقت دی، جسے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور جس کو سجدہ نہ کرنے پہ ابلیس قیامت تک کے لئے مردود قرار دے دیا گیا، جسے اللہ نے زمین پہ اپنی خلافت کے لئے منتخب کیا۔

کتنی عجیب بات ہے مرد کو بنانے کے لئے اللہ پاک نے عام سی مٹی منتخب کی اور عورت کو بنانے کے لئے اعلیٰ میٹریل استعمال کیا، اس کے باوجود عورت کو زمین پہ کبھی وہ عزت اور مقام حاصل نہ ہوا جو ایک مرد کو ملا۔

باہر رات کی تاریکی کو چیرتی موذن کی آواز بلند ہوئی۔

''اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔'' وہ نم ہوتی آنکھوں سے مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی اس پاک رب کو سجدہ کرنے کے لئے جو دن میں پانچ بار اپنے بندے کو فلاح کی طرف بلاتا ہے اپنے لئے نہیں بلکہ اس کے لئے۔

☆☆☆

''بتا کیوں قاتل کیا تو نے امجد نامی آدمی کو۔'' درشتگی سے پوچھا گیا، اس کا دماغ ایک پل کے لئے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم سا ہو گیا، ساکت نظروں سے وہ انسپکٹر کو دیکھنے لگی تو وہ حقارت سے بولا۔

''تو ایسے نہیں بتائے گی۔'' کہتے اس نے پاس موجود کانسٹیبل کو اشارہ کیا اور اگلے ہی پل کمزور لاغر سی سکینہ بی بی دور جا گری۔

''بول کیوں قتل کیا تم نے اسے۔''

''میں...... میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔'' گھبرا کر جھوٹ بولا جو پکڑا گیا۔

''ہم سے جھوٹ بولتی ہے، کانسٹیبل بلاؤ ذرا اکبر کو۔'' اور پھر جیسے سب کچھ ختم ہو گیا دنیا بھی اور آخرت بھی، وہ بے حس و حرکت بیٹھتی چلی گئی اب سارے راستے بند ہو گئے تھے، سامنے صرف اندھیرا تھا، سیاہ گھور تاریک اندھیرا۔

''اب بول اس نے خود تجھے قتل کرتے دیکھا ہے، بتا کیا وجہ تھی قتل کی بول۔''

''روٹی۔'' ایک لفظ جواب اکبر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''روٹی، کیا مطلب؟'' مطلب پوچھا۔

''بھلا روٹی کا بھی کوئی مطلب ہوتا ہے۔'' وقت نے دکھ سے سوچا۔

''میری بیٹیاں بھوک سے مر رہی تھیں، دو دن سے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا اللہ وسائے میرا شوہر صبح کا گیا رات کو گھر آتا سارا دن کام ڈھونڈتا مگر ایک ہاتھ والے اللہ وسائے کو کوئی کام دینے پہ تیار نہیں تھا۔''

''پھر......؟'' وہ پل بھر کو رکی، انسپکٹر بے حسی سے بولا۔

''پھر امبر کو بخار نے گھیر لیا فرح بھوک سے مرنے لگی تو میں نکل کھڑی ہوئی بھیک مانگنے، پر اب تو بھیک بھی کوئی نہیں دیتا، وہ مجھ سے میری عزت مانگ رہا تھا میں بھلا کیسے اس کا کہا مان سکتی تھی کبھی نہیں، میں نے صرف روٹی کھینچنے کے لئے اسے دھکا دیا تھا جان بوجھ کر اسے مارنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' تڑپ تڑپ کر روتی وہ انہیں اس رات کا پورا قصہ سنا گئی، غربت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے یہ کوئی اسے پوچھتا، چہروں سے ٹپکتی بھوک آنکھوں میں ناچتی وحشت اور بڑھتا دن، یہ سب ایک انسان کو انسان سے حیوان بنا دیتی ہے، غربت انسان کو اپنے ہی شہر میں ایسا اجنبی بنا دیتی ہے کہ لوگ پہچاننے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔

کبھی کسی پرندے کو مرتے دیکھا ہے، زندگی کی آس میں تڑپ تڑپ کر مرنے والا پرندہ، قطرہ قطرہ گرتے آنسو اس کے جھریوں زدہ چہرے کو بھگونے لگے، انسپکٹر کانسٹیبل اور حولدار سب ششدر تھے ان کی آنکھوں سے دکھ کے سوا ہر جذبہ ظاہر تھا سب سے بڑھ کر بے حسی کا جذبہ ہر جذبے پہ حاوی نظر آنے لگا۔

''میں نے دیکھا ہے، تڑپ تڑپ کر مرتے اپنے صرف بارہ سالہ راجو کو وہ سب سے بڑا تھا میری آنکھوں کی روشنی دل کا چین اور پھر ایک دن بھوک اور بخار کی شدت اسے مار گئی، میری آنکھوں کے سامنے وہ روٹی روٹی کرتا مر گیا اور......'' وہ رکی پھر وحشت اس کی آنکھوں میں ناچنے لگی کونے میں چھپی بھوک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اسے پولیس اسٹیشن کے در و دیوار بین کرتے محسوس ہوئے ایک ماں کے درد پہ روتے، مگر وہاں موجود ہر انسان بے حس تھا نہ آنکھوں میں ترس، ہمدردی اور نہ ہی رحم صرف بے حسی

ہاں صرف بے حسی۔

''اور میری آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی میں چپ چاپ خالی ہاتھ اسے مرتا دیکھتی رہی، بھوک روتی بین کرتی رہی اور وہ چلا گیا، وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ایک بھوک ایک انسان کو کھا گئی میں مر گئی وہ نہیں مرا میں مر گئی۔'' آنسو بہاتے وہ اب سینہ کوبی کرنے لگی، شور بڑھنے لگا کونے میں دبکی بھوک نے ترس بھری نظروں سے اک ماں کو روتے دیکھا، بے حسی رخ پھیر گئی اور وہ خاک اپنے سر میں ڈالتی روتی چلی گئی، روتی چلی گئی۔

سوال پہلے بھی تھے، سوال اب تھے کیا غلطی تھی اس کی، بھوکا ہونا، عورت ہونا، ماں ہونا؟ یا پھر غریب ہونا، سوال ٹھوس تھے جان دار اور جواب ندارد۔

''اسے لاکپ میں بند کر دو۔'' حقارت اب بھی موجود تھی بے حسی ویسی قائم تھی آخر غربت جو سامنے تھی حقارت اور نفرت نے تو ہونا ہی تھا۔

☆☆☆

ہاف بلاؤز کے ساتھ بلیک کلر کی ساڑھی میں اس کی پتلی کمر اور خوبصورت گردن صاف دکھائی دے رہیں تھیں، ساڑھی پہ وائٹ گوٹے کناری نے اسے مزید نکھارا تھا، بظاہر وہ شیشے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی لیکن اس کا دل اور دماغ آج بھی سن تھے دل تھا کہ جیسے چپ شاہ کا روزہ رکھے اور دماغ نے جیسے ہار مان لی تھی جب انسان کا دل اور دماغ نہیں ہوتا ہے، تو اس کی آنکھیں بھی بھی ساکت ہو جاتی ہیں اس کا حال بھی کچھ ایسا تھا۔

بیڈ پہ دراز کبیر الدین اس کے بے حد قریب آ کھڑا ہوا اتنا قریب کہ اس کی نرم گرم سانسیں سونیناں کی گردن جھلسانے لگیں۔

''میں نے چاند کو زمین پہ آج پہلی بار دیکھا ہے۔'' اعتراف ہوا، اس کے ہاتھ اس کی پتلی کمر پہ کسی سانپ کی طرح رینگنے لگے، وہ چپ رہی وہ مزید بولا۔

''اور میرے آنگن میں دیکھ کر تو میں جیسے۔''

''اس چاند میں تم نے داغ دیکھے ہیں۔'' بات کاٹ کر بولی انداز میں دکھ ہی دکھ تھا دل کو چیر دینے والا۔

''داغ کیسے داغ۔'' اب کے وہ جسارتوں پہ اتر آیا اسے کراہیت سی محسوس ہوئی اس کے وجود سے مگر ساکت رہی آخر یہ اس کے خوابوں کی معراج تھی۔

''وہی داغ جو جا بجا اسی چاند کو گرہن لگاتے داغ... ہیں آہستہ آہستہ اس کی روشنی کم ہو کر ... لگی ہے نجانے کس پل کس لمحے روشنی کی آخری ... دم توڑ دے اور یہ چاند ہمیشہ کے لئے سیاہ ہو کر رہ جائے، روشن کے بجائے سیاہ چاند۔'' وہ ہنسی ... درد بھری مسکراہٹ تھی اس کی پھر اسے دور ہو ... میں آ کھڑی ہوئی عجیب سے انداز میں بولی وہ اک پاگل لگی، خبطی، دیوانی سی۔

''پاگل لڑکی، تم نے کبھی سیاہ چاند دیکھا ہے یکدم تاریک سا، جس کے اندر روشنیوں کے بجائے اندھیرا ہی اندھیرا ہو جو ہر رات کو اک امید اک آس سے نکلے کہ شاید اس کے وجود سے روشنیاں سی پھوٹیں پر اس کی ہر آس ہر امید صبح کا سورج نکلتے دیکھ کر دم توڑ دے، مگر پھر بھی وہ آس نہ چھوڑے ہر روز نکلتا رہے ہر رات گزار کر اک نیا دن اک نیا سورج لاتی ہے اور وہ ہارتا رہے۔''

''کچھ اور کہو نا۔'' اکتا کر فرمائش کی وہ کھو کھلے دل سے مسکرائی پھر مڑی اک نظر سگریٹ جلاتے اسے دیکھا بولی تو اب کے درد میں اضافہ

اضافہ تھا۔

''تم نے کبھی اپنے ہاتھ میں سلگتی اس سگریٹ کو غور سے دیکھا ہے۔'' عجیب سے انداز میں کہا وہ اسے بس دیکھ کر رہ گیا بولا کچھ نہیں کہ ہر سوال کی طرح اس سوال کا جواب بھی نہیں تھا اس کے پاس۔

''یہ ہر خوشی دکھ پریشانی میں تمہارا ساتھ دیتی ہے خود سلگاتی ہوئی تمہیں راحت دیتی ہے خود جل جاتی ہے پر تمہیں نہیں جلاتی اپنے دکھ درد کو یہ کڑوے دھوئیں کی شکل باہر نکال دیتی ہے اور پھر جب تمہارا دل کرتا ہے تو تم اسے مسل کر پھینک دیتے ہو کبھی ہاتھوں سے اور کبھی اپنے جوتے کی نوک سے۔'' کہہ کر وہ مسکرائی۔

''ایک پل کے لئے بھی تمہارے دل میں خیال نہیں آتا کہ اس نے تو دکھ درد پریشانی اور خوشی میں تمہارا ساتھ دیا ہے۔'' دکھ بھری نظر اس ڈالی جو جوتے کی نوک سے ادھ جلی سگریٹ کو مسلتے بولا۔

''اس کا کام ہی انسان کو راحت اور سکون دینا ہے اور نصیب مسلے جانا پھر چاہے وہ ہاتھ سے ہو یا پیروں سے۔''

''تم اپنی بات کرو۔''

''اس کا اور میرا نصیب بھی ایک جیسا ہے نا کبیر الدین۔'' وہ ... قدم چلی اس کے روبرو ہوتے بولی تو نجانے ... آواز رندھ گئی، نظریں اٹھائیں اسے دیکھا بولی تو اب آواز کانپ رہی تھی۔

''راحت تو تمہیں میں بھی دیتی ہوں نا اور تم ہر بار مجھے مسل دیتے ہو کبھی ہاتھوں سے اور کبھی اپنی باتوں سے۔''

''تم یہ بات کیوں بھول جاتی ہو کہ تم نے اپنا نصیب خود بنایا ہے مسلے جانا تمہارا بھی نصیب ہے، چلو پارٹی سے دیر ہو رہی ہے۔'' بے فکری سے کہتا وہ باہر نکل گیا، نجانے کتنی ہی دیر وہ خالی خالی نظروں سے ادھ جلی سگریٹ کو دیکھتی رہی، ایک آنسو گرا، بغاوت کر گیا جسے بے دردی سے صاف کرتی وہ باہر کی طرف بڑھی اب چہرے پہ سوائے مسکراہٹ کے کچھ نہیں تھا، کوئی درد، کوئی دکھ کچھ بھی نہیں سوائے چھوٹی دکھا والے والی مسکراہٹ کے۔

''بعض دفعہ انسان اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے دکھ درد چھپانے کے لئے جھوٹی مسکراہٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے، موت کے آئے بناء مر جاتا کیسا ہوتا ہے۔''

☆☆☆

''ضروری تو نہیں سانس نکلے دل رکے یا پھر سانس ساکن ہو، مر تو بندہ اس وقت بھی جاتا ہے جب سب کچھ ختم ہوتا ہوا محسوس ہو، زندگی روٹھ جائے کوئی راستہ دکھائی نہ دے ہاں تب بھی بندہ مر جاتا ہے۔'' وہ بھی اس وقت خود کو مردہ تصور کر رہی تھی، کیا عجیب بات تھی جس عزت کو بچانے کے لئے اس نے کسی کو قتل کیا تھا وہی بچا کر بھی بچا نہ سکی۔

اسے غربت سے نفرت ہوئی انسان لفظ سے نفرت ہوئی جس سے جان نکل گئی ہاں وہ ہار گئی سکینہ بی کی عزت نہ بچی، لٹ گئی، برباد ہو گئی، ساکت نظروں سے دیکھتی وہ مر گئی، آج سچ مچ وہ مر گئی، کونے میں دبکی بے حسی نے ساکت نظروں سے بے جان سکینہ بی کو دیکھا بھوک رونے لگی، بین کرتی، سینہ کوبی کرنے لگی زمین ساکت تھی آسمان قائم تھا وہ ہلا تک نہیں رواں زندگی چلتا رہا اور وہ مر گئی۔

جیل میں عزت گنوا کر مرنے والی سکینہ بی پہ کوئی رونے والا نہیں تھا وقت کسکنے لگا، انسانیت

کو ذرہ فرق نہ پڑا اور وہ صرف اکیلی نہیں مری اللہ وسایا، جو اگلے دن صبح اسے ملنے آیا تھا، نیم برہنہ وجود میں دیکھ کر برداشت نہ کر سکا، ایک بھوک دو، دو انسان کھا گئی، نہ کسی نے احتجاج کیا نہ کوئی جلوس نکلا، عزت روتی ہوئی چلی گئی، بھوک مر گئی اور آج بھی وہ قائم تھی، وہ جو اگر ایسے ہی قائم رہتی تو نجانے کتنی سکینہ بی لٹتی اور کتنے اللہ وسایا مرتے، بے حسی کبھی نہ ختم ہونے والی۔

اے وقت گواہی دے
ہم لوگ نہ تھے ایسے ہیں جیسے نظر آتے
اے وقت گواہی دے
ہم لوگ نہ تھے ایسے، یہ شہر نہ تھا ایسا
یہ لوگ نہ تھے ایسے دیوار نہ تھے رشتے
زندان نہ تھی بستی خلجان نہ تھی ہستی
یوں موت نہ تھی سستی
یہ آج جو صورت ہے
حالات نہ تھے ایسے
تفریق نہ تھی ایسی
سنجوگ نہ تھے ایسے
اے وقت گواہی دے
ہم لوگ نہ تھے ایسے ہیں جیسے نظر آتے
اے وقت گواہی دے

سب کچھ ختم ہو جانے کے بعد بھی کچھ تھا جو باقی تھا، بھوک، ہاں بھوک آج بھی تھی بھوک اس وقت بھی تھی جب راجو مرا تھا بھوک آج بھی تھی جب سکینہ بی لٹی تھی اور بھوک اب بھی تھی سب کچھ ختم ہونے کے باوجود۔

☆☆☆

کتنے ہی دنوں بعد آج برگر کے نہر کنارے وہ بیٹھی تھی بے چینی آج بھی حد سے سوا تھی، وجہ وہ وجود تھا جو اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا، درد سے بھرا وجود، دکھوں سے لڑتا وجود اور پل پل مرتا وہ وجود جو کبھی آنسو کبھی ہچکیوں سے روتا اسے بے چین رہا تھا۔

"ایک دن ابا کسی عورت کو ہمارے گھر آئے، لال جوڑے میں ملبوس ڈھیر سارا میک اپ کیے آنکھوں میں غرور سجائے وہ عورت جسے دیکھ کر اماں رونے لگی میں سمجھ نہیں سکا وہ کیوں رہی ہیں۔"

پتہ تھا تو صرف اتنا کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ وہ عورت تھی، محلے والے ہمارے گھر ہونے لگے بالکل ویسے ہی جیسے کسی میت پہ لوگ جمع ہوتے ہیں افسوس کرنے اور مردے کے چہرے کو آخری بار دیکھنے کی چاہ میں، ہم ... طرح خاموشی کی چادر اوڑھے وہ اس کا ہر ہر درد محسوس کر رہی تھی جو رو رہا تھا۔

قطرہ قطرہ گرتے آنسو اس کا غم ہلکا کرنے کی ناکام سی کوشش کرتے نہر کے پانی میں گرنے لگے۔

"میت مجھے اماں کا وجود لگتا اور وہ چہرہ جسے ہر کوئی آخری بار دیکھنے کی چاہ میں تھا وہ مجھے اپنا لگتا، ابا نے دوسری شادی کر لی تھی وہ بھی ایک طوائف سے۔" وہ چونکی نظریں اٹھا کر بے اختیار اسے دیکھا جو مزید کہہ رہا تھا۔

"میں ساکت تھا بھلا ابا ایسے کیسے کر سکتا، اماں بہت اچھی بہت پیاری تھی سارا دن سارا گھر کا کام کرتی شام کو ڈھیروں ڈھیر کپڑے سلائی کر کے گھر کو چلاتی اور ابا صبح کا نکلا رات لوٹتا اماں کو مارتا تو مارے جاتا وہ اف تک نہ کرتی چیختا چلاتا بے عزت کرتا وہ پھر بھی خاموش رہتی رات کی تاریکی میں میرے سو جانے کے بعد اماں ساری رات چاند کو دیکھتی روتی رہتی ابا کمرے سے وقفے وقفے بعد گونجتے قہقہے جیسے اسے مار رہے تھے اور اماں مر رہی تھی، لمحہ بہ لمحہ، ...راتے پل کے ساتھ اور میں تکیے میں دبکا اندر ... عورت سے نفرت محسوس کر رہا تھا بھلا مجھے کہاں آتی تھی نیند سے میری یاری تو اسی دن ختم ہو گئی تھی جب میں نے ابا کو دوسری عورت کے ساتھ دیکھا تھا۔" اس کی آنکھوں میں درد ... لیتا دیکھ کر اس نے بے اختیار اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا، وہ اسے مخاطب ہوا جیسے اپنے درد سے فرار چاہا ہو۔

"تم نے اپنی زندگی کو کیا پایا۔"

"زندگی تو میرے لئے سدا رقیب کے جیسی ہے میں نے جہاں پر بھی قدم بڑھانے چاہے اس نے وہیں پہ میرے لئے کانٹے بچھا دیے انہی کانٹوں سے الجھتے تڑپتے کب میرے پاؤں لہولہان ہوئے میں سمجھ ہی نہ سکی۔" وہ بولی ... کئی پھول ان دونوں پہ برسے۔

"... کسی پیڑ کی شاخ سے پھول ... تو سمجھ لیں جا......" وہ رکی اسے دیکھا مسکرائی، وہی کھوکھلی ... تھی اس کی ہمیشہ کی طرح۔

"یہ آپ کے درد میں برابر کے شریک ...۔" وہ اٹھی اور برگد کے پیڑ کے پیچھے غائب ہو گئی، وہ اس کی پشت کو دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

"کیسی ہیں آپ مس سونیناں۔" پروڈیوسر نے مسکراتے ہاتھ بڑھایا، جسے تھامتی وہ مسکرائی۔

"آئیم فائن آپ سنائیں۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں آپ آج کل فلموں کی دنیا میں چھائی ہوئی ہیں تو کیسا لگ رہا ہے۔"

"بہت اچھا میرا بچپن کا خواب پورا ہوا ہے میں بہت خوش ہوں دل اور دماغ پرسکون سے ہے۔" کہتی وہ مسکرائی وہی بناوٹی مسکراہٹ۔

"یہ تو ہے، میری فلم "نین کٹورے میں" میں آپ کو لینا چاہتا ہوں۔" اسے کہا اور وہ جانتی تھی کہ فلم نین کٹورے میں کیا کچھ ہے اسی لئے انکار کر گئی۔

"آئم سوری ابھی میں مصروف ہوں پھر کبھی۔"

"ہم کبیر الدین سے بات کر چکے ہیں اور انہوں نے ہاں بھی کر دی ہے ویسے بھی جو کچھ آپ آف اسکرین کرتی ہیں، وہی آن اسکرین کر لیں گی تو کیا ہو جائے گا۔" خباثت سے آنکھ ماری اسے لگا جیسے اس کے منہ پہ سیاہی بکھر گئی ہو، سیاہ گھور سیاہی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس کی تردید کی۔

"غلط فہمی کیسی سب کو پتہ ہے کہ کبیر الدین اور آپ کے درمیان کیا چل رہا ہے۔" اسے لگا جیسے آگ لگی ہو سیاہ اور سرخ آگ۔

دھڑ...... دھڑ...... دھڑ وہ جل کر خاکستر ہوتی گرنے لگی ہو کسی پروانے کی طرح اک ایسے پروانے کی طرح جو شمع کے عشق میں جل کر خاکستر ہو گیا ہو، بچانے والا جسے کوئی ہو ہر طرف صرف آگ ہی آگ اندھیرا ہی اندھیرا اور وہ بھی اس وقت خود کو اسی آگ، اور اندھیرے میں کھڑا محسوس کر رہی تھی جسے نکلنا اب شاید مشکل ہی نہیں ناممکن تھا، ایک ایسی آگ جو صرف جلاتی ہی نہیں تھی جھلسا جھلسا کر مارتی آگ۔

☆☆☆

20 سال بعد:۔

ایک تھکا دینے والے دن کے بعد آسمان پہ کالی سیاہ رات چھاتی اسے پرسکون کر گئی، صبح روشن آسمان پہ جہاں بادلوں نے اپنی راجدھانی بنائی تھی وہیں اب سیاہ تاریک آسمان پہ چمکتا چاند

فخر سے سر اٹھائے مسکرا رہا تھا، رات کی رانی کی خوشبو فضا میں پھیلی اک عجیب سے احساس جگانے لگی، ٹھنڈی ٹھنڈی چلتی ہوا اس کے بالوں سے انگلیاں کرتی جیسے اسے چھیڑ رہی تھی۔

''سنو کل رات میں نے تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔''

''اچھا۔'' محبت مسکرائی جیسے۔

''میں نے دیکھا تم کسی ملکہ کی طرح تخت پہ بیٹھی تھی محبت تمہاری داسی اور عشق جیسے [illegible] غلام بنا کھڑا تھا، بڑا جان لیوا انداز تھا اس کا۔''

''اور تم کہاں تھے۔'' دل تڑپا اس کے بغیر۔

''میں تو تمہارے سامنے ہی تھا مگر۔''

''مگر کیا؟'' یکدم پوچھا تھا۔

''تم مجھے نہیں دیکھ رہی تھی۔''

''وہ کیوں بھلا؟'' حیرت ہوئی اسے۔

''کیونکہ میں بادل کی صورت تم پہ سایہ کیے ہوئے تھا تاکہ تمہیں ہر دکھ درد سے بچا سکوں۔'' انداز میں محبت ہی محبت تھی۔

''پھر تو مجھے تمہیں دیکھنا چاہیے تھا۔'' اب کے وہ خود سے جیسے خفا ہوئی۔

''ہاں مگر میں تمہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا تمہارے چاروں طرف دیے ہی دیے تھے، ننھے ننھے دیے ٹمٹماتے دیے، ان کی لو تمہارے چہرے پہ پڑتی اور.....'' وہ رکا وہ تڑپی مزید جاننے کو۔

''اور چھوٹے چھوٹے جگنو تمہارے چاروں طرف اڑتے پھر رہے تھے، چاند جیسے تمہارے چہرے پہ اتر آیا محبت کھلکھلائی اور عشق جھوم جھوم کر جیسے دھمال ڈالنے لگا۔'' رات کی تاریکی میں فون کے دوسری طرف کہتا وہ ہمیشہ کی طرح اسے سحر زدہ کر گیا وہ مسکرائی جیسے اس کے سحر سے نکلنے کی اک کوشش کی ہو۔

''جب تم مسکراتی ہو تو ایسے لگتا ہے جیسے ہر طرف گھنگھرو سے بج اٹھے ہوں کہیں دور بہت دور کسی دیوانے نے بورشے بجایا ہو، ایک ایسے دیوانے نے جس نے محبت میں معراج پائی ہو۔''

''محبت کی معراج۔'' حیرت سے پوچھا۔

''ہاں محبت کی معراج، محبت کی معراج عشق ہے، جس نے عشق کو حاصل کر لیا ہو۔''

''اس کے بورشے کی آواز دل کے تار چھیڑتی جنگل کی فضا سے ٹکراتی مسکراتی ہو، یا پھر کوئی مورنی پاؤں میں پائل [illegible] گنگناتی جھوم جھوم جاتی ہو۔'' اسے دل کی دھڑ[illegible] محسوس [illegible]

[illegible]ح۔'' اسے پکارا وہ پوری جان کان لگاتی ہوں [illegible] رہ گئی تو وہ مسکرایا۔

''مجھے لگا جیسے تم نے کال کاٹ دی۔'' دل میں آیا کہہ دے مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ میں اقرام عابد کے لفظوں [illegible] سے نکل سکوں، چپ رہی تو وہ مزید بولا۔

''میری محبت کی انتہا تم برداشت [illegible] گی۔'' یقین سے کہا گیا تھا گھبرا کر جلدی سے [illegible] بند کرتی وہ دل پہ ہاتھ رکھے کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تبھی میسج ٹون ہوئی ان باکس کھولا ہنستا مسکراتا پیغام حاضر تھا۔

''اے نارنجی کرنوں میں ڈھلتے آسمان خدا حافظ۔'' میسج پڑھ کر وہ مسکرائی دل اور دماغ میں اک عجیب سا تلاطم برپا ہوا، وہ کھڑکی میں کھڑی دل کھول کر مسکرائی پھر چمکتے آسمان کو دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو، تم گواہ رہنا ہماری محبت کے۔

☆☆☆

صبح پر بہار کی کرنوں کے ساتھ چھا گئی دیر تک بے فکری سے سوتی رہی آفس سے چھٹی ہونے کی بناء پہ یہ دن اس کا بور ہی گزرتا اسی

[illegible]تی رہی ظاہر ہے اقرام عابد کا چہرہ جو آج [illegible]روں سے اوجھل تھا دن تو بور گزرنا ہی تھا نا۔

امبر کوئی تیسری بار آ کر اسے دیکھ گئی مگر وہ [illegible]ی کہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تو اسے بری طرح جھنجھوڑ دیا۔

''کیا..... کیا ہوا؟'' ہڑبڑا کے اٹھتی بولی۔

''بارہ ہو گئے بابو۔''

''کیا مطلب؟'' نا سمجھی سے اسے دیکھا جو اب اس کا بکھرا کمرہ سیٹ کر رہی تھی۔

''بارہ بج گئے ہیں اور تمہاری ہے کہ نیند ہی پوری نہیں ہوتی حد ہے یار۔'' بدتمیزی کی، جھنجھلا کر بولی۔

''بدتمیزی کیسی اب بندہ ایک دن بھی سکون سے نہیں سو سکتا۔'' غصے سے کہتے بستر سے اترتی [illegible] واش روم میں گھس گئی پیچھے سے وہ بس [illegible]ت پیس [illegible] گئی۔

''السلام علیکم اماں۔'' پانچ منٹ بعد کمرے سے نکلتی وہ باہر صحن میں چلی آئی جہاں پہ تخت پہ [illegible] جمیلہ ماسی اسے دیکھ کر جیسے کھل اٹھی تھی۔

''اٹھ گئی میری جان۔'' اسے [illegible] کر سینے سے لگایا امبر مصنوعی غصے سے بولی۔

''اماں یہ اٹھی نہیں بلکہ اٹھائی گئیں [illegible] محترمہ۔''

''اماں اسے کہیں مجھے تنگ نہ کرے اور کچھ کھانے کو دے سخت بھوک لگی ہے۔'' رعب سے کہتی وہ ان کی گود میں سر رکھ گئی، امبر کچن کی طرف بڑھتے بولی۔

''کہہ تو یوں رہی ہے جیسے پتہ نہیں کتنے دنوں سے نہ کھایا ہو۔''

''میں تو ہر وقت ہی کھاتی ہوں پتہ نہیں [illegible] جیلس کیوں ہوتے ہیں مجھ سے۔'' اماں کو [illegible] ماری وہ اس کی شرارت پہ مسکرا کر رہ گئیں۔

''یہ لو ٹھونسو۔'' غصے سے ٹرے سامنے رکھتی وہ اندر کی طرف بڑھ گئی جبکہ مسکراتی وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔

☆☆☆

''تمہیں دیکھا تو احساس ہوا زندہ ہیں ہم۔'' اگلے دن آنٹی پہنچی تو اقرار عابد بے ساختہ اس کو دیکھتے ہی بولا، دلکشی سے کہتا وہ اسے مسکرانے پہ مجبور کر گیا۔

''ارے واہ جناب ہم ایک دن کیا نہ آئے تم تو شاعر ہی بن گئے۔'' مسکرائی ہوئی اپنی کرسی پہ جا بیٹھی۔

''کہتے ہیں محبت انسان کو شاعر بنا دیتی ہے اسے بھی جسے شاعری کا الف بھی معلوم نہ ہو۔''

''اچھا تو جناب کو کس سے محبت ہوئی ہے۔''

''تم سے۔'' ترکی بہ ترکی کہا وہ نظریں جھکائے نچلا لب دانتوں تلے دباتی یکدم سرخ ہوئی حیاء کے نجانے کتنے ہی رنگ بکھرے تھے، اس ایک پل میں اس کے چہرے پہ نجانے کتنی ہی دیر وہ اسے دیکھے گیا۔

''سنو، کیوں نا آج ہم ساتھ لنچ کریں۔'' بڑی خوبصورتی سے کہا وہ مسکرائی۔

''اگر تم ایسے ہی آفر کرتے رہو گے تو میں [illegible] انکار کر سکتی ہوں۔'' شان بے نیازی سے بولی۔

''اور اگر تم ایسے ہی تمام عمر میری نظروں کے سامنے رہو تو میں ایسے ہی تمہیں آفر کرتا رہوں گا۔'' اقرار کیا۔

''تھک تو نہیں جاؤ گے۔'' اظہار چاہا۔

''ہماری محبت میں تھکن لفظ کی کوئی جگہ نہیں۔''

''اور اگر بن گئی تو۔'' اسے کریدا جو پر یقین

سا تھا۔

"اقرار عابد ایسا نہیں ہونے دے گا۔"

"اچھا۔" وہ مسکرائی۔

"تم ایسے ہی مسکراتی رہا کرو۔"

"کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"جب جب تم مسکراتی ہو مجھے زندگی کا احساس ہوتا ہے۔" اس کی بات پہ نجانے کتنی ہی دیر وہ اسے دیکھتی رہی بولی تو آواز سے خوف چھلک رہا تھا۔

"تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے؟"

"کبھی نہیں میری سانسیں تم میں ہیں اگر میں نے تمہیں چھوڑ دیا تو خود بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا۔" اظہار کیا، محبت مسکرائی اور وقت رک گیا حیرت سے اس کی محبت کو دیکھتا، چلنے سے انکاری ہوا۔

"کیا کوئی کسی سے اتنی محبت بھی کر سکتا ہے۔"

☆☆☆

"تم نے کبھی پریوں کو دیکھا ہے؟" وہ آج پھر برگد کے پار نہر کنارے ایک ساتھ بیٹھے اپنے اپنے دکھوں میں گم تھے ہمیشہ کی طرح، سونیناں چپ اور وہ کہہ رہا تھا۔

"معصوم سی چھوٹے چھوٹے پروں والی ایسی پریاں جن کے چہروں سے نور چھلکتا ہو جن کی روح کی پاکیزگی دیکھنے والے کو سحر زدہ سا کر دے جو مسکرائیں تو دن باتیں کرتا شام ہنستی اور رات خوشیاں بکھرتی محسوس ہو جن کا ایمان ایسا کامل ہو کہ فرشتے شرما جائیں ایسی پریاں جنہیں دیکھ کر دل کو سکون ملے، تارے حیرت سے انہیں دیکھیں اور وہ......" وہ ایک پل کو رکا اسے دیکھا پھر بولا تو انداز میں محبت ہی محبت کی سچی اور پاک محبت۔

"میں نے دیکھی ہے ایک ایسی پری اور وہ پری کوئی اور نہیں میری ماں تھی۔" لفظ تھی پہ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تو کیا اس کی ماں۔"

"وہ محبتوں کی مثال عشق کا روپ تھی شاید ہر ماں ہی ایسی ہو مگر مجھے میری ماں سے عشق تھا سچا پکا اور کھرا عشق۔"

"ایک رات مغرب کا وقت تھا میں اسکول سے گھر لوٹا تو سامنے صحن میں ابا اس عورت کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا خوش خوش، میں نے اپنی دس سالہ زندگی میں پہلی بار ابے کو اتنا خوش دیکھا تھا قہقہے لگاتے مسکراتے وہ شاید اس وقت خود کو جوان تصور کر رہے تھے میں نفرت کی نگاہ ان پہ ڈالتا اندر کمرے میں چلا گیا، اماں کہتی تھی نفرت کسی سے نہ کرنا نفرت بھرا دل انسان کو اندر ہی اندر مار دیتا ہے اور میں اماں سے پہلے نہیں مرنا چاہتا تھا آخر کون تھا اس کا میرے سوا اور میرا اس کے سوا، میں اندر داخل ہوا نیم اندھیرے کمرے میں دیئے کی لو لرزنے لگی وہ بیمار تھی بخار سے تپتی مچلتی وہ رو رہی تھی، میں پریشانی سے بھاگ کر تخت پہ بیٹھے ابے کی طرف بڑھا، ابا ابا اماں بیمار ہے۔ اس کا بازو پکڑا جسے انہوں نے جھٹک دیا۔

"وہ مر رہی ہے۔" میں دوسری طرف کھڑا ہوا، انہوں نے اک نفرت بھری نگاہ مجھ پر ڈالی،

"مرتی ہے تو مرے میں کیا کروں۔" بے زاری کی بے زاری تھی میں رو دیا۔

"ابا وہ مری تو میں مر جاؤں گا، ابا اسے بچا لو خدا کے لئے۔" میں ہاتھ جوڑے رونے لگا پھوٹ پھوٹ کر وہ اکتاہٹ سے اٹھتے اس عورت کے ساتھ کمرے میں بند ہو گئے میں تنہا کھڑا نجانے کتنی ہی دیر بند دروازے کو دیکھتا رہا

پھر بھاگ کر کمرے میں اماں کے پاس گیا، درد سے بلکتی نڈھال ہوتی اماں۔"

"ہائے میں مر گئی صدر مجھے بچا لئے۔" فریاد کناں سی، میں اس کا ہاتھ پکڑے تڑپ اٹھا۔

"اماں...... اماں تو کہتی ہے نا اللہ سب کی سنتا ہے ہر کسی کی مدد کرتا ہے وہ ہماری بھی مدد کرے گا تو چل میں تجھے ہسپتال لے چلتا ہوں۔" جلدی سے اسے سہارا دیا تھا۔

"پیسے۔" تڑپتی وہ صرف اتنا ہی بول سکی۔

"ہر کوئی ابے کی طرح بے حس نہیں ہوتا کوئی نہ کوئی ہماری مدد ضرور کرے گا۔" اسے آس دلائی اس وقت مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ ہر کوئی بے حس ہی ہوتا ہے ورنہ کوئی بے موت نہ مرے، رات کی تاریکی میں میں بیمار ماں کو سہارا دیے سڑک کنارے چلنے لگا پھر اسے ایک درخت سے ٹیک لگا کر بٹھاتے میں ہر گزرتے انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانے لگا، خدا کے لئے میری مدد کرو میری اماں بیمار ہے، وہ مر جائے گی ہم نے ہسپتال جانا ہے رحم کرو، ہاتھ پھیلاتے پیر پکڑتے ہاتھ جوڑتے میں پاگل سا ہو کر رہ گیا وقت گزرتا رہا لمحے سرکتے رہے، مگر کسی نے ہماری مدد نہ کی، کسی کو ہم پہ رحم نہیں آیا۔" اس کے آنسو اسے اپنے دل پہ گرتے محسوس ہوئے۔

"درخت کے ٹیک سے لگی اماں وہیں تڑپتی مچلتی رہی اور پھر اس نے مجھے پکارا۔"

"صدر۔"

میں قریب جا بیٹھا آنسو میرا گریبان بھگونے لگے، اپنے ابا کا ہمیشہ کہا یاد آیا کبھی بے حس نہ بننا کہ بے حسی انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے حیوان بنا دیتی ہے، میں نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھامے۔

"صدر! مجھے اپنی گود میں سلا دو پتر، میں سونا چاہتی ہوں۔" میں نے جلدی سے ان کا سر اپنی گود میں رکھا، ایک پل دو پل تین اور نجانے کتنے ہی پل وہ سکون سے پلکیں موندے میری گود میں سر رکھے سوتی رہیں میرے قطرہ قطرہ گرتے آنسو ان کے بالوں میں جذب ہونے لگے اور پھر وہ سو گئیں ہمیشہ کے لئے سڑک کے کنارے پریوں جیسے وجود کی مالک وہ پری روٹھ گئی، رخ پھیر گئی دنیا سے، بے حس لوگوں سے اور زندگی سے، وہ ایسے ناراض ہوئی کہ پھر مان کر نہ دی، میرے لاکھ رونے چیخنے چلانے پہ مڑ کر دیکھے بنا ہی وہ چلی گئی۔

ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں سے تر اس نے چہرہ اٹھایا پھر ہنسا، ہنستا چلا گیا نجانے کتنے ہی دیر وہ ہنستا رہا اور وہ اسے بے یقینی حیرت دکھ اور ہمدردی سے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"تم نے پروڈیوسر علی سے کیا کہا ہے۔" غصے سے چیخا، وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہوتی دیوار سے جا لگی۔

"کچھ...... کچھ نہیں۔" وہ ہکلائی۔

"دو ٹکے کی عورت سیاہ چاند، تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔" اس کے بال مٹھی میں جکڑے جھٹکا دیا وہ دور جا گری۔

"تم نے انہیں انکار ہی کیوں کیا جب کے میں پہلے ہی ان کی فلم کے لئے تمہیں سائن کر چکا تھا۔" اب وہ اسے مار رہا تھا تھپڑ، تھپڑ لاتیں گھونسے وہ کونے میں دبکی چپ چاپ اس کی مار سہتی رہی۔

"تو بھول گئی تو کون ہے؟ کس جگہ سے لایا تھا میں تجھے۔" ایک بار پھر سے اسے دھکا دیا وہ بیڈ کی سائیڈ سے جا ٹکرائی، خون کی ننھی بوند پیشانی پہ بکھرتی اسے کراہنے پر مجبور کر گئی۔

''اور تو بھول گیا کبیر الدین مجھے اس جگہ پہنچانے والا بھی تجھ جیسا مرد تھا۔'' بلکتی روتی فریاد کناں سی ہوئی، وہ ہنسا تمسخر اڑایا۔

''مرد نہیں تیرا وہ قدم تھا جو تم نے اٹھایا تھا لمحوں میں کیے فیصلوں کی سزا صدیوں بھگتنی پڑتی ہے۔'' وہ آگے ہوئی۔

''اور کتنی سزا دو گے مجھے اب بس کر دو کبیر الدین۔'' گڑگڑائی۔

''ابھی تو تیری سزا شروع ہوئی ہے میری جان، کل شام تیار رہنا ڈرائیور تجھے پروڈیوسر علی کے گھر چھوڑ آئے گا اس کی فلم سائن کرنے کے ساتھ ساتھ معاوضے کی بھی بات کر لینا، اس سے زیادہ میں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔'' کہہ کر مڑا وہ گرتی پڑتی اس کے پیر تھامے اسے روک گئی۔

''میں...... میں یہ نہیں کر سکتی۔'' خون کی دو ننھی بوندیں اب اس کے چہرے سے ہوتی گردن بھگونے لگی تھی، تڑپتی مچلتی وہ اپنی عزت کے لئے فریاد کرتی آج پانچویں بار مر گئی تھی، وجہ آج بھی وہی تھی۔

''تم سے بہتر تو یہ کوئی اور کر ہی نہیں سکتا اور ہاں میری فائل پہ سائن لینا مت بھولنا۔'' فائل ٹیبل پہ پھینکی مڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا، نجانے کتنی ہی دیر وہ ساکت سی بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

واقع بعض دفعہ لمحوں میں کیے گئے فیصلوں کی سزا صدیوں ملتی ہے یہاں تک کہ انسان مر جاتا ہے مگر اس کی سزا ختم نہیں ہوتی وہ بھی مر رہی تھی مگر سزا تھی کہ ختم ہی نہ ہوتی تھی اور پھر وہ جیسے کہتا گیا وہ تیار ہوئی اگلے دن شام کو ڈرائیور آ گیا تو وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھتی اندر ہی اندر مر گئی، وقت اور لمحے کتنی مشکل سے گزرتے ہیں اس وقت کوئی اسے پوچھتا، پہلے زمان پھر کبیر الدین اس کے بعد پروڈیوسر علی، اس کے علاوہ پتہ نہیں کون کون اسے برباد کرے گا وہ نہیں جانتی تھی پتہ تھا تو صرف اتنا کہ وہ پہلے سے بہت آگے نکل چکی تھی اتنی دور اتنی آگے کہ اب واپسی ناممکن سی تھی، بعض راستے بہت مشکل ہوتے ہیں اتنے کہ انہیں ناپتے انہیں کاٹتے انسان کا سارا وقت نکل جاتا ہے وہ اتنی دور نکل آتا ہے کہ واپسی کا راستہ دیکھائی نہیں دیتا، پھر وہ چاہے بھی تو واپسی ممکن نہیں ہوتی، پیروں میں آبلے پڑ جاتے ہیں، چھالے ہی چھالے، زخم ہی زخم، درد ہی درد، اس میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ واپسی کا سفر طے کر سکے، وہ نہ آگے کا ہوتا ہے اور نہ ہی پیچھے، سارے راستے بند اور منزل گم ہو جاتی ہے، ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، وہ لاکھ روئے چیخے چلائے پر منزل نظر نہیں آتی، ہاں سفر ختم ہو جاتا ہے وہ بھی ایسا ہی سفر کر رہی بہت دور نکل آئی تھی جہاں سے واپسی ناممکن تھی، اب وہ چاہ کر بھی واپس نہیں جا سکتی تھی، کبھی نہیں مر کر بھی نہیں۔

☆☆☆

''بس یہی مشکل ہے کہ بھول جانا انسان کے بس میں نہیں ہوتا، جو حادثہ ایک دفعہ گزر جائے وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے، بھولنے کی کوشش ہی اسے زندہ رکھتی ہے، انسان ظالم کو معاف کر سکتا ہے لیکن اس کے ظلم کو نہیں، بھول جانا انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا، پتہ نہیں یہ بات کس نے کہی ہے مجھے تو سچ ہی لگتی ہے تم جانتی ہو۔'' وہ ایک پل کو رکا۔

''مجھے وہ رات بھول کر ہی نہیں بھولتی، اماں کی تڑپ درد، مجھے بھولتا ہی نہیں اک یاد بن کے بار بار میری نظروں کے سامنے سے گزرتا مجھے مار جاتا ہے۔'' وہ دکھ سے بولتا اسے بے چین کر گیا وہ چاہ کر بھی اسے تسلی نہ دے سکی لفظ ہی نہیں ملتے تھے تسلی کے لئے پھر کیا کہتی، بس اسے سنتی رہتی لفظ ساتھ ہی نہ دیتے، تو کیا کہتی۔

''اور سب سے بڑھ کر ابے کی بے رخی، میں آج بھی یہ سوچ کر ساکت رہ جاتا ہوں کہ ابا اتنے بے حس کیوں ہو گئے مگر تم جانتی ہو انہیں وہ عورت لے ڈوبی ایسا لے ڈوبی کہ وہ چاہ کر بھی تیر نہ سکے۔'' وہ ہنسا پھر اس کی طرف مڑتا بولا۔

''تم نے کبھی ٹوٹتے تارے کو دیکھا ہے، مجھے تو اپنا آپ اک ٹوٹے تارے جیسا لگتا ہے وہ تارا زندگی کے لئے جو پل پل تڑپا جو اور موت سے بچنے کی آس کرتا مرا ہو۔'' وہ بولی۔

نارنجی بیلوں کے پھول اس پہ گرتے جیسے اس کے دکھ میں شریک ہوئے۔

بعض دفعہ انسان ایسے ہی بے بس اور اداس ہو جاتا ہے جیسے اس وقت وہ خود کو محسوس کر رہی تھی۔

''ٹوٹا تارا بھی کس قدر خوش قسمت ہوتا ہے، ٹوٹتے وقت اسے دیکھ کر نجانے کتنے ہی ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں اسے معتبر کر جاتے ہیں۔'' وہ بولا۔

''وہ ٹوٹی پھوٹی ہنسی لبوں پہ سجائے، اس وقت معتبر ہونے کا کیا فائدہ جب زندگی کا دامن ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے، معتبر تو بندہ ہوتا ہی اس وقت ہے جب زندگی روٹھ جاتی ہے کسی محبوبہ کی طرح جو لاکھ مناؤ مانتی ہی نہیں ایسی مڑ کر جاتی ہے کہ واپس آتی ہی نہیں۔'' وہ بولا، اس نے انتہائی دکھ سے کہا۔

''مجھے اپنا آپ اک مردے کے جیسے محسوس ہوتا ہے، ایک ایسا مردہ جس کے پاس کفن تک نہ ہو نہ دو گز زمین کا ٹکڑا۔''

''ایسا کیوں؟'' اسے حیرت ہوئی جیسے اس کا دکھ درد جان کر وہ مسکرائی۔

کیا کچھ نہ تھا اس مسکراہٹ میں، دکھ، درد، ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں۔

☆☆☆

سنو لوگو!
میری آنکھیں خریدو گے
مجھے اپنے خوابوں کا تاوان بھرنا ہے
اک خواب ایسا جو جاگتی آنکھوں سے تھا دیکھا
بہت ہی چاؤ اور ارمانوں سے
مگر دیکھئے اس خواب کی تعبیر الٹی ہے
نہیں شکوہ کسی سے
اپنی ہی تقدیر الٹی ہے
جواب تک ہو چکا ہے مجھے وہ نقصان بھرنا ہے
اب بیچ کر آنکھیں اپنی
تاوان خواب کا بھرنا ہے
سنو لوگو! میری آنکھیں خریدو گے!

برتن دھو کر وہ کمرے میں چلی آئی، بے دلی سے دوپٹہ بیڈ پہ پھینکتی اس نے امبر پہ نگاہ ڈالی جو بے سدھ پڑی سو رہی تھی پھر کھڑکی میں چلی آئی اسے کھڑکی سے جھانکتے چاند کو دیکھنا ہمیشہ سے ہی پسند تھا چاروں طرف روشنی بکھرتا معصوم سا چاند، لبوں پہ مسکراہٹ سجائے وہ چمکتے چاند کی طرف متوجہ تھی جب موبائل پہ بپ ہوئی، اقرام عابد کا نام دیکھتی مسکرائی۔

''ہیلو اقرام کیسے ہو؟'' دل سے مسکرائی۔

''تمہاری آواز سنی تو سمجھو جسم میں جان سی پڑ گئی ہے۔''

''کیوں کیا پہلے نکلی ہوئی تھی۔'' وہ شرارتی ہوئی۔

''مجھے لگتا ہے تم مجھے مار کر ہی دم لو گی۔'' بے قراری سے کہا۔

''اللہ نہ کرے۔'' وہ تڑپی۔

''کیا کر رہے ہو؟''

''تم سے بات۔'' جواب آیا وہ مسکرائی دل سے سچی اور پاک مسکراہٹ تھی اس کی۔

''اور تم؟''

''میں چمکتے چاند کو دیکھ رہی تھی، سچ چودھویں کا مکمل چاند روشنیاں بکھرتا مجھے بہت اچھا لگتا ہے دل سے قریب تر محسوس کرتی ہوں میں اسے۔''

''اور مجھے؟'' بے اختیار کہا، اسے اپنی دھڑکن کانوں میں دھڑکتی محسوس ہوئی۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہیں چمکتے چاند میں کیا نظر آتا ہے۔'' اس کی خاموشی محسوس کرتا وہ دلکشی سے بولا۔

''ایک چہرہ۔'' پہلی بار اقرار ہوا۔

''کس کا چہرہ؟'' بے قراری سے پوچھا، وہ خمار آلود لہجے میں بولی۔

''اس کا جس نے مجھے جینا سکھایا، مجھے زندگی کا زندگی سے جڑی خوشیوں کا احساس دلایا۔''

''اور......'' وہ رکی، وہ بے تابی سے بولا۔

''اور......''

''اور جس نے مجھے یہ احساس دلایا کہ میں خوبصورت ہوں۔''

''کون ہے وہ؟'' وہ نام سننے کو بے تاب ہوا، فرح محظوظ ہوئی اس کی بے تابی دیکھ کر۔

''کوئی اقرام عابد ہے شاید۔''

''شاید کیوں یقیناً کیوں نہیں۔'' انداز لڑنے والا تھا، وہ شرارتی ہوئی مسکرائی۔

''وہ اس لئے کہ وہ میری زندگی بن گیا ہے اور زندگی کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہوتا نہ کب ساتھ چھوڑ جائے، منہ موڑ لے، تنہا چھوڑ دے۔'' وہ اک ادا سے مسکرائی۔

''زندگی نہیں فرح میں تمہاری روح بننا چاہتا ہوں۔''

''روح وہ کیوں؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''تاکہ جب تم سے جدا ہوں تو میری جان ہی نکل جائے۔'' دل فریبی سے کہتا وہ اسے دیوانہ لگا، ایسا دیوانہ جس کے چہرے پہ محبوبہ کا عکس چھلکتا ہو۔

''پیار میں مرنے یا مارنے کی باتیں نہیں ہوتیں۔''

''اچھا تو کیا باتیں ہوتی ہیں۔'' بے ہوشی سے بھرپور انداز تھا اس کا۔

''ساتھ جینے کی، اچھے مستقبل اور خوبصورت زندگی کی۔'' وہ رکی۔

''اور......'' اسے کریدا جیسے۔

''اور پیارے پیارے بچوں کی۔'' شرما کر کہتی یکدم فون بند کر گئی نظروں میں حیاء ہی حیاء تھی۔

وہ شام اپنے وجود میں ان گنت روشنیاں لئے اتری تھی، کبھی کبھی بڑھتی تاریکی میں یوں گماں ہوتا ہے جیسے کسی نے شہر تاریک کے احاطے میں دیئے جلا رکھے ہوں، ننھے ننھے سے کے دیئے جن کی لوٹمٹماتی رنگ بدلتی ہو، کبھی سرخ ہوتی اور کبھی نارنجی رنگ میں ڈھلتی۔

☆☆☆

وہ بڑے لٹے پٹے انداز میں چل رہی تھی، تنہا، اکیلی، پروڈیوسر علی کے گھر سے پیدل ہی وہ نکل آئی لٹی پٹی سی، بالکل ویسے جیسے کوئی بھٹکا ہوا مسافر، چلتی چلتی وہ سڑک کنارے پڑے بینچ پہ ڈھے سی گئی، دماغ اور دل آج بھی سن سے تھے۔

''تم نے کبھی کسی شام کو نارنجی رنگ میں ڈھلتے دیکھا ہے۔'' سوال ہوا بینچ پہ پہلے سے موجود سیاہ فام لڑکی بڑبڑائی تھی جیسے۔

وہ جو بھی تھی اس کی آواز بہت خوبصورت تھی، میٹھی شہد جیسی، اس نے رخ پھیر لیا، وہ دوبارہ گویا ہوئی۔

''میں نے دیکھا ہے، جب کوئی مسافر راہ سے بھٹک کر دوبارہ راست پہ آتا ہے تب شام نارنجی رنگ میں ڈھل جاتی ہے۔'' وہ چپ چاپ اسے سنے گئی۔

''ہوتا ہے نا کوئی ایسا جو آپ کو سحر زدہ سا کر دیتا ہے۔'' اس نے بھی اسے سحر زدہ سا کر دیا تھا۔

''تم سب حضرت آدم اور بی بی حوا کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں، کسی عربی کو عجمی پہ اور کسی عجمی کو عرب پہ کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، برتری اگر ہے تو صرف تقویٰ کو، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، ہم اسی کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور اسی سے مدد و مغفرت چاہتے ہیں اور اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں اور اسی کے دامن میں ہم اپنے نفس کی برائیوں اور خرابیوں برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔''

اس کی پرنم آواز اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی، آنسو قطرہ قطرہ گرتے اس کے رخسار بھگونے لگے، نظریں جھکائے وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی، وہ خالی ہاتھ جنہوں نے سب پہ چھا جانے کی خاطر سب کچھ گنوا کر بھی کھو دیا تھا۔

''اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔'' تو کیا وہ گمراہوں میں تھی، جسے چاہ کر بھی ہدایت نہ ملنی تھی، وہ صرف سوچ کر رہ گئی دل و دماغ [illegible] سیاہ فام لڑکی کے لفظوں میں جکڑا سا محسوس ہوا [illegible] یکدم بے قابو ہوئے اسے اپنا آپ بھی ان آنسوؤں میں بہتا ہوا محسوس ہوا، رات کی تاریکی میں وہ سڑک پہ تنہا بیٹھی سود و زیاں کر رہی تھی، اسے یوں محسوس ہوا جیسے ہر چیز اس کے دکھ پہ رو رہی ہو، درخت، پتے، ہوا، بادل، چاند، آسمان، سڑک، آخر کیا رشتہ تھا ان سب کا اس سے؟

اس نے حیرت سے سڑک کے کنارے لگے درختوں کو دیکھا، آخر کیوں رو رہے تھے وہ؟ حیرت سے اس نے آسمان کی سمت نگاہ کی، اسے لگا جیسے وہ رو رہا ہو، آخر کیوں کیا رشتہ تھا ان کا سونیناں سے؟ کیا ان کے خواب بھی ویسے ٹوٹے تھے جیسے اس کے؟ کیا وہ بھی اس کی طرح تھے، تہی دست، تہی داماں اور خالی ہاتھ، روتے کرلاتے تڑپتے زمین حیران ہوئی آسمان ساکت ہوا بے جان۔

☆☆☆

محبت لیتی ہی لیتی ہے اور لیتے چلی جاتی ہے، جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اسے نگل لیتی ہے، اپنے جسم کا حصہ بنا لیتا ہے اس وقت وہ اس چیز کے بارے میں نہیں سوچتا جو اسے خوش کرتی ہے بلکہ اس چیز کے بارے میں سوچتا ہے جو اس کے محبوب کو خوش کرتی ہے، وہ اس کے اور اس کی ذات کے درمیان اس کے اور خدا کے درمیان کھڑی ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ) محبت ایک نگل جانے والی چیز ہے۔

''سیدہ ضوباریہ'' کی کہانی محبت آہ کی صورت کے الفاظ [illegible] کر وہ ڈائجسٹ سائیڈ پہ رکھتی فرح سے مخاطب ہوئی جو اس کے پاس صحن میں رکھے پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھی۔

''فرح!''

''ہوں۔'' مصروف سے انداز میں ہنکارا بھرا۔

''کچھ رائٹرز کیسے کمال لکھتے ہیں نا! ان کے قلم سے نکلا ایک ایک لفظ اپنے آپ میں جیسے شہکار ہوتا ہے، رات رات بھر بیٹھ کر ناول یا پھر

افسانہ لکھنا بھلا کہاں آسان ہوتا ہوگا۔" کہہ کر اس نے اسے تائیدی نظروں سے دیکھا۔

"مگر پھر بھی وہ لکھتے ہی لکھتے چلے جاتے ہیں اپنے اندر موجود روتی کرلاتی، بین کرتی رائٹر کے سکون کے لئے۔"

"ہاں امبر، ہوتے ہیں کچھ خواب ایسے جو انسان کے اندر ہر وقت بین کرتے روتے اور کرلاتے ہیں اپنی تعبیر پانے کے لئے مچلتے اور مچلتے چلے جاتے ہیں پھر ہمیں سوائے ان کی تعبیر کے کچھ دیکھائی نہیں دیتا، پھر چاہے جو کچھ کرنا پڑے ہم ان کی تعبیر پانے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔" کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی تھی تبھی دروازے پہ ہوتی دستک نے دونوں کو چونکا دیا۔

"اماں آ گئی۔" امبر جلدی سے اٹھ کر دروازے کی سمت بھاگی فرح اندر پانی لینے بڑھ گئی۔

"ارے غضب خدا کا حد ہے مہنگائی آسمانوں سے باتیں کر رہی ہے جس چیز کو ہاتھ لگاؤ وہ دو قدم آگے بڑھ جاتی ہے۔" غصے سے بڑبڑاتی وہ راشن سے بھرے شاپروں کے ساتھ تخت پہ جا بیٹھی۔

"یہ لو اماں پانی پی لو۔" جلدی سے گلاس بڑھایا جسے وہ تھمائی ایک ہی گھونٹ میں خالی کر گئی۔

"کیا کیا خریدا۔" جلدی سے شاپروں کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے دیکھتی وہ مسکرائیں۔

"تیرے لئے بھی کچھ ہی ہے۔"

"کیا؟" ہاتھ روکے بے تابی سے بولی۔

"یہ دیکھ یہ میرون کلر کا سوٹ لان کا۔" خوشی خوشی ہاتھ بڑھایا وہ ان کے ہاتھوں میں پکڑے سوٹ کو نفرت سے دیکھتی اٹھ گئی۔

"ارے واہ اماں یہ تو بہت پیارا ہے لائیں میں فرح کو دے آتی ہوں۔" بجھا بجھا چہرہ لئے اماں سے امبر نے جلدی سے سوٹ پکڑا اور کمرے میں بند فرح کے سر پہنچ گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے فرح، اماں اتنے پیار سے تمہارے لئے سوٹ لائی تھیں جسے تم نے دیکھنا تک گوارہ نہیں کیا۔"

"اس میں بدتمیزی کہاں سے آ گئی۔" غصے سے کہا وہ بے یقینی سے اسے نجانے کتنی ہی دیر دیکھتی رہی۔

"تمہیں خبر ہے کہ اماں نے ماں نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیں اتنی عزت اور پیار دیا جیسے اماں ہم سے کرلی... اماں کی میں آج تک نہیں بھولی اور پھر ان کی موت۔" اس نے آہ بھری آنکھوں میں بے اختیار ڈھیر سارے آنسو اتر آئے۔

"اماں ایک ایسی عورت جس نے اپنی پوری زندگی ہم پہ لٹا دی اور ہم نے بدلے میں انہیں کیا دیا کبھی سوچا ہے تم نے۔" دکھ سے کہتی وہ باہر چلی گئی اور چپ بیٹھی وہ چاہ کر بھی کہہ نہ سکی۔

"وہی خون سے رنگی لال روٹی بھولی تو میں بھی نہیں تھی۔" اور ایسی روٹی نہ اب وہ خود کھانا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنی آئندہ آنے والی زندگی میں اپنے بچوں کو کھلانا چاہتی تھی، اب اسے اقرام عابد کی بات مان لینا چاہیے تھی، کچھ سوچ کر یکدم سے مطمئن ہو گئی یہ مشکل ضرور تھا پر ناممکن نہیں۔

"کیا ہوا؟" پریشانی سے فرح کو آنر کے آفس جاتے دیکھ کر اقرام عابد نے اپنے کولیگ سے پوچھا۔

"وہ مس فرح سے سرمد خان والی فائل گم ہو گئی ہے سر بہت غصے میں ان پہ چلا رہے تھے۔"

اور وہ کچھ سوچ کر مسکراتا اگلے ہی پل وہ آفس میں داخل ہوا۔

"مے آئی کم ان سر!" اجازت چاہی جو دے دی گئی، کونے میں کھڑی فرح نے اس کے ہاتھوں میں موجود فائل دیکھ کر جیسے سکھ کا سانس لیا۔

"آئم سو سوری سر وہ کل مس فرح کے روم میں میں اپنی فائل کے لینے گیا تھا غلطی سے ان کی فائل بھی لے گیا جو کہ اب جا کر میں نے دیکھی ہے، یہ رہی فائل میں نے دیکھ لی ہے بس آپ سائن کر دیں۔" مسکراتے ہوئے کونے میں کھڑی فرح کو دیکھا جو تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے یہ مس فرح، آپ ہمارے آفس کی بہت اچھی ورکر ہیں اسی لئے اس بار معاف کیا مگر اگلی بار ایسا نہ ہونے پائے۔" سر نے سختی سے کہا۔

"جی بہتر۔" وہ کہتی باہر نکل آئی۔

"تھینک یو سو مچ اقرام، تم نے مجھے بچا لیا۔" کچھ خوف سے کہا، اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتا وہ زیر لب مسکرایا۔

"اٹس او کے، محبت میں سوری یا پھر تھینک یو نہیں ہوتا۔"

"اچھا۔" وہ مسکرائی، اس نے جھٹ ہاتھ بڑھایا جسے دیکھ کر وہ ساکت ہوئی۔

"چلو آج وعدہ کرتے ہیں زندگی میں جو اگر مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہوئی تو تم مجھے نہیں چھوڑو گی اور اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔" مسکراتے ہوئے کہا وہ گھبرائی اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"چھوڑ تو میں تمہیں کبھی نہیں سکتی اور تمہارا پتہ نہیں۔" ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا جسے دباتا وہ اس پہ جھکا۔

"اگر میں چھوڑ بھی دوں تو کیا کرو گی تم۔"

اس نے پوچھا جو نجانے کتنی ہی دیر بے جان نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی تو وہ بمشکل ہی سن سکا۔

"تو اس وقت تم سمجھ لینا فرح مر گئی۔"

"کیسی عجیب لڑکی ہو تم کبھی کہتی ہو محبت میں مرنے مارنے کی باتیں نہیں ہوتیں اور کبھی خود ہی مرنے کی باتیں کرتی ہو۔" نظریں چرا کر بات بدلی جسے محسوس کرتی وہ بولی۔

"لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں جسے چاہیں تو ٹوٹ کر چاہتی ہیں اور جسے نفرت کرنے پہ آئیں تو اسے توڑ دیتی ہیں۔" عجیب سے انداز میں کہا وہ گہری سانس بھرتا مسکرایا۔

"کیوں نا بریک میں مارکیٹ چلیں۔"

"کیوں؟"

"کیوں کیا مطلب آج میرا دل کر رہا ہے اپنی جیب خالی کرنے کا۔"

"سوچ لو یہ نہ ہو کے میں تمہیں کنگال ہی کر دوں۔" شرارت سے مسکرائی وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

"کر لو ابھی وقت ہے بعد میں میں سب حساب بے باق کر دوں گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ سمجھی نہیں شاید یہ ہی غلطی تھی اس کی۔

"کچھ نہیں، چلو بریک میں ملتے ہیں۔" کہہ کر وہ اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا جبکہ وہ نا سمجھی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

پھر بریک کے ٹائم وہ اس کے ساتھ مارکیٹ چلی آئی، بڑے سے مال میں داخل ہوتے کچھ پل کے لئے اس کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں، اعلیٰ سے اعلیٰ برانڈ کے خوبصورت کپڑے، جیولری، پرس اور بھی نجانے کیا کیا اس نے اسے دلایا تھا جتنی دونوں کی تنخواہ تھی وہ جانتی

تھی کہ اتنی میں وہ یہاں پہ کبھی شاپنگ نہیں کر سکتے تھے پتہ نہیں کب کی سیونگ جمع کرکے وہ اسے اتنی بڑی شاپ پے لایا تھا وہ سمجھ نہ پائی، اسے پوچھا بھی تو وہ بولا۔

''تم جانتی ہو ماں باپ ہیں نہیں میرے ایک خالہ تھیں وہ بھی پچھلے سال انتقال کر گئیں تو جو کماتا ہوں تمہارے لئے ہے آخر کو تم محبت ہو میری۔'' اور وہ شرما کر رہ گئی، اسے یہ سب کچھ اک خواب جیسا لگتا رہا تھا، اتنے بڑے ہال میں شاپنگ کرنا وہ بھی اس جیسی کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا، اک دیوانے کا خواب تھا جو پورا ہوا تھا۔

''تو کیسا لگا۔'' ڈھیر ساری شاپنگ کے بعد وہ اسے سی وی یو لایا تھا مارے خوشی کے اس کی حالت غیر سی ہونے لگی۔

''بہت اچھا، سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کہوں۔''

''صرف اتنا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' اقرار چاہا، کنفیوژ ہوتی نظریں چرائیں۔

''یہ کوئی کہنے کی بات ہے جذبے تو نظریں ہی بیان کر دیتی ہیں۔''

''اچھا تو یہ بتاؤ میری نظریں کیا کہتی ہیں۔'' ٹیبل پہ جھکتے پوچھا، وہ اس کی محبت کی شدت دیکھتی ساکت رہ گئی۔

''پیغام دیتی ہیں۔''

''کون سے پیغام؟'' مزید جاننا چاہا اسے اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

''محبتوں کے پیغام، خوشیوں اور مسرتوں کے پیغام اور زندگی کی خوبصورتی بتاتی ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ ہنسا، راج ہنسا تھا وہ، وہ نجانے کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

''وقت گزرتا رہا لمحے سرکنے لگے، ابا گھر کا خرچہ بھلا کہاں اٹھا سکتا تھا وہ تو اماں لوگوں کے کپڑے سلائی کرکے بچوں کو ٹیوشن پڑھا پڑھا کر گھر کا خرچہ چلاتی تھی اور ابا نکما بیٹھا روٹیاں توڑتا اس عورت جس کا نام جہاں آرا تھا اسے اماں کے پیسوں سے عیش کرواتا تھا اب اماں تھی نہیں اور اسے نکما رہنے کی عادت ہو گئی تھی اور عادت جیسی بھی ہو انسان کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔'' وہ ایک پل کو رکا نارنجی بیلوں کے پھول دیکھتا پھر گویا ہوا، جیسے کسی یاد میں کھویا ہو۔

''جہاں آرا کو صرف آرام اور عیش عزیز تھے صرف عیش، وہ عیش جو اماں کے نصیب میں نہیں تھے میں آج بھی اماں کے نصیب پہ حیران ہوتا ہوں پتہ نہیں کیسا نصیب تھا ان کا، ہر ہر چیز کے لئے تمام عمر گزار دی پھر بھی وہ صابر شاکر تھیں، پتہ ہے جیسے ہی رات کی سیاہی پورے آسمان کو تاریک کرتی وہ کہتیں، ہاتھ اٹھائے اپنے پروردگار سے، آنکھوں میں اشک ہی اشک لئے اے اللہ تو نے دنیا میں بہت عیش دیے اتنا خوبصورت دن بنایا پھر حسین رات دی وہ رات جس میں ہم سو کر اپنے دکھ درد کو تکیے تلے رکھ لیتے ہیں تب ہمارے چہروں پہ سکون ہی سکون ہوتا ہے، ویسے ہی میرے پاک پروردگار میری آخرت کو بھی حسین بنا دے آمین، اور میں ساکت سا ان کی دعا سنتا، بھلا کہاں انہیں عیش ملے تھے اور کب وہ رات کو سکون سے سوئیں تھیں، دن بھر گھر کو سنبھالنے مشین چلاتے اور بچوں کو پڑھاتے گزرتا تھا اور رات۔'' وہ ایک پل کو رکا سختی سے آنکھیں بند کیے جیسے کسی ظلم یاد سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔

''ابا کی مار اور طعنے سہتے، پھر بھی وہ راضی تھیں خدایا کیسی صابر اور شاکر عورت تھیں۔

ابا اب جہاں آرا کے خرچے برداشت نہیں کر سکتا تھا روز بروز گھر میں لڑائی رہنے لگی میں

...نے میں دبکا ابا کو جہاں آرا کے ہاتھوں ذلیل ...تے جب جب دیکھتا مجھے اماں یاد آ جاتی، وہ ...تے ہیں نا یہ دنیا اک کھیتی ہے یہاں جو بوؤ گے ...ی کاٹو گے، شاید ابا بھی اپنے کیے کی سزا پا رہے ...ے، ایسی سزا جو صرف دنیا میں ہی نہیں آخرت ...ں بھی ان کا مقدر بنتی اور پھر جہاں آرا نے ابے ...سے طلاق لے لی اور مجھے اپنے ساتھ لئے وہاں ...ی آئی جہاں کا تصور بھی میرے دل و دماغ میں ...یں تھا، چھوٹی چھوٹی گلیوں سے گزر کر سامنے ...انے زمانے کی بنی حویلی جس کی پیشانی پہ نصب ...ے سے پتھر پہ لکھے وہ دو لفظ اس کے اندر کا ...ل بیان کرتے تھے، عیش کدہ، جہاں آرا کی ...ئے پناہ، وہ مجھے بیٹا بنا کر نہیں بلکہ اک نوکر ...ئے وہاں لے آئی تھیں اور میں راضی تھا جانتی ...یہاں... کہتے نظریں اٹھائے اسے دیکھا ...ی رنگت ... میں چمکتا لونگ ہیر کاٹ بال ...ر رنگ آنکھیں اور تھوڑی پہ سجا تل، وہ نجانے ...نی ہی دیر اسے دیکھتا گیا جیسے سب کچھ بھول گیا ...وہ بھی جو کہنا چاہتا تھا اور وہ بھی جو اسے یاد تھا، ...خوبصورت تھی بہت یہی نہیں بہت سے بھی ...وہ، آج نجانے کتنے دن ہو گئے ... ملے ...اس تمام عرصے میں پہلی بار صدر نے ... ...ے دیکھا تھا اور ساکت رہ گیا۔''

نارنجی بیلوں کی خوبصورتی، نہر کے پانی کی ...ڈک، کوئل کی سریلی آواز سب کچھ جیسے بہت ...ے رہ گیا خبر تھی تو اتنی ... تو صرف یہ، کہ وہ ...ی تھی کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی پاگل ہو سکتا تھا، ...ئی بھی ذی روح انسان اپنے حواس گنوا سکتا ...، کیا واقعہ وہ اتنی خوبصورت تھی، ہوا کے ... ...، وہ چاہ کر بھی اسے جواب نہیں دے سکا یوں ...جیسے زبان گونگی ہو گئی ہو، لفظوں نے ساتھ چھوڑ ...ا ہو، تبھی اس کی آواز ابھری اس کے ساکت وجود میں جیسے جان سی پڑی۔

''کیوں؟'' وہ اسے پوچھ رہی تھی وہ بھول گیا وہ کیا کہنے والا تھا، اب کچھ تو کہنا ہی تھا بے وجہ ہی اس کا دل چاہا وہ بولے اور وہ اسے سنتا چلا جائے، وقت تھم سا جائے، لمحے گزرنے سے انکار کر دیں اور وہ اسے سنتا رہے سنتا رہے بس، سنتا ہی رہے۔

''میں نے سنا ہے تم جادو بکھرتی ہو اپنی آواز سے، تمہاری آواز نجانے کتنوں کے ہی درد جگا دیتی ہے کیا تم مجھ جیسے عام سے انسان کے لئے کچھ کہو گی۔'' کیا کچھ نہیں تھا اس کی آواز میں، منت، فریاد، آس، امید اور وہ بے حس نہیں تھی جو سمجھ نہ پاتی۔

نارنجی رنگ کے نجانے کتنے ہی پھول اس کے قدموں میں آ گرے تھے جنہیں جھک کر اٹھاتی وہ نارنجی ہو رہی تھی اس کی نارنجی آواز ہر طرف بکھرنے لگی رنگ بکھرتی درد بانٹتی، نارنجی آواز۔

میرے چمن کی خوشبو مجھ کو لوٹا دو
چلی گئی ہے جو آبرو مجھ کو لوٹا دو
میرا چاند میرے تارے ان کھلے پھول سارے
وہ کلیاں وہ تتلیاں وہ میرے جگنو لوٹا دو
چنی تھیں جو خواہشیں بوئے تھے جو خواب سارے
وہ ہر خواب اور ہر آرزو لوٹا دو
میری چھن گئی ہے جو آبرو وہ مجھ کو لوٹا دو
میرے تن کی پاکیزہ جو مہک تھی
وہ لٹ گئی مہک وہ مہک مجھ کو لوٹا دو
میری جو چھن گئی ہے
وہ آبرو مجھ کو لوٹا دو

کیا کچھ نہیں تھا اس کی آواز میں، دکھ، درد، اک تمنا لاحاصل سی، اور سب کچھ پا کر کھو دینے کی اذیت، تہی داماں تہی دست ہو جانے کا

ارمان اور ان سب دکھوں نے مل کر اسے رنگ دیا تھا، دکھوں کا رنگ نارنجی رنگ، پھر مڑ کر ان جمع کیے پھولوں کو نہر کے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا، نہر کا سفید پانی رنگ بدلتا نارنجی ہوا، اب ہر طرف ایک ہی ایک رنگ تھا، نارنجی رنگ۔

☆☆☆

''سنو ادھر آؤ۔'' وہ آئینے کے سامنے بیٹھی کولڈ کریم سے مساج کر رہی تھی جب کبیر الدین کی آواز ابھری، وہ اٹھی بے جان قدموں سے چلتی اس کے بالکل سامنے جا بیٹھی۔

''تم نے تو پروڈیوسر علی کی فلم میں کمال کر دیا سچ کیا پرفارمنس تھی۔'' اس کا ہاتھ پکڑا وہ چپ رہی۔

''اب وہی پرفارمنس میرے ساتھ بھی کر لو۔'' التجا کی گناہوں میں بھری التجا، اسے کھینچا وہ اس کے اوپر آ گری۔

''ایسی ہی ایک اور فلم سائن کی ہے میں نے تمہارے لئے وہ بس اس سے ذرہ سی بولڈ ہے۔'' وہ کہتا خباثت سے آنکھ مار گیا اس کا ہاتھ اب اس کے رخسار پہ سے ہوتا ہوا اس کے لبوں تک آیا۔

''پلیز اور نہیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا وہ ایک جھٹکے سے دور ہوتی گڑگڑائی۔

''دیکھو سونیناں مجھے تمہارا یہ ناٹک ہمیشہ غصہ دلا دیتا ہے، اگر تم اتنی ہی پاکیزہ تھی تو کیوں آئی تھی کیوں وہ قدم اٹھایا تم نے بولو۔'' غصے سے چیخا وہ روئی، روتی ہی چلی گئی نفرت بھری نگاہ اس پہ ڈالتے اس نے اسے خود سے قریب کر لیا اس کی سسکیاں آنسو منتیں ترلے کچھ بھی ااس پہ اثر نہیں ہوا اور وہ لٹتی چلی گئی، چاہ کر بھی خود کو بچا نہ سکی، ہار گئی مر گئی ہر بار کی طرح۔

وال تو وال بچھا اٹالین کارپٹ، وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں جا بجا بچھے ایرانی سینٹر کارپٹ، کھڑکیوں پر جھولتے نرم و ملائم پردے، سلک کے قیمتی صوفے اور دیوان جا بجا سجے کرسٹل کے گلدان، چھت پہ جگمگاتے حسین ایمپورٹڈ کرسٹل کے فانوس، گلاس وال سے نظر آتا وسیع، عریض سرسبز لان اور لان میں بہتا جھرنا، یہ تھا سونیناں خان کا ڈرائنگ روم، جو جو خواب دیکھا وہ پورا ہوا تھا، لیکن پھر بھی کچھ تھا جو مکمل ہو کر بھی اسے مکمل نہیں ہونے دیتا تھا اور وہ تھا احساس گناہ، احساس ندامت، جو اسے کانٹا چبھو کے لگا، بے بس کر دیتا تھا، زندگی کی شاہراہ پہ کچھ زخم بھر جاتے ہیں لیکن یونہی آہیں، دھواں بن کر آسمان کی وسعتوں کو چھو لیتی ہیں اور کبھی کچھ ایسے آتے ہیں جو زندگی کو جلتا ساگر بنا دیتے ہیں، نہیں کسی نے کہا تھا یہ، ہاں مگر جس نے بھی کہا تو بالکل سچ ہی کہا تھا اس کی زندگی بھی تو ایسا ہی جلتا ساگر جا بنی تھی جس میں وہ روز جیتی اور روز مرتی تھی ایک ہی وجہ اسے زندہ رکھتی اور ایک ہی وجہ اسے مارتی تھی، سزا اس کے خوابوں کی جو اس نے خود ہی چنی تھی اب بھگتنی تو تھی ہی، اسے ایسا لگتا جیسے اس کے خوابوں کی ٹوٹی کرچیاں اس کے وجود میں سرائیت کر گئیں ہوں، جن سے ہر لمحے لہو ٹپکتا ہو، قطرہ......قطرہ۔

بعض دفعہ انسان کی زندگی میں کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اسے زندگی سے ہی نفرت ہونے لگتی ہے، دل کرتا ہے یا تو مر جائیں یا پھر کہیں دور چلے جائیں، کہ کوئی چاہ کر بھی ہمیں ڈھونڈ نہ سکے، کسی تہہ خانے میں قید ہو جائیں وہاں جہاں پہ کوئی نہ آدم زادہ ہو جو کسی بی بی حوا کی بیٹی کو بے مول کرنے والا اور نہ ہی شیطان کسی کو بہکانے والا، وہاں بس آپ ہوں اور آپ کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں۔

ایک آنسو بے قابو ہوا، اس کے رخسار بھگو گیا جسے وہ بے دردی سے صاف کر گئی، اس وقت اس کے دل اور ضمیر کے درمیان جیسے اک جنگ سی جاری تھی۔

''تم جانتی ہو صحیفے کے بغیر تحریر نامکمل ہوتی ہے ویسے ہی تحریر کے بغیر صحیفہ۔'' اسے وہی بازگشت سنائی دی جو ہمیشہ ہی اسے بے بس کر جاتی تھی۔

''میرا دل کرتا ہے کہ تم صحیفہ بن جاؤ میں تحریر۔''

''وہ کیوں؟'' حیرت سے پر اس کی اپنی آواز ابھری، جواب میں محبت ہی محبت تھی۔

''تاکہ میں تم پہ بکھرتا چلا جاؤں اور تم مجھے سمیٹتی چلی جاؤ۔'' اس نے اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ کر جیسے اس بازگشت سے بھاگنے کی ناکام سی کوشش کی، وہ جتنا اس آواز سے دور ہوتی تھی یہ آواز اتنی ہی اس کے قریب چلی آتی۔

میری دیوانگی پہ کیوں اس قدر حیراں ہوتے ہو میرا نقصان تو دیکھو محبت گم شدہ میری

☆☆☆

''اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اعلان کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔'' سیاہ فام لڑکی کی آواز آج بھی اسے سحر زدہ کر رہی تھی۔

رات کی تاریکی کو چیرتی اس کی شہد جیسی میٹھی آواز ساکت بیٹھی سونیناں کے دل میں اتر رہی تھی، وہ دونوں اپنے اپنے دکھوں میں اللہ کو پکار رہی تھیں۔

''اے لوگو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں اور اپنے خطبے کا آغاز میں اس نیک بات سے کرتا ہوں، لوگو سنو میں تمہیں وضاحت سے بتاتا ہوں، کیونکہ شاید اس کے بعد میں کبھی تم سے اس جگہ نہ مل سکوں۔''

''اچھی طرح سن لو، تم میں سے جو لوگ حاضر ہیں، وہ یہ بات غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں، ممکن ہے اگلے لوگ یہاں موجود لوگوں کی نسبت ان باتوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھیں اور ان کی حفاظت فرمائیں۔''

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور میں آج سے تمام سود کالعدم قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے وہ سود معاف کرتا ہوں جو لوگوں نے میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کو ادا کرنا ہے، البتہ تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ تمہارا نقصان ہے اور نہ اوروں کا۔''

تارکول کی لمبی سڑک دور دور تک خالی تھی سڑک کے اطراف بڑے بڑے درخت ہوا کے دوش پہ جھولتے کسی پاگل مورنی کی طرح جھوم جھوم کر دھمال ڈال رہے تھے، آسمان پہ چمکتا چودھویں کا چہرہ کبھی بادلوں میں منہ چھپا لیتا تو کبھی حیرت سے انہیں دیکھتا جو پھوٹ پھوٹ کر روتی اپنے گناہوں پہ نادم تھی، اسے یوں لگا جیسے وہ اک فقیر ہو ایک اندھا فقیر جس کے ہاتھ میں کشکول تھا ایسا کشکول جس میں نجانے کتنے ہی برسوں کی جمع خیرات تھی پل پل بھیک مانگ کر ملنے والی خیرات پھر یوں ہوا اسے ٹھوکر لگی، بہت زور سے اتنی زور سے کہ وہ کئی قدم پیچھے جا گری کشکول یکدم خالی ہو گیا اور وہ چاہ کر بھی نیچے زمین پہ بکھری خیرات جمع نہ کر سکی زندگی میں اس نے گنی چنی نیکیاں ہی جمع کی تھیں اور وہ اس کے گرنے سے چھوٹ گئیں ہاتھ خالی ہو گئے بے اختیار ہی۔

☆☆☆

"مجھے سمجھ نہیں آتی تمہاری آفس کی دوستوں کی آخری وہ اپنی تنخواہ تم پہ کیوں لٹاتی ہیں۔" خوشی خوشی اقرام عابد کا دلایا سامان وہ الماری میں سیٹ کر رہی تھی جب امبر تعجب سے بولی۔

"دوست ہیں ہم یار اور دوستیں تو ایک دوسرے کو تحفہ تحائف دیتیں ہی ہیں۔" نظریں چرائے جھوٹ بولا، اگر کہتی کہ وہ آفس میں موجود اقرام عابد نامی آدمی سے محبت کرتی ہے اسی نے یہی یہ سب کچھ دلایا ہے تو گھر میں جیسے ایک ہنگامہ سا ہو جاتا جو وہ ابھی نہیں چاہتی تھی۔

دراصل وہ امریکہ جاب کے لئے اپلائی کر رہا تھا جس کے بعد ہی وہ رشتے کے لئے ان کے گھر آتا اسے پہلے گھر میں کچھ بتانے کے لئے اس نے منع کیا ہوا تھا۔

"تم نے تو آج تک انہیں کچھ نہیں دیا۔" اسے کریدا۔

ہاں واقعہ اس نے آج تک اسے کوئی تحفہ دیا ہی نہیں تھا بھلا وہ کہاں اس کی طرح مہنگے مہنگے گفٹ خرید سکتی تھی اس کی تو ساری تنخواہ تو گھر کے اخراجات میں ہی خرچ ہو جاتی تھی پھر اسے کیسے تحفہ دیتی۔

"وہ مطلبی نہیں ہیں۔" بات بنائی۔

"تو تم مطلبی ہو۔" ترکی بہ ترکی کہا وہ غصے سے چیخ پڑی۔

"کیا مصیبت ہے آپی، آپ بڑی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر بات میں آپ انٹرفیئر کریں گی، میری بھی زندگی ہے دوستیں ہیں کچھ خواب ہیں آپ اور اماں سے ہٹ کر اور پلیز مجھے میری زندگی سکون سے جینے دیں۔" بدلحاظی سے کہتی وہ چھت پہ چلی آئی نجانے کتنی ہی دیر امبر حیرت سے اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر یہ معمول کی بات بن گئی وہ اسے سمجھاتی وہ بدتمیزی کرتی۔

رات دیر سے گھر آتی تو امبر اسے ٹوک دیتی۔

"تم جوان جہان لڑکی ہو اور وقت گواہ ہے لڑکیوں کا رات کے وقت باہر رہنا بالکل ٹھیک نہیں ہوتا۔"

"آپ اب مجھے صحیح اور غلط بتانا چھوڑ ہی دیں، میں اب بڑی ہو چکی ہوں اپنے فیصلے خود کر سکتی ہوں۔" غصے سے کہا۔

"فرح، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوا ہاں مگر آپ … ہو گئی ہیں۔" تند ہی سے کہا۔

"… بہت بدل گئی ہو۔"

"بدلی … نہیں آپ ہیں ہر وقت روک ٹوک ہر وقت نصیحتیں … نہ کرو یہاں نہ جاؤ وہاں نہ جاؤ، میں تنگ آ … ہوں آپی، پلیز مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں۔" پیر … امبر اندر چلی گئی کہ اب اسے بات کرنا ہی فضول تھا۔

"میں ایک ایک چیز کے لئے ترس ترس کر زندگی نہیں گزار سکتی اقرار۔" رات کو فون پر اقرام سے بات کرتے بے بسی سے بولی۔

"بس کچھ دن مزید انتظار کر لو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" امید دلائی۔

"کب تمہارا دوست تمہیں بتائے گا اور میرے خواب پورے ہوں گے پھر ہم شادی کر کے سکون سے رہیں گے۔"

"اچھا تو محترمہ مجھ سے شادی کے لئے مری جا رہی ہیں۔" وہ شرارتی ہوا اسے بے اختیار ڈھیر ساری شرم نے آ گھیرا۔

"کیا ہوا تم شرما رہی ہو۔" موبائل کے دوسری طرف وہ جیسے اس کی شرم دیکھنے کے لئے بے تاب ہوا۔

"نہیں تو۔" وہ بدکی۔

"تو پھر خاموش کیوں ہو گئی ہو جواب دو۔"

"کیا کہوں؟" اس نے پوچھا وہ مسکرایا۔

"یہی کہہ دو کہ تم ایک ایک دن گن کر گزار رہی ہو کہ کب ہماری شادی ہو گی۔"

"ایسا تو نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسا ہے؟" شرارت سے کہا وہ یکدم شرمائی۔

"اقرام پلیز۔"

"اوکے، یہ بتاؤ بارات پہ کون سا کلر پہنو گی۔"

"کس کی بارات پہ؟" وہ سمجھی نہیں۔

"ہماری اور کسی کی۔"

"وہ جو تم کہو گے۔"

"اگر میں سیاہ کلر کہوں تو۔" کچھ سوچ کر پوچھا، اسے اس کی بات پہ حیرت تو ہوئی مگر وہ چھپا گئی اگر حیرت کا اظہار کر دیتی تو وہ پتہ نہیں کیا کیا سمجھتا۔

"تو مجھے منظور ہو گا۔"

"اعتراض تو نہیں کرو گی؟"

"کبھی نہیں۔" اعتماد سے کہا وہ پر سوچ انداز میں مسکرایا۔

"تو پھر تیار رہو نادان لڑکی سیاہ کلر کا لباس پہننے کے لئے۔" وہ سوچ کر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

☆☆☆

"تم جانتی ہو فرح، میں تمہاری ماں سکینہ بی بی کی ماں کی کزن تھی ہماری زندگی بڑی … تھی تمہاری نانی نانا غریب سے لوگ تھے اور … یعنی تمہاری نانی نسیمہ بیگم کی چچا زاد تھی، تمہارے نانا اللہ انہیں جنت بخشے سارا دن زمینوں پہ کھیتی باڑی کر کے گزارا کرتے پھر انہوں نے تمہاری ماں جو کہ اپنے اماں ابے کی اکلوتی بیٹی تھی اس کا رشتہ میرے بھائی اللہ واسیا سے کر دیا جو کہ شہر میں ایک ٹھیلا لگاتا تھا، میری شادی اماں ابا نے بھائی سے پہلے ہی کر دی تھی میرا شوہر خدا بخش بڑا ظالم انسان تھا اس نے تمام عمر مجھے اپنی ماں کے گھر نہیں جانے دیا، میں چھپ چھپ کر اپنی ماں ابا اور اللہ وسائے کے لئے روتی رہتی، وہ کام تو کوئی کرتا نہیں تھا ایک بڑی سی کوٹھی میں میں کام کرتی اور گھر کو چلاتی، اماں ابا نے بھی مڑ کر نہیں دیکھا ان کی نظر میں بیٹیاں خوش رہیں یا نہ رہیں مگر اپنے گھر رہیں وہ یہ نہیں سوچتے تھے کہ جس گھر میں سکون اور باہم اتفاق نہ ہو وہ بسنے سے بہتر اجڑنا ہوتا ہے۔" کہتے ہوئے ان کی آنکھ سے اک آنسو نکلا جسے اس نے نہایت دکھ سے دیکھا تھا۔

"وقت گزرتا رہا خدا بخش خدا کے پاس چلا گیا اللہ نے ہمیں کوئی اولاد ہی نہ دی، مہینے سالوں میں کب بدلے کچھ پتہ ہی نہ چلا، اماں ابا ساتھ چھوڑ گئے میری نانی اور نانا بھی گزرتے وقت کے ساتھ خاک اوڑھ گئے۔" کہتے ہوئے انہوں نے پاس بیٹھی امبر اور فرح کو سینے سے لگا لیا۔

"اللہ نے مجھے اولاد سے محروم رکھا جب میں یہاں آئی تو تم دونوں کو گلے لگا لیا ہمیشہ اپنی اولاد سمجھا … خود سے الگ نہیں سمجھا، ایک بات تم دونوں یاد رکھنا۔"

"عورت کی عزت کانچ کے شیشے جیسی ہوتی ہے جو اگر ایک بار ٹوٹ جائے تو اس میں لائن سی پڑ جاتی ہے اور اسے اگر جوڑ کر بھی اس میں اپنی شکل دیکھی جائے تو وہ خوفناک نظر آنے لگتی ہے، کئی ٹکڑوں میں بٹی شکل انسان کے وجود کو بگاڑ دیتی ہے، زندگی کے کسی بھی موڑ پہ اپنی عزت پہ

داغ نہ لگنے دینا تم مان ہو اللہ وسائے اور سکینہ بی کا۔'' ان سر سینے سے لگائے کہا اور اسے لگا جیسے اس کی شکل بگڑنے لگی ہو، بد صورت سے بد صورت ہوتی اس کے وجود کو بگاڑنے لگی۔

☆☆☆

''لمحہ بہ لمحہ وہ ہر روز مجھے مارتی اپنے اندر کا سارا درد مجھ میں اتار دیتی ہے بلکہ صرف وہ نہیں اس کا بیٹا بھی، میرا بھائی جب وہ ابا کی بیوی تھی تو اس کا بیٹا بھی میرا بھائی ہوا، چھوٹا بھائی اس نے کبھی مجھے بھائی مانا ہی نہیں شاید میرا نصیب بھی اماں کے نصیب جیسا ہی تھا انہیں بھی سب کچھ ملنے کے باوجود کچھ نہیں مل سکا اور...... اور مجھے بھی۔'' کہتے ہوئے اس نے اذیت سے آنکھیں بند کیں پھر بولا تو آواز ہر دکھ درد سے لاپرواہ تھی۔

''مگر میں پھر بھی خوش ہوں جانتی ہو کیوں۔'' اس نے نظریں نہیں اٹھائیں۔

''جانتا تھا پہلے کی طرح اگر اب بھی نظریں نہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو پتھر ہو جائے گا، کیونکہ مجھے صبر کرنا آ گیا ہے اور اماں کہتی تھی جسے صبر کرنا آ جائے پھر اسے کوئی دکھ دکھ نہیں لگتا۔''

''کیا ظلم پہ صبر کرنا بھی ظلم نہیں ہے خود پہ اپنی ذات پہ۔'' کتنی سریلی آواز تھی اس کی میٹھی شکر جیسی۔

''بعض دفعہ خود اپنی ہی ذات پہ ظلم کرنا اچھا لگتا ہے۔'' وہ خود اذیتی سے بولا نظریں اب بھی نہیں اٹھائیں تھیں۔

''یہ تو پھر انتقام ہوا خود اپنی ہی ذات سے۔'' اس نے کہا پھر جیسے ہار مانتی بولی۔

''تم صحیح کہتے ہو بعض دفعہ اپنی ہی ذات کو تکلیف دینا اچھا لگنے لگتا۔ ہے انسان اذیت پسند سا بن جاتا ہے پھر بھی پتہ نہیں کیوں دل کو سکون نہیں ملتا، اماں کہتی تھیں دل کا سکون دو چیزوں میں ہے۔''

''کن میں؟'' بے اختیار پوچھا اس کی نظریں نہر کے ٹھنڈے پانی میں تیرتے اس کے سفید کبوتر جیسے پیروں پہ جمی ہوئی تھیں۔

''ایک نماز میں دوسرا قرآن میں، جتنا خدا کے پاس جا کر ملتا ہے اتنا کسی اور چیز میں کہاں۔''

''تم مجھے نماز سکھاؤ گے۔'' منت بھرا انداز تھا اس کا، اس نے حیرت سے اس کے سفید نرم و ملائم ہاتھوں کو دیکھا اس کا چہرہ دیکھنے کی تاب وہ خود میں نہیں پاتا تھا حالانکہ نظریں بھٹک بھٹک کر اس کے چہرے کا عکس پانے کو مچلتی مگر وہ خود کو روکے رکھتا۔

''وہ پتہ نہیں کب سے میں نے نماز نہیں پڑھی، خدا کو سجدہ کرنے سے جو سکون ملتا ہے وہ مجھے شاید اسی لئے نہیں مل سکا اب تو نماز بھی بھول سی گئی ہے عصر میں کتنی سنت تھیں کتنی فرض کچھ یاد نہیں۔'' اذیت سے پر انداز تھا اس کا پھر وہ اسے نماز سکھانے لگا اس کی خوبصورت آواز نہر کے پار بیٹھے پرندوں کو ساکت کر گئی وہ اسے نیت سکھا رہا تھا اس کے بعد ثناء پھر الحمدللہ اور وہ جیسے سکھاتا گیا وہ سیکھتی گئی گھر جا کر آج سب سے پہلے اس نے نماز پڑھنی تھی اپنے دل کے سکون کے لئے۔

کانپتے جسم سے وضو کر کے وہ جائے نماز پہ بیٹھی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جائے نماز بھگونے لگے، پتہ کیسے کس طرح اس نے نماز مکمل کی جسم میں دوڑتے سکون نے جیسے اسے سرشار سا کر دیا سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے وہ نجانے کتنی ہی دیر اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتی رہی، سمجھ میں نہیں آیا کیا مانگے

اچھا ہی کیا تھا مانگنے کے لئے سب کچھ تو اس لیا تھا، چاہے جیسے بھی۔

''اوہ تو خدا سے لو لگائی جا رہی ہے۔'' ے میں داخل ہوتا کبیر الدین تمسخرانہ ہنسا وہ نہ پہ پھیرتی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ہمارے درمیان یہ طے نہیں ہوا تھا کہ تم لمحہ بہ لمحہ ہنسو گے یا پھر تمسخر اڑاؤ گے، ایک ذہن نشین کر لو کبیر الدین میں نے خود کو ی ضرور رکھا ہے بیچا نہیں۔'' مضبوط لہجے میں وہ اسے حیران کر گئی، ہر وقت روتی کرلاتی، اور فریادیں کرتی سوہنیاں کو تو وہ جانتا تھا اب جس سوہنیاں کو وہ دیکھ رہا تھا یہ تو کوئی تھی، مضبوط نڈر اور شاید بہادر بھی، کیا یہ ہوا اسے ایک نماز کو ادا کرنے سے اسے ملا وا ایک نماز اتنی اہم ہوتی ہے، ہوا نے سرگوشی ل مسکرائے۔

''کافر اور مسلمان میں فرق نماز ہوتی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو شخص نماز پڑھتا پھر وہ جو چاہے کرے یہ بھی فرمایا انسان تین جمعوں تک نماز ادا نہ کرے وہ ہے (استغفر اللہ)'' بادل نے جواب دیا ہوا کرتی چل پڑی۔

''اللہ سب کو نماز ادا کرنے کی توفیق عطا آمین۔''

''اوہ، طوائف کے منہ میں بھی زبان آ وہ غصے سے چیخا۔

''نہیں کبیر الدین زبان بہت پہلے سے تھی ے استعمال کرنا اب آیا ہے۔''

''اچھا تو اب کیا کرو گی تم۔'' جیسے اس کے جاننے کی کوشش کی وہ جائے نماز کو بیڈ کی احترام سے رکھتی مضبوط چال چلتی اس ۔

''میں پروڈیوسر علی کی دوسری کسی فلم میں کام نہیں کروں گی اور نہ ہی آج کے بعد کسی شوٹ پہ جاؤں گی۔'' ایک ایک لفظ چبایا تھا، جیسے وہ نجانے کتنی ہی دیر بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔

''تم ایک منٹ۔'' اسے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ مڑی اور الماری سے اس کا بیلٹ لے آئی۔

''یہ لو مارو مجھے اتنا جتنا تم میں ہمت ہے۔'' سختی سے کہتی وہ اسے حیرت کی انتہاؤں پہ پہنچا گئی پھر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بیلٹ اس سے لیتا مارنے لگا اور وہ چہرے پہ سکون ہی سکون لئے اس کی مار سہتی رہی اس وقت تک جب تک وہ تھک نہیں گیا۔

☆☆☆

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنی مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کریں۔'' رات کی تاریکی کو چیرتی سیاہ فام لڑکی کی آواز دور تک پھیلنے لگی اس کے ساتھ ساتھ اس کے آنسو بھی جو بڑی روانی سے بہتے اندر کا سارا میل کچیل صاف کرتے نور جگا رہے تھے اور جس کے اندر نور جاگ اٹھے وہ خوش قسمت ترین ہوتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ وہ عورت جو تیار ہو کر نامحرموں میں اترا اترا کر چلتی ہے، بروز قیامت وہ مجسم تاریکی ہو گی جہاں نور کی کرن تک نہ ہو گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ شب معراج میں میں نے عورتوں کو عذاب میں دیکھا۔'' وہ رکی ایک پل کو اسے اپنے جسم میں کپکپی دوڑتی محسوس ہوئی، اسے لگا جیسے اس کے جسم کے بال کھڑے ہونے لگے ہوں۔

''میں نے دیکھا کہ عورتیں بالوں سے لٹکی ہوئی ہیں اور ان کا دماغ کھول رہا ہے جیسے پانی کھولتا ہے (توبہ استغفار) یہ ان کی سزا تھی جو

اپنے بال نامحرموں کو دیکھاتی تھیں، اگر تمہیں اپنی زندگی میں ایک عمل بھی نظر آئے تو تم سمجھ لو کہ تم مسلمان ہو مومن نہیں کیونکہ مسلمان اور مومن میں بہت فرق ہے مومن وہ ہے جو اپنے لئے جو پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کرے اور جو وہ اپنے لئے نہ پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی نہ پسند کرے۔'' آنسو قطرہ قطرہ گرتے اس کے گناہوں کو مٹانے لگے ہر طرف نور چمکنے لگا کیونکہ اللہ بڑا رحمان و رحیم ہے میرا پاک رب ہے۔

☆☆☆

نارنجی بیلوں کے پھولوں پہ جیسے شگوفے سے کھل اٹھے، ہر طرف بکھرتا نارنجی رنگ ان کی محبت کی گواہی دینے لگا۔

''میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا نظریں جھکائے اس کے کبوتری جیسے سفید پاؤں دیکھتے، وہ ساکت تھی یوں کہ جیسے ہلی تو مر جائے گی۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ میں آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ خوش رکھوں گا، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ آپ کو پا کر میری زندگی خوشیوں سے ہمکنار ہو جائے گی ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے جنہیں سن کر محسوس کر کے ہمیں احساس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے لئے بنے ہیں یا پھر ہم ان کے لئے اور مجھے لگتا ہے کہ میں آپ کے بنا ادھورا ہوں بالکل ویسے جیسے چمکتا چاند روشنی کے بناء۔''

''میں تمہارے قابل نہیں۔'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر تاروں جیسے گھنگھریالی لٹوں کے ہالے میں مقید چہرے کو بھگونے لگے۔

''مجھے پھر بھی آپ سے محبت ہے۔''

''میں پاک دامن نہیں۔'' وہ روتی ہوئی رخ پھیر گئی کیسے کہتی وہ بھی اس کے دل میں بسنے لگا تھا جس کے دکھ اسے اپنے محسوس ہوتے تھے۔

''مجھے پھر بھی تم سے محبت ہے۔'' وہ یکدم آپ سے تم پہ آیا، وہ بے اختیار مڑ کر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہ کیسی محبت ہے۔'' اس نے پوچھا، اس نے نظریں اٹھائیں، پھر پتھر ہوا، ایک پل، دو پل، تین اور پھر نجانے کتنی ہی دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا اور وہ اسے۔

''پتہ نہیں مجھے صرف اتنا پتہ ہے یہ نارنجی بیلوں کے پھول نہر کا ٹھنڈا پانی برگد کے پیڑ پہ بیٹھی کوئل یہ سب مجھے بتاتے ہیں۔'' وہ رکا اور وہ رو کے اسے سننے لگی جیسے اگر سانس لیا تو شاید وہ بولنا بند کر دے۔

''مجھے تم سے محبت ہے، مگر میں تمہاری محبت کے قابل نہیں۔'' کہتی وہ مڑی ڈھیر سارے نارنجی بیلوں کے پھول اس کے قدموں میں گرے جیسے التجا کرنے لگے، رک جانے کی اس کی محبت کو قبول کر لینے کی اور گزرا وقت اس کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔

قدم قدم چلتی وہ اس سے دور ہوئی محبت روئی اس کے اس طرح جانے پہ عشق کرلایا جیسے اور نارنجی بیلوں کے پھول سوکھ کر گر۔۔۔ جیسے پھر اک بازگشت سی ہوئی۔

''جب کوئی شاخ سے گرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ آپ کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔''

☆☆☆

''تمہارا کام ہو گیا ہے فرح میں نے اپنے دوست کو جو تمہاری تصویر دیکھائی تھی وہ سلیکٹ ہو گئی ہے۔'' فون پہ اسے خوشخبری سنائی جسے سن کر وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگی۔

''ہاں بالکل سچ، اب تم آڈیشن کی تیاری کر لو شام کو میں تمہیں پک کر لوں گا۔''

''تھینک یو سو مچ اقرام، تم نے میرا بچپن کا خواب پورا کیا ہے۔'' نم ہوتی آواز سے بولی۔

''تھینک یو کیسا تم تو میری محبت ہو اور جسے ہم محبت کرتے ہیں اس کے خواب ہمارے ہو جاتے ہیں، او کے تم تیار رہنا۔''

''اچھا۔'' کہتے اس نے فون بند کیا، آج وہ خوش تھی بے حد و حساب خوش، نجانے کتنے سالوں کا خواب تھا جو آج تکمیل پانے والا تھا۔

شوبز اس کا خواب ہی نہیں جنون بھی تھا وہ اکثر خوابوں خیالوں میں خود کو شوبز کا چمکتا ستارہ محسوس کرتی اداکاری کے جوہر دیکھاتی محسوس ہوتی، اسے نفرت تھی غربت سے غربت کی منہ بولتی تصویر اپنے آپ سے۔

وہ اپنے بچوں کو خون سے رنگی روٹی نہیں کھلانا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنی ماں سکینہ بی کی طرح بیماری میں مرنا، شام کو وہ دل سے تیار ہوئی اقرام عابد کے ساتھ آڈیشن کے لئے گئی اور قسمت سے اس کی سلیکشن بھی ہو گیا وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگی ہر خواب پورا ہوتا محسوس ہوا زندگی یکدم سہل سے ہو گئی اب اسے کسی کی پرواہ کہاں تھی وہ خوبصورت تھی اچھی اداکاری کر سکتی تھی تو کیا حرج تھا جو اگر وہ شوبز میں چلی جاتی، اس کا مستقبل سنور جاتا پھر نہ بھوک کی ... ہوتی اور نہ ہی روٹی کے لالے، دراصل شوبز اس کا خواب نہیں تھا بلکہ بھوک اور بڑھتی غربت سے فرار کی ایک راہ تھی وہ نہ تو مستقبل میں خود بھوک سے لڑنا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنے بچوں کو روٹی کے لئے بلکتے دیکھنا چاہتی تھی، کبھی نہیں۔

اس نے گھر میں سب کو بتا دیا کہ وہ ہفتے بعد ایک ایڈ کی شوٹ کے لئے دوبئی جا رہی ہے کس کے ساتھ یہ بتانا اس نے ضروری نہیں سمجھا اسے پہلے سے پتہ تھا اماں ہرگز اس کے فیصلے پہ راضی نہیں ہوں گی اور امبر وہ تو شاید کبھی بھی نہ مانے اور پھر ہوا بھی یہی اماں نے سنا تو منہ سر لپیٹے ایسی سوئی کہ اسے نہیں دیکھا اور امبر اسے گھورتی سمجھاتی تھک گئی مگر وہ تھی کہ اپنے فیصلے سے ٹس سے مس نہ ہوئی صرف ایک بات ہی کہتی رہی۔

''انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے اچھی یا بری، جب تک ہم آگے نہیں بڑھیں گے تب تک وقت بھی آگے نہیں بڑھے گا میں نہ تو خود مستقبل میں صرف ایک روٹی کے لئے مر مر کر جی سکتی ہوں اور نہ ہی اپنی اولاد کو مرتا ہوا دیکھ سکتی ہوں۔'' وہ رکی ایک نظر خود سے بیگانی امبر پہ ڈالی پھر بولی تو آواز میں عزم لئے ہوا تھا۔

''اور مجھے خود پہ پورا یقین ہے میں شوبز کا چمکتا ستارہ بن کر شوبز کے آسمان پہ چمکوں گی اور تم سب مجھے فخر سے گردن اٹھائے دیکھو گے پھر نہ تو بلکتی بھوک میرے پاس آ سکے گی اور نہ ہی مجھے اپنی عزت بچانے کے لئے کسی کا قتل کرنا پڑے گا۔'' انتہائی دکھ سے کہتی وہ پلکوں کی باڑھ پھلانگتے آنسو کو اپنی انگلی سے صاف کرتی مسکرائی۔

نجانے کتنی ہی دیر امبر اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھتی رہی آنکھوں میں آنسو تیرے اس نے پلکیں گرائیں، ایک پل دو پل اور پھر جب نظریں اٹھائیں تو آنکھیں خشک تھیں وہ آنسو اندر ہی کہیں گر کر تباہی مچا گئے تھے۔

''تمہیں خبر نہیں فرح، شوبز کی دنیا میں اتنی چکا چوند اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے، سیاہ گھور تاریک اندھیرا، کھا جانے والا نگل جانے والا اور جو کوئی ایک بار اس اندھیرے میں گم ہو جائے تو پھر وہ واپسی کا نہیں

رہتا ہر راستہ دھندلا جاتا ہے منزل گم ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان کھو جاتا ہے۔'' وہ ایک پل کو رکی اسے دیکھا کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں، دکھ، درد، ہمدردی، خوف اور اس کے برباد ہو جانے کا ڈر۔

''افسوس ہے کہ تم جانتے بوجھتے اس اندھیرے میں گم ہو جانا چاہتی ہو۔'' کہتی وہ مسکرائی پھر نہایت دکھ سے بولی۔

''اگر ایک بار تم اس اندھیرے میں کھو گئی تو پھر چاہ کر بھی واپس نہ آسکو گی۔''

''مجھے واپس آنا بھی نہیں ہے امبر، ایسی جگہ جہاں پہ بھوک ناچتی اور بے حسی بین کرتی ہے۔'' وہ اپنی بات پہ قائم تھی اسے دکھ ہوا بہت سے بھی زیادہ دکھ وہ چاہ کر بھی کہہ نہ پائی۔

''نادان لڑکی جہاں تم جانا چاہتی ہو وہاں پہ تو عزت ناچتی اور عزت نفس بین کرتی ہے، ہوتا ہے نا بعض دفعہ ایسا آپ بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں پاتے ہاتھ لفظ آپ کا ساتھ نہیں دیتے یا پھر وقت اور حالات۔''

☆☆☆

آج کا پورا دن تھکا دینے والا تھا، آفس سے آ کر وہ کچن میں چلی آئی جہاں پہ پہلے سے ہی امبر کھڑی اس کے لئے کھانا گرم کر رہی تھی۔

''اچھا تمہیں تھکن بھی ہوتی ہے۔'' حیرت سے وہ چڑتے بولی۔

''کیوں کیا میں انسان نہیں ہوں میرا دل دماغ نہیں ہے کیا۔'' تندہی سے کہا وہ مڑی اس کی طرف دیکھتے اذیت سے بولی۔

''نہیں فرح، نہ تو تم انسان ہو اور نہ ہی تمہارا دل ہے، اگر تم انسان ہوتی یا پھر تمہارا دل ہوتا تو تمہیں احساس ہوتا کہ تمہارے کس عمل سے ہم دکھی ہوتے ہیں حیرت ہے تم خود کو انسان کہتی ہو۔'' کہتی وہ اس کے قریب آئی۔

''تم انسان نہیں ہو فرح بلکہ تم بے حس ہو تمہیں سوائے اپنے کسی دوسرے کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور جنہیں اپنے سوا کسی کی پرواہ نہ ہو وہ انسان نہیں ہوتا بلکہ بے حس ہوتا ہے خود غرض اور مطلبی۔'' نہایت دکھ سے کہتے اس نے پانی والا گلاس اس کی طرف بڑھایا، جس پہ وہ نفرت بھری نگاہ ڈالتی کچن سے نکل گئی پیچھے وہ افسوس سے اسے جاتا دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

''اقرام گھر والے مجھ سے ناراض ہیں اماں الگ بات نہیں کرتی اور امبر آپی الگ مجھے مطلبی فریبی اور بھی جانے کیا کیا کہتی ہیں سمجھ میں نہیں آرہا میں کیا کروں۔'' ہوٹل میں لنچ کے لئے اس کے ساتھ آئی فرح بہت دکھی اس نے ہمیشہ کی طرح اپنی محبت کا مرہم اس کے زخموں پہ رکھنا شروع کر دیا۔

''پلیز فرح تم ہمت مت ہارو، دیکھو بڑے سے بڑے ایکٹرس کو شروع میں ایسے ہی دشواریاں پیش آتی ہوں گی تبھی تو وہ آج اس مقام پہ ہیں اگر تم ابھی سے ہمت ہار جاؤ گی تو ایک کامیاب ایکٹرس کیسے بنو گی۔''

''میں جانتی ہوں اقرام عابد، بٹ گھر والوں کی ناراضگی لمحہ لمحہ مجھے مارتی ہے، تکلیف دیتی اور اماں وہ تو خود مجھ سے بات تک نہیں کر رہیں کیا کچھ نہیں کیا انہوں نے ہمارے لئے ہمیں پالا پوسا ماں کا پیار دیا اور بدلے میں، میں انہیں دکھ دوں یہ مجھے گوارہ نہیں، دکھ سے پر اثر انداز تھا اس کا اقرام عابد نے جلدی سے پینترا بدلا۔''

''تم انہیں دکھ کہاں دینا چاہتی ہو بلکہ تم تو یہ سب کچھ اپنے اور اپنے گھر والوں کے مستقبل کے لئے کر رہی ہو ویسے بھی کیا برائی ہے شوبز میں، ہزاروں لاکھوں لوگ کام کرتے ہیں وہاں اور اگر ایسا کچھ غلط ہوتا تو آج شوبز کی دنیا اتنی روشن نہ ہوتی۔'' اس کی کمزوری پکڑی وہ پھر سے پرعزم ہوئی۔

''ہاں یو آر رائٹ خیر گھر والے مان ہی جائیں گے۔'' وہ امید سے بولی اس نے جلدی سے اس کی امید پہ مہر لگائی، کالی سیاہ تاریک مہر۔

''اور اگر نہ بھی مانیں تو بھی تم نے اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹنا رائٹ۔'' اینڈ میں تصدیق چاہی وہ کشمکش میں مبتلا ہوئی۔

''مگر......؟''

''اگر مگر کچھ نہیں فرح تم نے اپنے خوابوں کو تکمیل دینی ہے ہر صورت میں پھر چاہے کچھ ہو کیونکہ میں تمہیں ایک ایک چیز کے لئے ترس ترس کر جیتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔'' محبت جتائی اور وہ پگھل گئی، ہائے بنت حوا کی نادانی۔

''کچھ آرڈر کرو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' ہار مانتے ہوئے بولی اس کا قہقہہ جاندار تھا۔

''ویٹر۔'' ویٹر کو بلا کر وہ آرڈر دینے لگا اس نے پرسکون ہو کر سامنے بیٹھے اقرام عابد کو دیکھا، چھوٹی چھوٹی آنکھیں پیچھے کی طرف بنائے بال سفید چمکتی رنگت ہلکی ہلکی داڑھی گلابی ہونٹ اور جینز شرٹ پہنے وہ ویٹر کی کسی بات پہ مسکرا رہا تھا، ایک مکمل انسان اسے محبت کا دعویدار اس کا عاشق وہ اس کا تھا، یہ احساس ہی اتنا پیارا تھا کہ وہ بے خودی میں اسے دیکھتے مسکرائے گئی جبھی اس نے ٹوکا۔

''میں مانتا ہوں کہ میں کافی ہینڈسم ہوں پر اتنا بھی نہیں کہ اک مستقبل کی کامیاب ایکٹرس محبوبہ مجھ پہ فدا ہو جائے۔'' اسے چھیڑا وہ یکدم پزل ہوئی۔

''خوش فہمی اچھی بات ہے مگر حد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔'' اپنی خفت مٹانے کو بولی وہ مسکراتے ہوئے ٹیبل پہ جھکا اور اس کی جان لے گیا۔

''چلو خوش فہمی سی غلط فہمی تو نہیں ہے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا جو تم دو لفظ کہہ دیتی۔'' سرگوشی کی اسے اپنی دھڑکنیں بے قابو ہوتی محسوس ہوئی۔

''کون سے دو لفظ۔'' جی جان لگا اس نے خود کو انجان ظاہر کیا مگر ناکام رہی لرزتی پلکیں اس کے اندر کا حال بیان کر گئیں۔

''وہی جنہیں سن کر زندگی سے پیار اور محبوب سے عشق ہو جاتا ہے۔'' سرگوشی کا سا انداز تھا اس نے بمشکل نظریں اٹھائیں پر اس کی شہد رنگ آنکھوں میں زیادہ دیر تک نہ دیکھ پائی۔

''کہہ بھی دو۔''

''کیا کہوں؟'' پھر سے پوچھا، لرزتی آواز دوپٹے کا پلو مروڑتے سفید نرم ملائم ہاتھ وہ پرشوق نظروں سے اسے نجانے کتنی ہی دیر دیکھتا رہا جواب نہ پا کر اس نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں بسے رنگوں پہ ساکت رہ گئی۔

محبت کے رنگ، چاہت کے رنگ، عشق اور بے خودی کے رنگ، اپنی طرف بلاتے دیوانہ کر دینے کی صلاحیت رکھتے رنگ، وہ فوراً نظریں جھکا گئی جبھی ویٹر کھانا سرو کر گیا تو وہ کرسی کی پشت پہ سر رکھتے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے بولا۔

''یہی کہ تمہیں مجھ سے۔'' وہ رکا اسے اپنی دھڑکنیں بھی رکتی محسوس ہوئیں۔

''مجھ تم سے۔'' دوہرایا وہ خمار آلود انداز میں بولا۔

''محبت ہے۔'' بات مکمل کی وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی مزید کچھ کہنے یا سننے کا یارانہ اس

میں کہاں تھا۔

"بریک ٹائم ختم ہو گیا ہے مجھے ایک ضروری فائل سر کو دینی تھی۔" جلدی جلدی کہا اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا، جو نجانے کتنوں کو بے اختیار مڑ کر دیکھنے پہ مجبور کر گیا۔

"تم شرماتی ہوئی کمال کی لگتی ہو۔" اسے سراہا وہ مڑی ایک نظر اسے دیکھا اسے کہاں پرواہ تھی کسی کی کون دیکھ رہا ہے کون سن رہا ہے اسے کچھ خبر نہیں تھی پتہ تھا تو صرف اتنا اقرام جاہد اسے سن رہا تھا اور وہ اسے۔

"میں کہاں شرماتی ہوں اقرام، یہ تو محبت ہے جو کبھی اک لالی کی صورت میرے رخسار گلابی کرتی ہے تو کبھی اک حصار کی صورت مجھے باندھ لیتی ہے میں کہاں خوبصورت کہ مجھے تم چاہو بلکہ خوبصورت تو یہ محبت ہے اقرام جو ہم دونوں کے درمیان راج کرتی راجہ اندر بنی ہوئی ہے۔" اعتراف کیا وہ کھل کر مسکرایا پھر اس کا ہاتھ پکڑے اسے کرسی پہ واپس بٹھاتے اس کے کان کے پاس جھکا۔

"محبت کو خوبصورت بھی تو تم نے ہی بنایا ہے۔"

"کیا میں نے کیسے۔" اس نے حیرت و بے یقینی سے پوچھا۔

"تمہارا وجود محبت کے ہونے کی گواہی ہے اور تمہاری محبت، محبت کی خوبصورتی ہے۔" اعتراف کیا وہ کھل اٹھی۔

"کچھ خوابوں کی تعبیر بڑی بھیانک ہوتی ہے فرح اور مجھے ڈر ہے کہ تمہارے خوابوں کی تعبیر بھی بھیانک نہ ہو۔" اس کے پاس سے گزرتی ہوا نے سرگوشی کی جسے وہ سن نہ سکی۔

☆☆☆

"اماں کی طبیعت بہت خراب ہے آپ پلیز جلدی سے گھر آ جائیں۔" فیملی ڈاکٹر کا نمبر ملائے امبر پریشانی سے بولی، سامنے سے شاید آنے کی ہامی بھر لی گئی تھی، وہ فون بند کر کے مڑی۔

"کیا ہوا اماں کو۔" وہ جلدی سے قریب ہوئی جسے نظر انداز کر کے امبر اماں کے کمرے کی طرف بڑھی، وہ بھی بے قراری سے اس کے پیچھے گئی۔

"کیا..... کیا ہوا اماں آپ کو۔" جھجکتے ان کے قریب بیٹھی انہوں نے خفگی سے رخ پھیر لیا۔

"کچھ تو مجھے بتائیں آپ۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑنا چاہا جسے بڑی بے زاری سے انہوں نے جھٹک دیا، تبھی امبر ڈاکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

"کچھ خاص نہیں بس تھوڑا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا میں نے یہ دوائیاں لکھ دی ہیں آپ انہیں منگوا کر انہیں کھلا دیں باقی سب کچھ نارمل ہے۔" چیک اپ کے بعد کمرے سے نکلتے ڈاکٹر نے کہا اور دوائیوں کی لسٹ فرح کی طرف بڑھائی جسے امبر نے آگے بڑھ کر تھام لی اس کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا، اجنبیوں کے جیسے رویے پہ وہ غصے سے اپنے کمرے میں چلی آئی اور ڈائجسٹ اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی، آدھے گھنٹے بعد امبر کمرے میں داخل ہوئی، سوجھی ہوئی آنکھیں لئے وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"تم ڈائجسٹ تو پڑھتی ہو کیا تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ یہ ہم سے کیا کہتے ہیں۔" یاسیت سے کہا وہ نا سمجھی سے اس کی پشت کو گھورتی بولی۔

"یہ خالی خولی صفحے ہم سے کیا کہیں گے بس اچھی اور رومینٹک کہانیاں ہوتی ہیں جنہیں پڑھ کر انسان ٹائم پاس کر لیتا ہے۔" اسے جواب دے کر وہ پھر سے ڈائجسٹ میں گم ہوئی تو وہ قدم قدم چلتی اس تک آئی، اب آنکھیں لال ہو رہی تھیں جنہیں دیکھ کر ایک پل کو وہ بھی ڈر گئی مگر ظاہر نہیں کیا۔

"افسوس تم ان ڈائجسٹ سے بھی کچھ سیکھ نہیں پائی، یو نو اگر ایک رائٹر اپنی بینائی خرچ کر کے راتوں کی نیند گنوا کر کچھ لکھتا ہے صفحہ قرطاس پہ بکھرتا ہے تو وہ ٹائم پاس کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس تحریر میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی ہے جس پہ اگر ہم غور کریں تو اسے ہم فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔" وہ رکی اس کے ہاتھ سے ڈائجسٹ لیا وہ نا سمجھی سے اسے دیکھتی رہی کچھ پل گزرے وقت رکا اور لمحوں نے جیسے گزرنے سے انکار کر دیا وہ بولی تو اب کی بار آواز بھیگ رہی تھی آنکھیں خشک تھیں پر آواز، اس نے حیرت سے سوچا پر پوچھ نہ پائی اس نے بھلا پوچھنے کا موقع ہی کہاں دیا تھا۔

"ایک رائٹر اپنی تحریر "عشق چاند چکور جیسا" میں لکھتی ہے۔" وہ ایک پل کو رکی اسے بھی اپنا سانس رکتا محسوس ہوا پھر ڈائجسٹ پرے رکھتی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"پورے چاند کی ساحر رات جنگل پہ جلوہ افروز تھی، صندل کے پتوں سے لٹکتے جگنوؤں نے اپنے وجود میں لگے ننھے ننھے بلب روشن کر لیے پورے چاند کی روشنی سے جیسے شرط بندھی ہوئی تھی، مگر ان کی سانسیں اٹکنے لگے اور وہ موم بتی کے شعلوں پہ پرواز کرتے کسی آوارہ پروانے کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر صندل کے پتوں سے گرنے لگے، آن واحد میں جگنوؤں کے اجلے مرگھٹ میں جلی چربی کی مانند دھڑ دھڑ ہو کر جلتے خاکستر رنگ میں ڈھلنے لگے، مغرور چاند نے ستارے میں فخریہ نظر دوڑائی، بیرن ہوا نے اک قلانچ بھری اور چمکیلی ریت کو اڑانے لگی، ریت کے ذروں کی چمک میں نابینا کر دینے کی صلاحیت تھی مگر یہی تو فرق ہے، نابینا ہونا قبول تھا مگر دیوانہ ہونا قطعاً نہیں، درختوں کی ٹہنیاں بوجھ سے جھکی جا رہی تھیں، ریت پر ایک پرندے نے قدم رکھا تھا، پیلی مٹی کے لو دیے اس کے سامنے دھمال ڈالنے لگے تھے ایک نیم وا آنکھوں والے جگنو نے حسرت سے اس استقبال کو دیکھا، وہ تلملایا تھا۔"

"یہ کون ہے جس کی خاطر اتنا شایان شان استقبال ہو رہا ہے، اس کے ساتھی جگنو نے بیتے سے آہستہ سے اڑان بھری اور اس کے مقابل آیا۔"

"وہ چکور ہے، اس کا ذکر یوں مت کرو، وہ سفر پہ جا رہا ہے، اس کا سفر بہت لمبا اور کٹھن ہے، ہر کوئی اس کی ہمت بڑھا رہا ہے، اسے عقیدت سے دیکھو نظروں میں خلوص کی چاشنی اتارو، پہلے جگنو نے اس راگنی کو بمشکل سنا، ہوا میں صندلی خوشبو اتر کر قطبین میں بکھر گئی، پہلے جگنو نے گردن اونچی کی تھی، ایسے کون سے سفر پہ جا رہا ہے محترم، دوم جگنو نے اول جگنو کو مڑ کر خشمگیں نظروں سے دیکھا اور پھر پلٹ کر چکور کی طرف نظر کی، اس نظر میں کیا کچھ نہ تھا، ترحم، عقیدت، محبت اور ترس بھی۔"

"چکور چاند کا دیوانہ ہے، اس کی زندگی کا حاصل چاند کی محبت ہے، وہ پورے چاند کی رات کو سفر کرتا ہے، لمبا اور طویل سفر جس میں تھکن ہی تھکن ہوتی ہے، مغرور چاند اس کی ہنسی اڑاتا ہے، مگر رفتہ رفتہ دسترس سے بہت دور بھاگ جاتا ہے، یہاں تک کہ چکور کے کمزور جسم کے ریشے ریشے میں تھکن اتر جاتی ہے، حالانکہ اندھا "اندھیرا شناس" ہوتا ہے مگر پھر بھی اسے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، چکور تھکن سے

چور چور وجود لئے نورانی فجر میں جب نور کا پہرہ ہوتا ہے، ریت کے سینے پہ جا گرتا ہے اور مشرق کی چوکھٹ سے ابھرتے سورج سے پہلے آنکھیں موند لیتا ہے، جان نکل جاتی ہے مگر ایک چیز باقی رہتی ہے اور وہ چیز محبت ہوتی ہے ہر پورے چاند کی رات کو یہ رسم ادا ہوتی ہے مگر افسوس ان محبت کے شہیدوں کا کوئی مزار کوئی مقبرہ نہیں بنایا جاتا، دوم جگنو کے ساتھی اول جگنو نے چپ اوڑھ لی تھی، سارے میں ایک اذیت ناک بو پھیل گئی ایسی بو جو مردار سے اٹھتی ہے، چکور نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی تھی ہزاروں کی محفل اسے حوصلہ دینے آئی تھی، مگر جیسے ہی اس نے آسمان پر سجے چاند کو دیکھا اس کا دل دھڑک اٹھا، چاند نے ہم کلام ہونے کی ردا اوڑھی تھی، میں چاند ہوں، ہر آنگن میں اترنا میرا مقصد ہے اور کسی کی مٹھی میں قید نہ ہونا میرا حاصل ہے، کوششیں جاری رکھو ننھے پرندے۔" وہ چپ ہوئی پلکیں اٹھائیں آنکھوں میں نمی ہلکورے لے رہی تھی بولی تو آواز رندھی ہوئی تھی۔

"شوبز چاند ہے فرح اور تم چکور، مر بھی جاؤ گی تو اس تک نہیں پہنچ سکو گی تب تھکن تمہارے ریشے ریشے میں سرائیت کر کے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گی نہ آگے کا اور نہ ہی پیچھے کا۔" وہ اٹھی دروازے تک گئی رکی پھر مڑے بغیر بولی، وہ اس کی آنکھوں میں بسی بے حسی مزید نہیں دیکھ سکتی تھی ہمت ہی نہیں تھی اس میں پھر کیسے دیکھتی۔

"اگر ایسا کبھی ہوا تو تمہارے پاس رونے کے لئے آنسو بھی نہیں ہونگے ہر تحریر ہر کہانی میں بہت کچھ ہوتا ہے، ہمارے سیکھنے اور سمجھنے کے لئے اگر جو ہم سمجھیں۔" کہہ کر مڑے بنا وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی پیچھے وہ سوچوں میں گم تھی۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" آفس سے تھکی ہاری وہ گھر میں داخل ہوئی تو قدم دروازے میں ہی رک گئے سامنے نسرین بی بی اپنے بیٹے علی کے ساتھ بیٹھیں اس کی طرف ہی متوجہ تھیں ویسے تو نسرین بی بی ہمہ وقت ہی یہاں پائی جاتی تھیں پر آج حیرت کی وجہ ان کا بیٹا علی تھا جو اس وقت صحن میں اماں کے تخت کے پاس بیٹھا پر شوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا وہ کبھی نہیں آیا تھا اس کی آمد کی وجہ سمجھنے سے قاصر وہ جا کر ان کے درمیان بیٹھ گئی کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی، تبھی دستک دے کر اماں اس کے پاس آئیں، تین چار دنوں کی ناراضی کے بعد وہ اس کے کمرے میں آئیں وہ حیرت زدہ سی اٹھ بیٹھی۔

"ارے اماں آپ، مجھے بلا لیتیں۔" انہیں بیٹھنے کی جگہ دیتی وہ حیرت زدہ ہوئی۔

"کام مجھے تھا پھر آنا بھی تو میں نے ہی تھا نا۔" کمزور سی آواز میں کہا۔

"میں جانتی ہوں پتر، میری بات اس وقت تجھے بری لگے گی پر بری لگنے والی بات ہمیشہ سچ ہوتی ہے کیونکہ سچ بڑا کڑوا ہوتا ہے نیم کے پتوں سے بھی کڑوا، دیکھ پتر کچھ خوابوں کو خواب ہی رہنے دینا چاہیے اگر ہم ان کی تعبیر پانے کی کوشش کریں گے تو ضرور خود کھو جائیں گے اور جو عورت صبر نہیں کر سکتی یا جسے صبر کرنا نہیں آتا وہ سر پہ ہاتھ رکھ کے روتی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تو سر پہ ہاتھ رکھ کے روئے اسی لئے میں نے اک فیصلہ کیا ہے۔" وہ ایک پل کو رکیں فرح نے ساکت سے انداز میں انہیں دیکھا آخر اب کیا کہنے والی تھیں وہ، کیا اب سزا کا وقت آ گیا تھا، خواب دیکھنے کی سزا کا وقت یا پھر پیدا ہونے کی سزا کا وقت، اس کے دماغ نے سوچا لبوں نے

حرکت کی۔

"کیسا فیصلہ؟" اس نے پوچھا۔

"ہماری پڑوسن نسرین بی بی کے بیٹے علی سے تمہاری شادی کا فیصلہ۔" دھماکہ ہوا ہر چیز اڑ گئی اس کی بینائی خواب خواہش آرزو، وہ بے اختیار آگے بڑھی۔

"اماں میں......" کچھ کہنا چاہا جسے سننا تک گوارہ نہیں کیا گیا۔

"فیصلہ ہو گیا ہے فرح اور ہمیں یہ فیصلہ کرنے پہ تم نے مجبور کیا ہے کل شام نکاح کریں گے اور ہفتے بعد رخصتی۔" وہ کہہ کر اٹھی وہ بے اختیار بولی، اٹھنے کی ہمت اس میں کہاں تھی۔

"وہ تو آفس میں کلرک تھی، ہاں مگر اس کے عزت ہے پیار خلوص کی دولت ہے اور مت بھولو پیٹ کی بھوک کے علاوہ بھی عورت کی ایک بھوک ہوتی ہے محبت کی بھوک، اس کے پاس محبت ہے اور پیٹ کی بھوک کا اماں اس کا کیا۔" اذیت سے پرنم آواز میں پوچھا، انہیں اپنا دل کٹتا محسوس ہوا مگر کٹھور بن گئیں صرف اس کی خوشیوں کے لئے۔

"وہ تو صرف خدا پوری کرتا ہے وہی رازق ہے۔"

"تو پھر اس نے اماں سکینہ بی کی بھوک کیوں پوری نہیں کی۔" پتہ نہیں کیسے وہ سوال کر گئیں وہ مڑیں اسے دیکھا پھر مسکرائیں۔

"کیونکہ اس نے مجھے ماں بنانا تھا اولاد دینی تھی میں تمام عمر اپنی اولاد کی دعا جو کرتی رہی تھی اسے پھر کس طرح وہ میری دعا یا پھر کسی مومن کی دعا کو رد کرتا۔"

"میں نے بھی تو دعا کی ہے اماں ایک مشہور ایکٹرس بننے کی دعا۔" نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا وہ اس کی آنکھوں میں بکھری خواہشیں دیکھ کر ساکت ہوئیں دو قدم چلیں، اس تک آئیں ہاتھ بڑھایا، ان کا ہاتھ اب اس کے رخسار چھو رہا تھا۔

"اللہ بڑا پیارا ہے وہ اپنے بندے کی اس دعا کو قبول نہیں کرتا جو اس کے بندے کے لئے صحیح نہ ہو۔"

"آپ کو کیسے پتہ اماں کہ میری دعا میرے لئے صحیح نہیں ہے۔" پر اذیت انداز میں ان کا ہاتھ خود سے دور کیا۔

"کیونکہ بھوک سے بھاگنے صرف ایک ہی راستہ ایکٹرس بننا نہیں ہے تم کچھ اور بھی۔"

"میں اس کے سوا کچھ نہیں کرنا چاہتی۔" وہ اٹل انداز میں بولی انہوں نے دکھ بھری نظر اس پہ ڈالی۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے فرح، اب اور نہیں صبح امبر کے ساتھ جا کر نکاح کی شاپنگ کر آنا۔" کہتی وہ اٹھیں اور کمرے سے نکلتی چلی گئیں، ایسے کیسے کر سکتی تھیں، مارے حیرت دکھ اور بے بسی سے جب اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بے اختیار اقرام عابد کا نمبر ملایا جو دوسری ہی بیل پہ اوکے کر لیا گیا۔

"اقرام شوٹ کب ہے؟" چھوٹتے ہی پوچھا، وہ حیرت زدہ سا بولا۔

"کیوں کیا"

"میں نے کہا شوٹ کب ہے؟"

"دو دن بعد۔" اس نے بتایا۔

"اقرام اماں کل شام میرا نکاح کر رہی ہیں۔"

"واٹ؟" وہ حیرت زدہ سا چیخا، روتے ہوئے سسکیاں لیتے اس نے اسے ساری بات بتا دی۔

"اب کیا کریں؟" اقرام نے پوچھا وہ

آنسو صاف کرتی پرعزم آواز میں بولی۔
''میں کسی بھی صورت اپنے خوابوں سے دستبردار نہیں ہو سکتی، مجھے دوسری سکینہ بی نہیں بننا میری بات غور سے سنو، آج رات تین بجے تم ہمارے گھر کے باہر آ جانا وہاں سے ہم ایک ہوٹل میں رات گزارنے کے بعد میں شوٹ کے لئے روانہ ہو جاؤں گی۔'' اسے پورا پلان بتا کے وہ رائٹنگ ٹیبل پہ آ بیٹھی کاغذ قلم پکڑے وہ لکھتی چلی گئی۔

''اماں اور آپی! میں یہ کرنے کے لئے صرف آپ لوگوں کی وجہ سے مجبور ہوئی ہوں، پیاری اماں میں کیا کروں، میں مجبور اور بے بس ہوں اپنے خوابوں کے ہاتھوں، آپ جانتی ہیں نا مجھ میں صبر نہیں ہے میرے اندر موجود ایک بے چین ایکٹرس مجھے مار رہی ہے مجھے یوں لگتا ہے میں حبس بے جا میں قید ہوں میرے اندر کی ایکٹرس تڑپتی ہے مچلتی بین کرتی ہے مجھے تب اپنے اندر مہیب خلا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اندر کوئی آواز نہیں ہوتی میرے خوابوں اور خواہشوں کی، تب مجھے اپنے اندر سے تعفن اور سڑانڈ کے تیز بھبکے اٹھتے محسوس ہوتے ہیں اور میرے مردہ وجود میں سرائیت کر جاتے ہیں ہم جیتے ایک بار ہیں مرتے بھی ایک بار ہیں تو پھر کیوں میں سکینہ بی اور اللہ وسائے جیسی زندگی جیوں، میں صرف روٹی کے لئے کیوں اماں سکینہ بی کی طرح جیل میں مروں، اماں میں ایسا نہیں کر سکتی میں اپنی قسمت خود بناؤں گی اپنے ہاتھوں سے اور پھر ایک دن میں فخر سے سر اٹھائے آپ دونوں کے سامنے کھڑی ہوں گی۔''

فرح

خط لکھ کر اس نے ایک آخری نظر گھر پہ ڈالی، اس گھر پہ جس کے در و دیوار سے چیخ چیخ کے روتی بھوک وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی پھر وہ بستر پہ بے سدھ سوئی امبر کو دیکھتی باہر نکل آئی، نجانے کتنی ہی دیر وہ سوئی اماں کو دیکھتی رہی آنکھ سے نکلتا آنسو آج بھی اسے بے بس کر گیا اس اک دل ایک پل کے لئے رکا پھر دھڑکا، اپنے کپڑوں کا بیگ لئے وہ دروازے کی سمت بڑھی، رات کی تاریخی چیخنی، آسمان پہ چمکتے چاند نے تنبیہ انداز میں اسے گھورا۔

اسے لگا جیسے کوئی آواز اسے روتی کہہ رہی ہو، اے خوابوں کے پیچھے بھاگنے والی نادان لڑکی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم انہی خوابوں کے ہاتھوں ایسے ٹوٹ جاؤ کہ تمہیں اپنی ہی کرچیاں زخمی کر دیں، اس نے آہستہ سے دروازے کی سمت ہاتھ بڑھایا، ایک طرف ماں اور بہن تھی تو دوسری صرف خواب، چپ تماشائی دروازے نے جیسے بولنے کی ردا اوڑھ لی۔

''رک جاؤ نادان لڑکی! اگر اک ایک بار دہلیز پار کی تو مڑ کر نہ آ سکو گی۔'' جسے ان سنی کرتے اس نے قدم اٹھایا اور دہلیز چیخ اٹھی اور روتی چلی گئی۔

''کیا تم نہیں جانتی رات کی تاریکی میں گھر سے نکلا عورت کا ایک قدم اسے برباد کر کے ایسی جگہ پھینک دیتا ہے جہاں سوائے اندھیرے اور تاریکی کے کچھ نہیں ہوتا کچھ بھی نہیں۔''

اور ایک بار پھر بی بی حوا کی بیٹی حضرت آدم کے بیٹے کے لئے دہلیز پار کر گئی اور وقت گواہ ہے کہ دہلیز پار کرنے والے اکثر ایسے راستے میں گم ہوئے ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں، چمکتا چاند تمسخرانہ نظر اس پہ ڈالتا بادلوں کی اوٹ میں جا چھپا، باہر اقرام عابد زمان گاڑی لئے کھڑا تھا وہ چپ چاپ جا کر اس میں بیٹھ گئی۔

''آر یو او کے۔'' اسے ساکت دیکھ کر پوچھا۔

''کیا میں نے صحیح کیا؟'' عجیب سے انداز میں بولی۔

''بالکل صحیح کیا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اسے جواب دے کر اس نے گاڑی ہوٹل کی طرف موڑ لی باہر رات بھیگتی رہی لمحے گزرتے رہے وہ اسے ہوٹل کے ایک کمرے میں لے آیا، ڈبل بیڈ صوفہ سیٹ ایک عدد ٹی وی، وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

''تم سو جاؤ پھر صبح اپنی منزل کی طرف نکلیں گے۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا وہ بیڈ کی طرف بڑھ گئی، سوچ میں گم کب نیند کی وادی میں اتری احساس ہی نہ ہوا، رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ عجیب سے احساس سے کھلی، کسمسا کر کروٹ بدلی اور اقرام عابد زمان کو خود پہ جھکے دیکھ کر ساکت رہ گئی، پھر اس کی سسکیاں آہیں منتیں اس کے گلے میں ہی دم توڑ گئے آنکھوں سے بہتے آنسو تکیے بھگونے لگے، رات گزرتی رہی وہ لٹتی رہی اور کونے میں کھڑا شیطان قہقہے لگاتا اس کی بے بسی پہ ہنستا رہا۔

رات گزری صبح کی پرنور فضا چھائی۔

''ایسے کیوں کیا اقرام عابد۔'' وہ زخمی شیرنی کی طرح پھنکاری۔

''میں نے کیا کیا ہے؟ یہ سب کچھ تم نے خود ہی اپنے ساتھ کیا ہے، میں نے کہا تھا تمہیں بھاگنے کے لئے اور مجھ پہ اعتبار کرنے کے لئے۔'' پرسکون انداز میں جواب دیا وہ بے بسی سے بولی۔

''مجھے گھر جانا ہے ابھی اور اسی وقت۔''

''کیوں خواب پورے نہیں کرو گی اپنے۔'' شیشے میں بال سنوارتے طنز کیا وہ اٹھی اس تک آئی۔

''مجھے برباد کر دیا تم نے اور کہتے ہو میں خواب پورے کروں گی میرے ہر خواب کی وجہ تم تھے اقرام عابد زمان۔'' کرلائی پھر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی اقرام تم نے مجھے برباد کر دیا۔'' وہ اب رو رہی تھی سینہ کوبی کرتی بالکل سکینہ بی جیسی لگ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں نہیں فرح تم نے خود کو خود برباد کیا ہے چلو تیار ہو جاؤ اب تمہارے خوابوں کی تکمیل کریں۔''

☆☆☆

نفرت بھری نگاہ اس پہ ڈالی، لاکھ کہا کہ اس نے گھر جانا ہے پھر وہ اسے نہیں لے گیا دوبارہ بھاگنے کی کوشش کی تو اس نے ایسی سزا دی کہ اس کی روح تک کانپ اٹھی اور پھر وہ اسے ایک بڑے سے بنگلے پہ لے آیا۔

''مال تو اچھا ہے چل یہ لے دو لاکھ پچھلی بار بھی دو لاکھ ہی تو نے لیا تھا پر وہ لڑکی بھاگ گئی اگر اب یہ بھاگی نا تو تیرا حال برا ہو گا۔'' پان منہ میں ڈالتے کہا وہ آنکھ دباتا خباثت سے بولا۔

''یہ اب نہیں بھاگے گی وعدہ رہا۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے بڑھایا وہ مڑی تھڑ تھڑ بد دعائیں دیتی اس پہ ٹوٹ پڑی، بکھرے بال رو رو کر لال ہوتیں آنکھیں وحشت زدہ وجود وہ ہذیانی ہو گئی۔

''اللہ تجھے کتے کی موت دے اقرام تو نے تو مجھ سے محبت کی تھی عشق کیا تھا تجھے میری ذات سے پھر کیوں کیا ایسا بول جواب دے۔'' اسے مارتے مارتے جب تھکی تو اس کے ہی قدموں میں بیٹھتی بولتی چلی گئی جھک کر اسے بالوں سے پکڑتا وہ غرایا۔

''کیسی محبت اور کہاں کی محبت فرح بی بی

مرد ہمیشہ صرف اپنی بیوی اور ماں سے محبت کرتا ہے باقی سب سے ٹائم پاس اور تو میرا ٹائم پاس تھی تجھی ٹائم پاس، اسے لے جاؤ۔" اسے دھکا دیا وہ تارا بائی کے قدموں میں جا گری کسی نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا وہ ہوش وخرد سے بیگانی ہوتی چلی گئی اور پھر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس کی عزت تار تار ہوتی گئی۔

رات کی تاریکی اسے کھا گئی یا پھر شاید اس کے اپنے ہی خواب وہ ایک جیتے جاگتے وجود سے کھلونا بنا دی گئی جس کا دل آتا اس سے کھیلتا پھر قدموں تلے مسل کر چلا جاتا وہ روتی تو آنسو تک نہ نکلتے سسکیاں اندر ہی کہیں دم توڑ گئیں۔

پتہ نہیں کتنے دن گزرے تھے یا کتنی رات اس نے حساب رکھنا تو کب کا چھوڑ دیا تھا، کیا واقعہ انسان کا ایک غلط فیصلہ اسے اس قدر خراب کر دیتا ہے کہ پھر موت بھی مانگنے سے نہیں آتی، وقت حیرت کرتا لمحے اس پہ ترس کھاتے اور رات کی تاریکی میں کھڑکی سے اسے لٹتے دیکھ کر چاند روتا تو روئے جاتا بین کرتا سینہ کوبی کرتا تڑپ تڑپ کر بجھنے کو بے تاب ہوتا اور وہ کسی بے جان وجود کی طرح بے حس وحرکت ہو جاتی اس کے آنسو آہیں سسکیاں نکلنے سے عادی ہو کر اس کے اندر ہی کہیں گر گر کر اسے مارنے لگتے وہ روز برباد ہوتی شکوہ کرتی تو کسی سے شکایت کرتی تو کسی سے یہاں تو قصور اس کا تھا جج ضمیر اور وکیل رات کی تاریکی تھی اور وہ ضمیر کے کٹہرے میں کھڑی ہار جاتی ہاں ہارتی ہی نہیں مر بھی جاتی نہ کوئی اس پہ ترس کھاتا اور نہ ہی کسی کو اس پہ رحم آتا اور پھر وہ ایک دن ڈھٹ گئی۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے اگر تارا بائی کو پتہ چلا تو تو جانتی ہے کہ وہ تیرا کیا انجام کریں گی۔" بے حس چنبیلی چیخی وہ گھٹنوں پہ تھوڑی رکھے یونہی بیٹھی بیٹھی بولی۔

"مار دیں گی نا، اچھا ہے مار ہی دیں روز روز کے مرنے سے بہتر ہے کہ میں ایک بار ہی مر جاؤں۔" اس کی بات پہ چنبیلی نے اک بے حس نظر اس پہ ڈالی ہر جذبے ہر احساس سے خالی نظر۔

"کیا ہو رہا ہے یہ۔" لڑیوں کی چھن چھن کے ساتھ تارا بائی پان منہ میں رکھے کمر پہ ہاتھ ٹکائے اندر داخل ہوئی۔

"یہ آج تیار ہونے سے انکار کر رہی ہے باہر گاہک کب کا انتظار کر رہے ہیں۔" ڈرتے ڈرتے چنبیلی بولی وہ اس کے سر پہ پہنچ کر بولیں۔

"کیوں ری کیا مصیبت ہے تجھے پہلے تو آرام سے مان جاتی تھی اب کیوں نیک پروین بن رہی ہے سیدھے سے تیار ہو ورنہ۔" انگلی اٹھائی وہ اٹھی دو قدم چل کر ان تک آئی ایک طرف بے حسی تنفر اور تندہی تھی تو دوسری طرف روز روز لٹتی عزت۔

"آپ کو مجھ پہ رحم نہیں آتا میں کسی کی بیٹی بہن ہوں۔" آواز لڑکھڑائی پر وہ ہمت کر کے مزید گویا ہوئی۔

"خدا سے نہیں ڈرتی آپ، روز نجانے کتنی لڑکیوں کی۔"

"خبردار گستاخ لڑکی جو ایک لفظ مزید کہا تو۔" پان ایک طرف تھوکتی وہ اس کی بات کاٹ کر کسی زخمی شیرنی کی طرح پھنکاری پھر دو قدم چل کر اس کے قریب ہوتی اس کے بال مٹھی میں جکڑے جھٹکے دیتے بولی، وہ کراہ بھی نہ سکی۔

"رحم کی بات کرتی ہے تجھے تو اس وقت اپنی ماں بہن پہ رحم نہیں آیا جب رات کی تاریکی میں اپنے یار کے ساتھ بھاگ گئی تھی، بڑی خدا سے ڈرنے والی بنتی ہے اس وقت تجھے تو اس خدا سے خوف نہیں لگا جب سب سے چھپ کر رات کے اندھیرے میں اپنے یار سے باتیں کرتی تھی فون پر۔" غصے سے کہتی وہ اسے بیڈ پہ دھکا دیتے بولی۔

"جب تو نے ان ساری باتوں کے بارے میں نہیں سوچا تو میں کیوں تجھ جیسی پہ رحم کھاؤں چل تیار ہو۔"

"میں تیار نہیں ہوں گی۔"

"اے کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہے جو کہتی ہیں کر لو اسی میں تمہاری عافیت ہے۔" چنبیلی جلدی سے اس کی خیر خواہ بنی اس نے نفرت بھری نظر اس پہ ڈالی۔

"عافیت کیسی عافیت بھلا عزت لٹا کر ملنے والی عافیت بھی انسان کی عافیت ہے۔"

"یہ ایسے نہیں مانے گی چنبیلی جا باہر سے میرا سگار لے آ۔" تارا بائی غصے سے چیخی، چنبیلی باہر کی طرف بھاگی کچھ دیر بعد وہ سگار لے آئی، جلتا ہوا سگار تارا بائی نے آگے بڑھ کر وہ اس کے پیروں تلے لگایا پوری حویلی اس کی دل خراش چیخوں سے گونج اٹھی اور پھر اگلے ہی پل وہ ہوش وخرد سے بیگانی ہو گئی، کھڑکی سے جھانکتے چاند نے ترس بھری نظر اس پہ ڈالی اور بادلوں کی اوٹ میں جا چھپا۔

"عورت کی عزت کانچ کے برتن جیسی ہوتی ہے جو اگر ایک بار ٹوٹ جائے تو اسے جوڑ بھی لو تو بھی اس میں دراڑ پڑ جاتی ہے پھر جب اس میں اپنی شکل دیکھو تو وہ خوفناک نظر آنے لگتی ہے، ان ٹکڑوں میں بٹی شکل انسان کے وجود کو بگاڑ دیتی ہے، زندگی کے کسی بھی موڑ پہ اپنے وجود اپنی عزت پہ داغ نہ لگنے دینا تم مان ہو اللہ وسائے کی سکینہ بی بی کا۔"

اور اسے لگا جیسے اس کی شکل بگڑنے لگی ہو بد صورت سے بدصورت ہوتی ڈروانی سے ڈروانی وہ چیخ مار کر اٹھی بے اختیار اِدھر اُدھر دیکھا کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆

آج نجانے کتنے ہی دنوں کے بعد وہ برگد کے پار نارنجی بیلوں کے پھول چن رہی تھی آج بھی وہ کہہ رہا تھا اور وہ چپ چاپ اسے سن رہی تھی ہاں مگر آج فرق تھا اور وہ فرق یہ تھا کہ صدر خوش تھا بہت سے زیادہ خوش۔

"اماں کہتی تھی ہر برے کام کا انجام برا ہوتا ہے اور اچھے کا اچھا۔" کہتا وہ مسکرایا۔

"تو کیا وہ بھی بری تھی اور اس کا انجام بھی برا۔" پھول چنتے ایک پل کو اس کے ہاتھ تھمے پھر سے مصروف عمل ہو گئے۔

"وہ کہتی تھیں صدر پتر ہمیشہ صبر کرنا کیونکہ جسے صبر کرنا نہیں آتا وہ اپنے سر پہ ہاتھ رکھ کے روتا ہے اور میرا پتر تو ہے ہی بڑے صبر والا اور میں نجانے کتنی ہی دیر بے یقینی سے اماں کے بوڑھے وجود کو دیکھتا رہا پھر حیرت زدہ سا اس سے پوچھا۔"

"اماں صبر کیسے کرتے ہیں۔" میری بات پہ اماں کے شفیق چہرے پہ پر سکون مسکراہٹ دوڑی۔

"صبر کا مطلب ہے جب کوئی آپ کا دل دکھائے یا آپ کے ساتھ ناانصافی کرے تو تم چپ رہنا مطلب اسے برا نہ کہو غصہ نہ کرو بس خاموشی اختیار کر لو اگر وہ باشعور ہوا تو خود ہی پہچان جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو وہ اپنے کیے کا انجام خود ہی بھگتائے گا۔"

"اور پھر میں صبر پہ صبر کرتا چلا گیا ابا مارتے چپ رہتا خاموشی اختیار کر لیتا پھر رات بھر چاند کو اپنا ہمراز بنائے ہر دکھ درد کہتا تو یوں لگتا جیسے کسی



نے میرے انگ انگ میں سکون ہی سکون بھر دیا ہو۔" کہہ کر مسکرایا، گندمی رنگت چمک اٹھی، عام سے نین نقش کا مالک وہ جب بھی مسکراتا تھا تو اسے اپنا دل بے قابو ہوتا محسوس ہوتا وہ اک حسرت سے اس کی پرسکون مسکراہٹ دیکھ کر رہ جاتی۔

"تم جانتی ہو کل کوٹھے پہ جہاں آرا کسی لڑکی کو لے آئی تھی، اس کی چیخوں نے میرے دل و دماغ کو ہلا دیا میں نے انہیں روکنا چاہا تو انہوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا میں چپ چاپ ان کی مار سہتا رہا اور پھر میں نے اک فیصلہ کیا، ایسا فیصلہ جسے کر کے مجھے اپنے اندر سکون ہی سکون اترتا محسوس ہوا، میں نے پولیس کو فون کر کے کہا کہ حسن آراء کوٹھے پہ ایک لڑکی کو زبردستی لے آئی ہے پھر دس منٹ بعد پڑنے والی ریڈ میں پولیس سب کو اپنے ساتھ لے گئی۔" کہہ کر وہ اٹھا تو نہر کے پانی میں تیرتے اس کے پاؤں زمین پہ نشان چھوڑنے لگے وہ اس تک آیا ہاتھوں میں اٹھائے پھولوں میں سے ایک پھول اٹھا کر وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا اسے ساکت کر گیا۔

"مجھ سے شادی کرو گی۔" اس نے کہا وہ ساکت رہ گئی ہاتھوں میں اکٹھے کیے پھول اس کے قدموں میں جا گرے زمین پہ گرے پھول اگلے ہی پل سیاہی پکڑنے لگے۔

☆☆☆

"اے چل اب تیری باری ہے۔" گلابی نے پیچھے سے اسے ٹہوکا دیا وہ دو قدم آگے جا کھڑی محفل میں جیسے سکوت سا پڑ گیا اس سے پہلے گانا پھر پھر، اسے زیادہ وہ سوچ نہ سکی سفید چوڑی دار پاجامے میں لال کلر کا گھیر دار فراک پہنے انار کلی والی ٹوپی سر پہ رکھے وہ دیکھنے والوں کو تو ساکت کر ہی گئی تھی مگر اس کے ساتھ بیٹھے ... الدین نے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھا تو ... پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکتی ایک ہاتھ ہونٹوں پہ رکھے نکلتی سسکیوں کو دباتی وہ اذیت کے مرحلے میں کھڑی تھی اور پھر اس کی درد سے گونجتی آواز وہاں پہ موجود سب کو ساکت کر گئی آنسو قطرہ قطرہ گرتے اس کے گلابی ہونٹ ... ٹھہرنے لگے۔

میرے درد کو زباں ملے
میرے لبوں کو آہ ملے
وہ جو کھو گئیں عشق میں منزلیں
ان منزلوں کو راستہ ملے
میرا دکھ مجھے ہے چیرتا
میرے دکھ کو [illegible] کا راستہ ملے
میں کھو گئی ہوں اندھیروں میں
کوئی روشنی یا چراغ ملے
میں تنہا تنہا ہوں پھرتی
کوئی ساتھی کوئی دلبراں ملے
آنکھوں سے بہتے ان آنسوؤں کو
کوئی رہ کوئی راستہ ملے

لبوں نے جیسے ہی خاموشی اختیار کی ... الدین تارا بائی کے قریب ہوا۔

"یہ مال کب آیا۔"

"ہفتہ پہلے ایکٹرس بننے کے لئے گھر سے بھاگی تھی اپنے یار کے ساتھ وہ اسے یہاں بیچ کر چلا گیا۔"

"ہوں۔" پرسوچ انداز میں بولا۔

"پانچ لاکھ۔" اس نے بولی لگائی تبھی چاروں طرف فضا میں آوازیں بلند ہوئیں، چار لاکھ، دو لاکھ، تین لاکھ اور پھر وہ وہیں پہ گری ... ہوش و خرد سے بیگانی ہوتی چلی گئی۔

"میں یہاں کیسے؟" اس نے اپنی نم ...

آنکھوں سے اردگرد دیکھا اور ساکت رہ گئی، وہ کبیر الدین کے عالیشان بیڈ روم میں تھی اور وہ سامنے ہی بیٹھا شاید اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''تم اس وقت میرے گھر میں ہو میں نے تمہیں دس لاکھ میں خریدا ہے تمہیں ایکٹرس بننا تھا تو میں بناؤں گا تمہیں ایک کامیاب ایکٹرس، اس کے بدلے میں تم اور میں اس وقت تک ایک ساتھ میاں بیوی بن کر رہیں گے جب تک میرا دل کرے گا۔''

''مجھے ایکٹرس نہیں بننا مجھے اپنے گھر جانا ہے پلیز۔'' اٹھ کر اس تک آئی وہ اٹھا اس کے مقابل ہوا بے اختیار اس کے رخسار چھوئے۔

''تم اب میری ملکیت ہو تمہارا جو بھی نام تھا ہے پر آج سے تم سونیناں ہو کبیر الدین کی رکھیل۔'' لفظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ جو میرے کانوں میں انڈیلا گیا تھا وہ ساکت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں دکھ ہی دکھ درد ہی درد اور پھر وہ فرح سے سونیناں بن گئی بالکل ویسے جیسے کبیر الدین نے کہا تھا عجیب بات ہے میں کوٹھے سے نکل کر بھی نکل نہ سکی۔

''تم نے جسے محبت کی وہ کوئی اور تھی اور اب جو تمہارے سامنے کھڑی ہے وہ کوئی اور ہے۔'' نارنجی بیلوں کے پھول ساکت سے اسے سن رہے تھے۔

قطرہ قطرہ گرتے آنسو اس کے رخسار بھگوتے اسے بے بس کر گئے۔

''محبت بڑا پاک جذبہ ہے صدر، یہ مجھ جیسی کے لئے نہیں میری تو عزت تک نہیں تو یہ پاک محبت کیسے میری ہو سکتی ہے نہیں صدر بالکل نہیں محبت اور سونیناں یا پھر فرح ان کا کوئی جوڑ نہیں۔'' وہ مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی جبکہ وہ ساکت تھا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اضطراب ہی اضطراب، درد ہی درد، دکھ ہی دکھ، محبت رو[illegible] فرح کے نصیب پہ نارنجی بیلوں کے پھول ساکت ہوئے بھی نہ گرنے کے لئے۔

☆☆☆

''کبیر الدین غلطی تمہاری نہیں میری تھی اگر میں اس رات گھر سے نہ بھاگتی تو تم کیا کوئی بھی آدم زاد میرا کچھ نہیں کر سکتا تھا، خواب دیکھ[نا] گناہ نہیں مگر ان کی تعبیر پانے کے لئے ہر حد سے گزر جانا نقصان دہ ہوتا ہے [illegible] لئے بھی ا[ور] دوسروں کے لئے بھی، میں سمجھتی تھی انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے مگر میں غلط تھی انسان اپنی قسمت خود بناتا نہیں بلکہ بگاڑتا ہے اور میں بھی یہی کیا صراط مستقیم کو چھوڑا تو گمراہ ہوتی چلی گئی، اندھیرے میں گھر سے ایک قدم نکالا تو میرے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا چلا گیا، ایسا تاریک اور گھور اندھیرا جو میری عزت نگل گیا، میں نے پہلی غلطی کی اقرار عابد زمان سے محبت کر کے حالانکہ ہمارے مذہب میں [illegible] سے پردے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ہم یہ [illegible] کریں، مگر میں محبت کا دم چھلا لگائے اسے مو[قع] دیتی گئی اور وہ مجھے برباد کرتا گیا، عورت کو محبت صرف اپنے شوہر سے کرنی چاہیے جو دن [illegible] دھوپ میں صرف اس کے لئے کھڑا ہوتا ہے، میں نے ایک نامحرم سے محبت کی میری دوسری غلطی خواب دیکھنا نہیں بلکہ ان خوابوں کے [لئے] گھر سے بھاگنا تھی، اگر آج میں اس کلرک [illegible] سے شادی کر چکی ہوتی تو بیشک میرے ادھورے خواب مجھے تنہائی میں ڈستے زخمی کرتے مگر میرے پاس عزت تو ہوتی سر اٹھا کر جینے کا حق ہوتا، تب اگر کوئی مجھ پہ غلط نگاہ ڈالتا تو وہ ا[س] میرے لئے مارنے تک سے درگزر نہ کرتا [illegible]

[ک]چھ نہ ہو کر بھی میرے پاس سب کچھ ہوتا، تم نے [مج]ھے استعمال کیا بیچا تو بیچتے ہی چلے گئے اور میں بکتی [ہ]ی چلی گئی، ایک بار میری عزت لٹی تو لوٹتی ہی چلی [گئ]ی میں اپنی ماں سکینہ جیسی نہیں بننا چاہتی تھی مگر [ب]ن گئی اسے ایک روٹی نے بے مول کیا اور مجھے، [ر]وٹی کے ڈر نے ہاہ۔'' وہ ہنسی بڑی درد بھری ہنسی [ت]ھی اس کی ایک آنسو رخسار پہ ہوتا خط پہ جا گرا۔

''کاش میں اس رات گھر سے نہ بھاگتی تو [می]را یہ حال نہ ہوتا تم صحیح کہتے ہو میں ہمدردی تو [ک]یا کسی کی نفرت کے قابل بھی نہیں ہوں، کچھ [د]نوں پہلے ہی مجھے پتہ چلا میرے گھر سے بھاگنے [ک]ی خبر اماں برداشت نہ کر سکی اور لوگوں کے طعنے [ا]با کی بھی جان لے گئے اس نے خودکشی کر [لی۔]'' آنسو ٹوٹ کر اس کے قلم پہ جا گرے۔

''[ت]م مجھ سے زیادہ بہادر تو وہ تھیں ساری [زن]دگی عزت [illegible] ہی اور میری ''دلتی''۔

''میں جا رہی ہوں کبیر الدین، تمہارا دیا ہوا [س]ب کچھ چھوڑ کر مجھ میں اور ہمت نہیں سہنے کی، کبھی [ل]وٹ کر واپس آنے کے لئے آخر ہو [illegible] تو سوچنا آخر کیا [ن]ہیں ہماری دین سے دوری [illegible] نہ اچھی [ز]ندگی؟ اور نہ ہی خوبصورت آخرت، یہاں بھی [illegible] ہوئے رسوا ہوئے وہاں بھی خرابی ہی خرابی، [ص]رف [illegible] کے لئے رک کر سوچنا ضرور میں [س]ونیناں نہیں فرح [illegible] سے بھاگی ہوئی فرح، بار [بار] لٹنے والی فرح، کٹ [illegible] کر مرتی فرح اور مر مر کر جیتی فرح۔''

خط لکھ کر وہ اٹھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی [آ]ج نجانے کتنے ہی برسوں بعد اس [illegible] [س]کون ہی سکون تھا، زندگی میں پہلی بار اس نے [ش]اید صحیح فیصلہ کیا تھا، خالی ہاتھ گھر سے نکلتے اسے [صد]ر کی بات یاد آئی چاند اور چکور والی۔

اسے اپنا آپ بھی اک چکور جیسا لگا، وہ بھی تو چکور ہی تھی عزت کی خواہش میں مچلتی چکور اور عزت شاید اب کبھی اس کا مقدر نہیں بن سکتی تھی۔

''کیونکہ وقت گواہ تھا ہے اور رہے گا۔''

رات کی تاریکی میں گھر سے بھاگنے والی لڑکی کا ہر چیز ساتھ چھوڑ دیتی ہے، سب سے پہلے عزت وہ ہمیشہ بھوک اور بے حسی سے ڈرتی رہی اسے ڈر تھا کہ بھوک اس کی آنکھوں میں بس کر اسے بے حس نہ بنا دے، پھر چاروں طرف بھوک ہی بھوک نہ رہ جائے، وہ اس سے بھاگتی رہی، بھاگتی رہی، بھاگتی رہی مگر پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ ہار گئی، جسے وہ بھاگ رہی تھی وہ اس کے سامنے ہی تو کھڑی تھی اس کا راستہ روکے بالکل سامنے، اب نہ واپسی کا کوئی راستہ تھا اور نہ ہی سامنے منزل، وہ تھک ہار گئی ٹوٹ کر ایسی بکھری کہ پھر جڑ نہ سکی، کیونکہ اس کا راستہ غلط تھا انداز غلط، خیال غلط، طریقہ غلط اور بھی نجانے کیا کچھ غلط پہ غلط، تو پھر اس کا اینڈ بھی انجام کیسے صحیح ہو سکتا تھا، کبھی نہیں مر کر بھی نہیں، اس کی کہانی بھوک پہ شروع ہوئی اور بھوک پہ ہی ختم، روٹی کی بھوک، عزت سے رہنے کی بھوک، دولت، پیسہ، نام اور شہرت کی بھوک یہ ساری بھوکیں مل کر انسان سے اس کا سب کچھ چھین لیتی ہیں اور آپ جانتے ہیں نا حقیقتوں میں ہیرو نہیں ہوا کرتے، نہ ہی [انجام] خوشیوں سے پر ہوتا ہے، اسی کا مقدر صرف [تنہائی] تھی، کیونکہ ایسوں کا مقدر صرف دکھ...... دکھ...... اور دکھ ہوتے ہیں۔

☆☆☆



مٹی رقص

بشریٰ سیال

''پتھر مارنے والے کو کبھی اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ سمندر میں کتنی گہرائی میں جائے گا۔'' اس کا بہت موڈ بہت بگڑا ہوا تھا اور فارقلیط حسن کے لیے سخت پریشانی کا باعث تھا۔

''میں تمہیں دس منٹ دے رہا ہوں، تیار ہو جاؤ، ہم باہر جا رہے ہیں۔'' وہ کوٹ پہننے لگا تھا۔

''مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔'' اس کی جانب دیکھے بناء بولی تو وہ تیزی سے مڑا اور اس کے سامنے آ کھڑا تھا۔

☆☆☆

گاڑی سیاہ تارکول کی سڑک پہ سبک رفتاری سے جا رہی تھی، وہ دونوں ہی خاموش بیٹھے تھے، دونوں کے دل اور ذہن میں بہت سی باتیں تھیں، مگر کہنے کی ہمت نہ تھی، اپنے خیالوں میں گم وہ نا جانے کیا سوچ رہے تھے، انہیں خبر ہی نہ ہوئی

نویں قسط



ناولٹ

سامنے سے ایک تیز رفتار گاڑی ان کی گاڑی سے ٹکرائی، زوردار دھماکہ ہوا۔

''آہ!'' ان دونوں کی چیخیں فضا میں بلند ہو گئیں، اردگرد لوگ جمع ہو رہے تھے، بھانت بھانت کی بولیاں تھیں، بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے آخری مرتبہ وہ چہرہ دیکھا تھا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔

ان کے اردگرد بہت سارے لوگ جمع ہو چکے تھے، دور سے ایمبولینس کی آواز آ رہی تھی، انہیں کچھ پتہ نہ آ رہا تھا، ان کے بازو اور سر پہ چوٹ لگی تھی، ایمبولینس انہیں لے کر ہاسپٹل پہنچی تھی، وہ بے ہوش ہو چکے تھے، انہیں معمولی چوٹیں آئی تھیں، دوبارہ ہوش آنے پر انہوں نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ اردگرد نگاہیں دوڑائیں، وہ دماغ پر زور ڈالنے لگے۔

''گل افزاء!'' سب کچھ جیسے واضح ہو گیا

تھا، ایک ایک بات یاد آنے لگی تھی، دروازہ کھلا تھا، نرس اور وارڈ بوائے اندر آئے تھے۔

"گل افزاء کہاں ہے؟" وہ ان دونوں کے چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے، جبکہ وہ دونوں خاموش تھے۔

"بولتے کیوں نہیں ہو؟" ان کا دل کسی انہونی کے احساس سے تھمنے لگا تھا۔

"یہ...... یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" وہ ہاتھ سے برینولا اتار کر پھینکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ لیٹے رہیں پلیز۔" ان دونوں نے انہیں روکنا چاہا، مگر وہ ان کی بات سن ہی کب رہے تھے، باہر کی جانب بڑھے، انہیں اس وقت کچھ بھی یاد نہ تھا، اگر یاد تھا تو صرف یہ کہ گل افزاء ان کے ساتھ تھی اور اب نا جانے کہاں اور کس حال میں ہو گی۔

"غضنفر!" وہ باہر نکلے تھے کہ سامنے سے آتی صوفیہ کی ان پر نظر پڑی، ان کے ساتھ عدیل بھی تھا، وہ دونوں تیر کی سی تیزی سے ان کے قریب آئے تھے۔

"غضنفر آپ ٹھیک تو ہیں؟" انہیں جب فون آیا کہ غضنفر علی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تو زمین ان کے قدموں تلے سے سرکنے لگی تھی، عیسیٰ احمد کی ٹینشن میں وہ پورا دن ان سے کانٹیکٹ نہ کر سکی تھیں اور جب یہ خبر آئی تو وہ گویا بے جان ہو گئیں۔

"گل افزاء کہاں ہے؟" ان کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

"بولتے کیوں نہیں تم لوگ؟" وہ چلائے تھے۔

"غضنفر اس کی Death ہو......"

"نہیں۔" انہوں نے اپنا ہاتھ صوفیہ کے منہ پر رکھ دیا تھا۔

"شی!" وہ اپنے منہ پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کے لئے کہہ رہے تھے۔

"اتنے سالوں بعد وہ مجھے ملی ہے، ایسا نہیں کر سکتی وہ۔" وہ ہذیانی انداز میں بولے تھے۔

"وہ ایسی نہیں ہے۔" انہیں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"خبردار! اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو۔" وہ اپنے حواسوں میں نہ لگتے تھے، عدیل نے ان کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی جانب بڑھا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں [illegible] جان۔" وہ انہیں بہلا پھسلا کر گاڑی میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا تھا، بے دم ہو کر انہوں نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا، گاڑی کے پیچھے ایمبولینس آ رہی تھی۔

☆☆☆

"ہیلو بیوٹی کوئین۔" زین باہر سے آیا تھا اور آتے ہی حال کو دیکھ کر شروع ہو گیا۔

"زین!" انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"ماں ہوں میں تمہاری۔" انہوں نے [illegible] نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"ماں! آپ کی خوبصورتی کی تعریف کر رہا ہوں، آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"اب کہاں خوبصورت ہوں زین۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔

"اب تو ایک شکستہ کھنڈر بن چکی ہوں۔" زین ان کے دل میں چھپے درد کو اچھی طرح سمجھتا تھا، ایسا نہ تھا کہ اسے ان کے دکھوں کا اندازہ یا پرواہ نہ تھی مگر اس نے ہمیشہ ان کو خوش کرنے، ہنسانے اور ان کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ یہ نا جانتا تھا کہ ایک عورت اپنے شوہر کی موت

کا غم نہیں بھلا سکتی، یہ ایسا غم ہے جو گزرتے وقت کے ساتھ اور بڑھتا ہے، دن میں سلگتا اور راتوں کو لو دیتا ہے۔

"کھنڈر بتاتا ہے کہ عمارت حسین تھی۔" وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا، اس نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا۔

"کھانا کھاؤ گے یا کھا کر آئے ہو؟" انہوں نے خود ہی موضوع بدل دیا تھا، وہ بیٹے کو اداس نہ کرنا چاہتی تھیں، جانتی تھیں وہ بظاہر ہنستا رہتا ہے مگر اس کی زندگی میں بھی رشتوں کی بہت کمی ور محرومیاں ہیں۔

"ارے میری شہد سے زیادہ میٹھی ماں، میں بھلا کیوں کھانا کھا کر آؤں گا، آف کورس آپ کے ہاتھ کا کھانا کھاؤں گا۔" وہ اٹھ کر چلی گئی تھیں، کچھ دیر میں انہوں نے اسے آواز دی تھی۔

"زین! آ جاؤ بیٹا، کھانا گرم ہو گیا ہے۔" وہ اٹھ کر کچن میں آ گیا تھا، وہ کھانا ٹیبل پر رکھ چکی تھیں، زین نے پانی لا کر رکھا اور سلاد بنانے لگا۔

"رہنے دو، یہ تمہارے کرنے کا کام نہیں۔" انہوں نے چھری اس کے ہاتھ سے پکڑنا چاہی۔

"رہنے دیں ماں [illegible] نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب کام خود اپنے مبارک ہاتھوں سے کرتے تھے تو ہم کیا چیز ہیں۔" وہ محبت سے اپنے پیارے بیٹے کو دیکھنے لگیں۔

"ماما اسلام یہ ہرگز نہیں کہتا کہ گھر کے سب کام صرف عورت کی ذمہ داری ہیں، مرد کو بھی اس کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔" سلاد بن گیا تھا اور وہ ہاتھ دھو آیا تھا۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں زین کہ تم میرے بیٹے ہو۔" انہوں نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ تو آپ ہیں۔" اس کی فطری شرارت وغیرہ سنجیدگی عود کر آئی تھی، جواب میں وہ مسکرا دیں۔

"آپ کا کالج کیسا جا رہا ہے؟" اس نے سالن پلیٹ میں نکالتے ہوئے استفسار کیا۔

"آج کل بہت مصروفیت ہے، ایڈمشنز ہو رہے ہیں نا، اس لئے۔" وہ بتانے لگی۔

"ماں میرا دل کرتا ہے بہت سارا کماؤں اور آپ بیٹھ کر عیش کریں بس۔" وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"زین بیٹا پہلی بات یہ کہ بہت زیادہ دولت کی ہوس اچھی چیز نہیں ہے اور رہی بات بیٹھ کر عیش کرنے کی تو یہ نا اللہ کو پسند ہے اور نہ ہی خود مجھے۔" انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

"حدیث شریف ہے، کما کر کھانے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے۔" اس نے تو بس ان کی محبت میں ایسا کہا تھا، ان کی بات پر وہ کچھ خجل سا ہو گیا، کہ غلط موقع پر بات کر گیا تھا۔

"سوری ماں!" اس نے فوراً معذرت کر لی تھی، وہ مسکرا دیں۔

☆☆☆

فارقلیط حسن واپس آیا تو دیکھا عروبہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی، اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس کی بات کو اتنا سنجیدہ لے گی۔

"عروبہ تم تیار کیوں نہیں ہوئی؟" وہ اس کے پاس آ کر بولا، مگر جواب ندارد۔

"کیا ہو گیا یار Now leave it۔" اس نے عروبہ غضنفر کا ہاتھ پکڑا۔

"فارقلیط حسن ہاتھ چھوڑیں میرا۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا، مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

''اتنا غصہ۔'' وہ ہولے سے مسکرایا۔
''اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم غصے میں اتنی پیاری لگتی ہو تو ہر روز ایک دفعہ تو تمہیں غصہ ضرور دلاتا۔'' وہ اس کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا تو عروبہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس کا ہاتھ ابھی بھی فارقلیط حسن کے ہاتھ میں تھا، وہ اس کی جانب نہ دیکھ رہی تھی۔
''اچھا یہ بتاؤ تم کیسے مانو گی، کس طرح مناؤں تم کو؟'' وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''آپ مردوں کے لئے تو شاید یہ کوئی بڑی بات ہی نہیں ہے، کہ جب چاہا عورت کے کردار پر الزام لگا لیا، اور پھر کہا جانے دو۔'' وہ جذباتی ہو رہی تھی۔
''اس طرح مجھ سے بات نہ کرو عروبہ۔'' فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا، وہ اپنا ہاتھ سہلانے لگی۔
''اگر مجھے تمہارے کردار پر ذرا بھی شک ہوتا تو تم سے شادی نہ کرتا۔'' اس نے واضح کیا۔
''دوبارہ کبھی ایسا سوچنا بھی مت اور میں یہ بات دوہراؤں گا نہیں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھا تھا، عروبہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔
''اگر باہر جانے کا موڈ ہے تو آ جانا، میں ویٹ کر رہا ہوں لاؤنج میں۔'' وہ کمرے سے باہر نکل گیا، عروبہ دوبارہ بیٹھ گئی تھی، اسے بہت گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی دل کو عجیب بے نام سی بے کلی لاحق ہو گئی تھی۔
''فروا تم ٹھیک ہو۔'' وہ آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔
''بابا آپ کہاں ہیں؟'' اسے رہ رہ کر سب یاد آ رہے تھے۔
''نویلہ، علیشہ تم دونوں خیریت سے ہو۔'' اس کا دل کسی انہونی کے احساس سے کانپنے لگا تھا۔
''کیوں دل اتنا پریشان ہے؟'' وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی تھی، بے چینی کسی طرح کم نہ ہو رہی تھی، فارقلیط حسن لاؤنج میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا، جب آدھا گھنٹہ گزر گیا اور وہ باہر نہ آئی تو مجبوراً اسے خود ہی آنا پڑا۔
''عروبہ!'' وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی، وہ اس کے قریب آن رکا۔
''عروبہ!'' اس نے اس کا گلا تھپتھپایا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، اب فارقلیط حسن اسے زور زور سے آوازیں دینے لگا تھا۔
''عروبہ! آنکھیں کھولو پلیز۔'' وہ بے ہوش پڑی تھی، فارقلیط حسن تیزی سے بیڈروم سے باہر نکلا تھا۔
''ڈیڈی!'' وہ عجلت کے عالم میں گھبرایا ہوا ان کے روم میں داخل ہوا تھا۔
''عروبہ کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔'' اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے، آج سے پہلے حسن بہزاد نے اسے کبھی ایسے پریشان اور گھبراہٹ میں بات کرتے نہ دیکھا تھا، انہیں پہلی مرتبہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ عروبہ کو کتنا چاہتا ہے۔

☆☆☆

''فروا!'' رات اس نے سولی پر لٹکتے، تنہا روتے ہوئے گزاری تھی، اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنا واحد رشتہ، اپنا سب کچھ اپنی پیاری ماں کو کھو چکی ہے۔
''ماموں!'' وہ دوڑ کر ان کے پاس آئی تھی۔
''ماموں امی!'' اس سے آگے وہ بول ہی نہ سکی، اس میں کچھ بھی پوچھنے یا سننے کی ہمت ہی نہ تھی۔
''کیو جانے دیا تھا تم نے اسے۔'' شدت ضبط سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
''آپ......رو کیوں......رہے ہیں۔'' اس نے بیدردی سے اپنے آنسو رگڑ ڈالے تھے۔
''وہ چلی گئی ہے فروا، اب کبھی واپس نہیں آئے گی۔'' ان کی آنکھ سے آنسو چھلک پڑے تھے، فروا بے یقینی کے عالم میں آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔
''گل افزاء کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا ہے فروا۔'' وہ رو رہے تھے، فروا خاموش کھڑی تھی، اس کا دل تو اسے ایسی خبریں رات سے سنا رہا تھا مگر وہ مان نہ رہی تھی۔
''امی ایسا نہیں کر سکتیں میرے ساتھ، جھوٹ ہے یہ۔'' وہ ایک دم جیسے ہوش میں آئی تھی۔
''غضنفر علی لے کر گئے تھے، میری امی کو، ماموں جائیں ان سے پوچھیں امی کہاں ہیں۔'' وہ زور زور سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔
''میری امی مجھے واپس لا دیں، پلیز ماموں۔'' وہ ہاتھ جوڑے کھڑی تھی اور ان میں ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے، وہ واپس مڑے اور باہر نکل گئے۔
''امی پلیز واپس آ جائیں، مجھے آپ کی گود میں سر رکھ کر رونا ہے، امی مجھے رات بہت ڈر لگتا رہا ہے، موسیٰ بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے، امی انہوں نے مجھے مارا ہے۔'' اس کی چیخیں دیواروں سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں، مگر وہ تنہا ہو چکی تھی، اسے چپ کروانے والا وہاں کوئی نہ تھا، وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

''غضنفر!'' وہ فائل دیکھنے میں مگن تھے، جب گل افزاء ان کے سامنے آ بیٹھی تھی۔
''ہوں۔'' انہوں نے پل بھر کو فائل سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا اور دوبارہ توجہ فائل پر مرکوز کر لی۔
''آپ کو موت سے ڈر لگتا ہے؟'' وہ اکثر ایسی باتیں کیا کرتی تھی، غضنفر علی نے لمحہ بھر کو اس کی جانب دیکھا۔
''ہوں۔'' انہوں نے صرف اتنا کہا۔
''مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولی، غضنفر علی نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہو، پھر ہنس دیئے۔
''تو پھر تم موت کی حقیقت سے واقف ہی نہیں ہو۔'' وہ بولے۔
''واقف ہوں۔'' وہ دوبارہ کہنے لگی۔
''مجھے موت سے زیادہ قبر کی تنہائی سے خوف آتا ہے، مرنے کے بعد اکیلے ہو جانے سے ڈر لگتا ہے۔'' اس کے لہجے میں ایک دم ہی عجیب سا خوف عود کر آیا تھا، غضنفر علی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''ابھی ہمیں بہت سارا جینا ہے ایک ساتھ، ایسی باتیں مت سوچا کرو۔'' غضنفر علی اسے ٹوک گئے۔
غضنفر علی اپنے بیڈروم میں تھے اور یادوں کی کھڑکی کھولے بیٹھے ماضی کے دھندلکوں میں گم تھے۔
''صرف ایک کپ کافی، میری کہاں ہے۔'' اس کا اداس بھیگا لہجہ جیسے ابھی ابھی ان کے کانوں میں گونجا تھا۔
''غضنفر آپ کی محبت نے مجھے کتنا امیر کر دیا ہے، ہر دکھ اور غم سے آزاد ہو گئی ہوں۔'' وہ کتنی مسرور تھی۔
''میں جنت میں حوروں کو آپ کے پاس نہیں آنے دوں گی، ان سے کہوں گی کہ غضنفر

صرف میرے ہیں۔'' اس کا محبت سے بھرپور لہجہ ان کے دل پر چھریاں چلا رہا تھا۔

''میرے مرنے کے بعد بھی دوسری شادی نہ کرنا، ورنہ میں قبر سے نکل کر آپ سے لڑنے آ جاؤں گی۔'' وہ دھمکی آمیز شرارت سے کہہ رہی تھی، ہر طرف سے یادیں غضنفر علی پر پتھراؤ کر رہی تھیں اور ان کا وجود ہی نہیں روح بھی لہولہان ہو چکی تھی۔

''آپ کیسے اتنا بدل گئے غضنفر، آپ تو مجھے بہت چاہتے تھے۔'' اس کی سسکیاں غضنفر علی کو صاف سنائی دے رہی تھیں، وہ اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے تھے۔

''گل افزاء!'' ان کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

''مت جاؤ مجھے چھوڑ کر، بہت مشکل سے ملی ہو مجھے۔'' ان کا دل دکھ سے نڈھال تھا، بے بسی انتہاؤں پر تھی۔

''انیس سال تمہارے وجود کی خوشبو اس گھر میں تلاش کرتا رہا ہوں، خوابوں میں تمہیں یہاں چلتے ہوئے دیکھتا رہا ہوں، گل افزاء مت جاؤ۔'' کمرے کا دروازہ کھلا تھا، مگر انہیں پتا نہ چل سکا، نویلہ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی ان کے قریب آئی تھی۔

''پاپا!'' اس نے انہیں پکارا تھا، مگر ان کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی، وہ اسی طرح کھڑے رہے۔

''پاپا!'' اس نے اپنا ہاتھ ان کے شانے پر رکھا تھا، وہ آہستگی سے مڑے تھے۔

''بیٹا!'' ان کے آنسو اور بھی تیزی سے بہنے لگے تھے، نویلہ نے باپ کو روتے دیکھا تو خود پر ضبط کھونے لگی۔

''آپ رو رہے ہیں؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کے آنسو پونچھے تھے۔

''پلیز مت روئیں پاپا۔'' وہ ان کے سینے پر سر رکھے سسک اٹھی تھی۔

''میں نے بہت برا کیا اس کے ساتھ، محبت میں کیے تمام وعدے بھلا دیئے، وہ تو بہت معصوم تھی، بہت جلدی گھبرا جاتی تھی، اس نے تنہا زندگی کیسے گزاری ہو گی، وہ میرے جھوٹے وعدوں کو یاد تو کرتی ہو گی۔'' وہ بیٹی سے اپنا دکھ کہہ رہے تھے۔

برسوں جو آنسو کسی کے سامنے نہ بہائے تھے، آج اس کے سامنے بہا رہے تھے، انہیں کبھی کوئی کندھا میسر ہی نہ آیا تھا، وہ کس سے اپنا دکھ کہتے۔

''میری بے وفائی اور بے حسی نے اسے اتنا دکھی اور اکیلا کر دیا ہو گا، میں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا، میری وجہ سے وہ اپنی بیٹی سے دور ہوئی، پتا نہیں اسے کتنا یاد کرتی ہو گی، کیسے اس کے بغیر اتنے برس گزارے۔'' انہیں ہر دکھ رلا رہا تھا، گل افزاء سے کی گئی ایک ایک زیادتی یاد آ رہی تھی۔

''وہ بیٹی سے ملے بغیر ہی چلی گئی۔'' نویلہ زارو قطار رو رہی تھی۔

''میں نے اس کا بہت دل دکھایا، اس کے لبوں سے مسکراہٹ چھین کر ہمیشہ کے لئے آنسو اس کی آنکھوں میں بھر دیئے تھے۔'' نویلہ کے دل پر چوٹ لگی تھی تو اسے محبت کرنے والوں کا درد محسوس ہونے لگا تھا، اس کا دل گداز ہو گیا تھا، وہ اپنے باپ اور گل افزاء دونوں کے دکھ کو سمجھ سکتی تھی، مگر وہ اپنے باپ کے لئے کچھ نہ کر سکتی تھی، کیونکہ محبت کا زخم کھانے والوں کے لئے کسی کے پاس مرہم نہیں ہوتا، محبت میں لگنے والی چوٹ کے لئے کوئی مرہم آج تک بن ہی نہیں سکا۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد سو کر اٹھا تو جو خیال سب سے پہلے اس کے ذہن میں ابھرا وہ یہ تھا کہ وہ عروبہ غضنفر کو چھوڑ کر آ گیا ہے، اسے یاد آ رہا تھا کہ یہاں سے جاتے ہوئے وہ کتنا ایکسائیٹڈ تھا، اسے کب خبر تھی کہ وہ اپنا سکون اور چین لٹانے کے لئے جا رہا ہے۔

''عروبہ بلاشبہ تمہارا شوہر ایک شاندار شخص ہے، مگر خدا کی قسم وہ تمہیں مجھ سے زیادہ نہیں چاہ سکتا اور یہ وقت ثابت کرے گا تم پر۔'' وہ فریش ہونے چلا گیا تھا، واپس آیا تو اپنے لئے کافی بنانے لگا، وہ کچن میں کھڑا بہت خاموشی سے کافی بنا رہا تھا، مگر ذہن مسلسل عروبہ کی طرف لگا ہوا تھا۔

''بس ایک کپ کافی عیسیٰ!'' وہ آواز سن کر [illegible] مڑا تھا، وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''میرے لئے نہیں بناؤ گے؟'' وہ آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

''عروبہ!'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور وہ غائب ہو گئی، ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے وہ ایک کپ کافی اس کے لئے بنانے لگا۔

''آ جاؤ عروبہ، میں نے بنا لی تمہاری کافی۔'' وہ دونوں کپ سامنے رکھے اس کا منتظر تھا، مگر وہ شاید بھول چکا تھا کہ وہ اس کی دسترس سے بہت دور جا چکی تھی، کبھی بھی واپس نہ آنے کے لئے۔

نا جانے وہ کب تک اس خود فریبی میں مبتلا رہتا کہ اس کے موبائل پر کال آنے لگی، یہ اس کا دوست جمال تھا، اس نے کال ریسیو کیے بغیر موبائل واپس رکھ دیا تھا۔

''تو یہ طے ہوا عروبہ کہ تم مجھ سے دور جا چکی ہو، ہمیشہ کے لئے۔'' اس نے کافی وہیں چھوڑی اور گھر سے باہر آ گیا، وہ بے مقصد سڑکوں پر گھوم رہا تھا، وہ کسی سے بات نہ کرنا چاہتا تھا، کسی کو دیکھنا نہ چاہتا تھا، وہ صرف عروبہ غضنفر کو دیکھنا اور سننا چاہتا تھا اور ایسا ممکن نہ رہا تھا اس کے موبائل پر ایک دفعہ پھر کال آنے لگی تھی۔

''ہیلو۔'' دوسری جانب سے عدیل نے اسے جو خبر سنائی اسے سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''یہ ہو گیا ہے عیسیٰ!'' اس نے کہا، کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا، عیسیٰ احمد کو گل افزاء کی موت کا بہت دکھ ہوا تھا، اسے غضنفر علی پر کبھی غصہ آتا تھا اور کبھی ترس۔

''جو اپنی محبت کو سنبھال نہ سکے، اس کی قدر اور Protect نہ کر سکے اسے محبت کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' وہ خود کلامی انداز میں بڑبڑایا تھا، اس کا دل دکھ سے بھرنے لگا تھا۔

''محبت کرنے والوں کی قسمت میں جدائی کیوں لکھ دی جاتی ہے۔'' وہ قسمت کی اس ستم ظریفی پر حیران تھا، غضنفر علی نے ساری زندگی گل افزاء کا انتظار کیا تھا اور اب جو وہ ملی تھی تو فوراً بچھڑ بھی گئی تھی، وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کیا میں بھی غضنفر انکل جیسا ہوں؟'' اس نے اپنے دل سے [illegible]یا تھا، مگر اس کا دل خاموش تھا۔

''میں بھی ان کی طرح اپنی محبت کی حفاظت نہ کر سکا، وہ میرے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل گئی اور میں دیکھتا رہا گیا۔'' تمام رات وہ سڑکوں پر بے مقصد، آوارہ گھومتا رہا تھا، اس کا گھر جانے کے لئے جی ہی نہ چاہ رہا تھا، گھر میں کون تھا، جو اس کا منتظر تھا، جس کے لئے وہ جاتا، خاموشیاں، تنہائیاں، اداسیاں اور ویرانیاں۔

☆☆☆

ڈیڈی نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے بیڈروم سے نکل کر فارقلیط حسن کے روم کی جانب بڑھے، جہاں عروبہ بے ہوش پڑی تھی، ان کی تقلید میں وہ بھی کمرے میں داخل ہوا تھا، سامنے وہ بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی۔

''عروبہ بیٹا!'' انہوں نے پاس جا کر اسے آواز دی تھی، مگر جواب ندارد۔

''آنکھیں کھولو بیٹا!'' انہوں نے اس کا گال تھپتھپایا، مگر وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑی رہی، فارقلیط حسن کی جان پر بن آئی تھی۔

''ڈاکٹر نکلسن کو فون کرو۔'' انہوں نے اپنا موبائل نکال کر اسے تھمایا تھا، اگلے چند منٹوں میں وہ ان کے گھر پر تھے، وہ ان کے فیملی ڈاکٹر تھے۔

عروبہ کے پاس بیٹھے وہ اسے چیک کر رہے تھے، جبکہ فارقلیط حسن بے چینی کے عالم میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا، بار بار وہ اس کے قریب آ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔

''She is mentaly disturbed and derpressed too much۔''

ڈاکٹر نکلسن نے بتایا تو حسن بہزاد دل ہی دل میں شرمندہ ہونے لگے، ان کا خیال تھا کہ یہ ان کی وجہ سے ہوا ہے، انہیں عروبہ کے ساتھ اپنے رویے پر سخت افسوس ہونے لگا، غور کیا تو پتا چلا کہ اس کا تو اس معاملے میں کوئی قصور ہی نہیں ہے، سارا قصور ان کے اپنے بیٹے کا تھا، ڈاکٹر نے کچھ میڈیسن لکھ کر دی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''Take good care for her!'' وہ نسخہ انہیں تھماتے ہوئے ہدایات کر کے چلے گئے تھے۔

''Thank you doctor۔''

فارقلیط حسن نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا، وہ چلا گیا، دونوں باپ بیٹا خاموش تھے، حسن بہزاد بیٹے سے نظریں چرا رہے تھے، ڈاکٹر عروبہ کو انجکشن لگایا تھا اور کہا تھا کہ وہ آدھے گھنٹے تک ہوش میں آ جائے گی۔

فارقلیط حسن اس کے لئے سوپ بنانے کے لئے کچن میں چلا گیا تھا، جبکہ حسن بہزاد وہیں بیٹھے تھے، ان کا دل ہی نہ چاہ رہا تھا وہاں سے اٹھتے سے۔

☆☆☆

غفنفر علی، گل افزاء کی ڈیڈ باڈی ساتھ لے آئے تھے، ان کی موت کی خبر جب اس طرح سے ان کے بھائیوں تک پہنچی کہ وہ غفنفر علی کے ساتھ کہیں جا رہی تھیں اور راستے میں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، تو ان کے بھائیوں کا غم و غصے سے برا حال ہونے لگا، بڑے بھائی فوراً غفنفر علی کے سامنے موجود تھے۔

''ذرا سی بھی شرم اور انسانیت ہے تم میں؟'' نویلہ ان کے پاس موجود تھی، وہ انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہماری بربادی تو اسی دن شروع ہو گئی تھی جب تم نے ہماری بہن سے پہلی مرتبہ ملے تھا۔'' وہ زہر اگل رہے تھے اور غفنفر علی کا وجود ان کے لفظوں کے زہر سے جلنے لگا تھا، نویلہ نے بے بسی سے اپنے مجبور باپ کو دیکھا تھا، اسے تو پتا ہی نہ تھا کہ اس کا باپ اتنا مظلوم ہے، وہ اتنا تنہا ہے اور اتنے بڑے دکھ اپنے سینے میں لئے پھیر رہا ہے۔

''کیوں آ گئے تھے تم دوبارہ ہماری زندگیوں میں۔'' وہ زور سے دھاڑے تھے۔

''تم نے اسے مار دیا، مار کر ہی دم لیا۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر غفنفر علی کا گریبان پکڑ لیا۔

''چھوڑیں انکل میرے پاپا کو۔'' نویلہ

راستے میں آئی تھی، انہوں نے غصے سے بھرپور ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی۔

''کہاں رکھی ہے اس بدنصیب کی لاش؟ لینے آیا ہوں میں۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے بولے تھے۔

''بھائی جان! پلیز یہ مت کریں، اس کا جنازہ یہاں سے اٹھنے دیں، میں آپ سے ریکوئیسٹ کر رہا ہوں۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھامنے کی کوشش کی، انہوں نے حقارت سے غفنفر علی کے ہاتھ جھٹک دیئے تھے، نویلہ نے بمشکل ضبط کیا۔

''اس کا جنازہ انیس سال پہلے تمہارے گھر سے اٹھ گیا تھا، اپنی ہی لاش کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے، وہ خود پھر رہی تھی۔'' وہ نوحے کے سے لہجے میں گویا ہوئے۔

''آج اس کا جنازہ اس گھر سے اٹھے گا جہاں اس نے بے بسی اور تنہائی کے انیس سال گزار دیئے، صبر، چپ اور ہمت کے ساتھ۔'' وہ واپس مڑنے لگے تھے، غفنفر علی تیزی سے آگے بڑھے اور ان کا راستہ روکا۔

''مجھے اس کی لاش کو کندھا تو دینے دیں، میں ہاتھ جوڑتا ہوں آپ کے آگے۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔

''اس کی زندگی میں اسے سہارا نہ دے سکے، اسے تحفظ فراہم نہ کر سکے، اب تمہارے کندھا دینے یا نہ دینے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھے، اکلوتی لاڈلی بہن دکھوں اور آہوں سے بھری زندگی بسر کر کے ان سے دور جا چکی تھی اور اس کے اس حال کا سبب سامنے کھڑا شخص تھا، ان کا بس نہ چلتا تھا کہ اسے گولی مار دیں۔

''میں نے اس سے بہت محبت کی ہے، اتنا تو حق دیں مجھے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر منت کرنے لگے تھے، نویلہ نے دکھ سے اپنے پیارے باپ کو دیکھا تھا اور آگے بڑھی۔

''تمہاری محبت نے ہی اسے ان حالوں کو پہنچایا تھا اور اب اس دنیا سے ہی چلی گئی۔'' نویلہ نے باپ کو ہاتھ سے پکڑ کر ان کے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کی، وہ انہیں اس طرح بھیک مانگتا نہ دیکھ سکتی تھی۔

''اگر اس نے دکھ میں تنہا وقت گزارا ہے تو خوش میں بھی کبھی نہیں رہا۔'' وہ بولے تو ان کے لہجے کا کرب نویلہ صاف محسوس کر سکتی تھی اور وہ تو خود اس بات کی گواہ تھی کہ اس کے باپ نے ساری زندگی اب میں کتنی تکلیف میں گزاری ہے، ہمیشہ خود پر چپ اور سنجیدگی کا چادر اوڑھے رکھی، ہنسی کبھی بھولے سے ان کے لبوں پر آتی بھی تو اس میں ایک کرب ہوتا تھا، محسوس کی جانے والی اداسی چھپی ہوتی تھی۔

''ہاں، وہ تو دکھائی دے رہا ہے۔'' اس غم و صدمے کی حالت اور وقت میں بھی وہ طنز سے باز نہ آ رہے تھے۔

''ابھی تک جوان نظر آتے ہو، اسے دیکھا تھا، تمہارے دیئے گئے زخموں نے وقت سے پہلے اسے کتنا بوڑھا کر دیا تھا، اس کے ہم عمر اسے آنٹی کہہ کر بلاتے تھے۔'' وہ بولے تو غفنفر علی نے کوئی جواب نہ دیا بالکل خاموش رہے۔

''وقت تمہیں جیسے چھوئے بغیر گزار رہے اور اس پر ایک ایک لمحہ صدی کی طرح گزرا ہے۔'' وہ باہر نکل گئے تھے۔

''آپ کیا جانیں میرے دل نے کیسے وقت بتایا ہے، ایک ایک لمحہ میرے دل پر کیسے کیسے عذاب اترتے رہے ہیں۔'' وہ گل افزاء کی ڈیڈ باڈی لے کر چلے گئے تھے، غفنفر علی کھڑکی

سے یہ سارا منظر دیکھتے رہے تھے، انہوں نے اتنے سال اس کی واپسی کا انتظار کیا تھا، اسے یہاں چلتے پھرتے دیکھا تھا، اب جو آئی تھی تو چار کندھوں پر چل کر، صوفیہ اس اچانک حادثے سے شاکڈ تھیں، عام حالات ہوتے تو ان کی بے حس اور خود غرض فطرت شاید بہت خوش ہوتی مگر وہ نویلہ کی وجہ سے اس قدر پریشان تھیں کہ اس واقعے نے انہیں ڈسٹرب کیا تھا، وہ جانتی تھیں کہ گل افزاء، غضنفر علی کے لئے کیا ہے اور اب ان کا آسانی سے سنبھلنا ممکن نہیں۔

☆☆☆

عروبہ نے آنکھیں کھولیں تو خود کو بیڈ پر چت لیٹا ہوا پایا، فوری طور پر وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی، نہ ہی اسے کچھ یاد آیا، مگر رفتہ رفتہ اسے فارقلیط حسن کی باتیں یاد آنے لگیں، اس کے منہ سے سسکاری نکل گئی۔

''عروبہ بیٹا!'' حسن بہزاد کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب آ بیٹھے، انہیں اپنے پاس دیکھ کر وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی، مگر بولی کچھ نہ، بس انہیں دیکھے گئی۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟'' انہوں نے شفقت سے ہاتھ اس کے سر پر پھیرا تو وہ اس کایا پلٹ پر حیران، بس سر ہلا سکی۔

''مجھے معاف کر دو بیٹا۔'' وہ نادم دکھائی دیتے تھے۔

''مجھے آپ سے تو کوئی گلہ نہیں، نہ ہی آپ پر غصہ ہے، مجھے فارقلیط حسن نے ہرٹ کیا ہے بیٹا۔'' وہ سر جھکائے بیٹھے ہولے ہولے بول رہے تھے، عروبہ غضنفر خاموشی سے انہیں سن رہی تھی۔

''سب والدین اپنی اولاد کے لئے بہت کچھ کرتے ہیں، مگر یقین کرو بیٹا میں نے اسے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا ہے، میری زندگی کی واحد خوشی اور خوشیوں کا محور اسی کی ذات ہے، میں بہت دھوم دھام سے اس کی شادی کرنا چاہتا تھا، مگر اس نے میری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا، میرا غصہ ناجائز تو نہیں؟'' انہوں نے اچانک سر اوپر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''جی۔'' وہ بدقت تمام بول پائی۔

''کم از کم میرا انتظار کر لیتا، جو بھی مجبوری تھی مجھے بتاتا، میں فوراً پاکستان آتا، خود آپ کے سر پر ہاتھ رکھ، عزت سے آپ کو بیاہ کر لاتا۔'' دھیمے لہجے میں نرمی سے بات کرتے ہوئے وہ بالکل فارقلیط حسن جیسے ہی لگ رہے تھے۔

''مجھے اس بات نے ہرٹ کیا کہ میرے بیٹے نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا، پوچھنا تو در کنار مجھے بتانا بھی ضروری خیال نہ کیا، اتنا تو میرا حق بنتا تھا نا بیٹا۔'' عروبہ غضنفر کو شرمندگی نے آن گھیرا، اسے تو پہلے ہی اس بات کا بہت احساس تھا کہ فارقلیط حسن کے ڈیڈی اس کی وجہ سے ناراض ہوئے، آج جب انہوں نے بات کی تو اس کے دل کا بوجھ مزید بڑھنے لگا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں انکل!'' وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''انکل نہیں، مجھے ڈیڈی کہو، جیسے فارقلیط حسن کہتا ہے۔'' انہوں نے اپنائیت سے کہا، دروازہ کھول کر فارقلیط حسن اندر آیا تھا، عروبہ نے اس کی جانب دیکھا تھا، وہ آ کر ان دونوں سے فاصلے پر جا بیٹھا تھا، سوپ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''لیکن بیٹا مجھے آپ پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھیں، اس کی دوستوں سے بہت مختلف اور میں تب بہت حیران ہوا تھا جب میں نے آپ کو نماز اور قرآن پاک پڑھتے دیکھا تھا، مجھے اس کے انتخاب پر حیرت بھی ہوئی تھی اور خوشی بھی، پہلی مرتبہ زندگی میں اس نے کوئی ڈھنگ کا کام کیا ہے۔'' وہ بول رہے تھے اور فارقلیط حسن سر جھکائے خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔

''ایسے شادیاں نہیں ہوتیں بیٹا، اس طرح کر کے اس نے آپ کو بھی اپنے سرکل میں de-value کیا، اسے کوئی کام صحیح طریقے سے کرنا نہیں آتا۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''مگر میں تم سے ناراض نہیں ہوں، آج سے تم میری بیٹی ہو، اپنا ہر پرابلم بات اور ضرورت مجھ سے کہہ سکتی ہو، شیئر کر سکتی ہو۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھے۔

''ڈیڈی!'' فارقلیط حسن نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا تھا۔

''میں جانتا ہوں میں اس دنیا میں سب سے برا بیٹا ہوں، مگر پھر بھی مجھے معاف کر دیں ڈیڈی پلیز۔'' وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''مجھے احساس ہے میں نے آپ کا دل دکھایا، مگر بلیو می ڈیڈی، بات شادی کی نہیں، عروبہ کی زندگی کی تھی، اس وقت اگر میں اسے نہ اپناتا تو نہ جانے اس کے ساتھ کیا ہوتا اور پتا نہیں مجھ سے کتنی دور چلی جاتی، اگر میں آپ سے اجازت مانگتا اور آپ انکار کر دیتے، پھر میرے لئے بہت مشکل ہو جاتا اسے اپنانا۔'' وہ ایک مرتبہ پھر انہیں اپنی مجبوری کی داستان سنا رہا تھا، چند ثانیے خاموش کھڑے اسے دیکھتے رہے اور پھر باہر نکل گئے، وہ بے بسی سے انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

فروا بے ہوش تھی، اسے ہوش نہ آ پایا تھا، گل افزاء کا جنازہ ہو چکا تھا، غضنفر علی نے جنازے میں شرکت کی تھی، گل افزاء کے دونوں بھائی انہیں دیکھ کر صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئے، موسیٰ علی کو جیسے ہی خبر ملی وہ پہلی فلائٹ سے ہی واپس آ گیا تھا، وہ اس خبر کو سن کر شاکڈ رہ گیا تھا اور اس کی پریشانی میں اضافہ فروا کی حالت دیکھ کر ہوا تھا۔

''ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے۔'' وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی، نویلہ اور شاہ زیب اس کے پاس تھے، غضنفر علی بھی جنازے کے بعد وہیں آ گئے تھے۔

''پاپا!'' وہ کسی بے جان بت کی مانند کھڑے تھے، نویلہ ان کے پاس آئی تھی، ان کے ساکت وجود میں ہلکی سی جنبش بھی نہ ہوئی تھی۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گی، ڈونٹ وری۔'' اس نے اپنا ہاتھ ان کے شانے پر رکھا تھا، انہوں نے ایک نظر اپنی اس چھوٹی، حساس بیٹی کو دیکھا تھا، وہ نا جانتے تھے کہ وہ اتنی احساس ہے، اس کا دل اتنا نرم ہے، اس نے مشکل کی اس گھڑی میں باپ کے دکھ کو جس طرح محسوس کیا تھا، ان کا ہر قدم پر ساتھ دیا تھا تو وہ اس کے ممنون ہو گئے تھے۔

''اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا نویلہ بیٹا۔'' ان کے درمیان لمبی چپ حائل رہی تھی، جسے غضنفر علی کی آواز نے توڑا تھا۔

''نہ کبھی میری زندگی میں کچھ ٹھیک ہوا ہے اور نہ گل افزاء اور اس کی بیٹیوں کی زندگی میں۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بول رہے تھے، شاہ زیب میڈیسن لینے گیا تھا، واپس آ کر ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

''یہاں کیا لینے آئے ہو؟'' فروا کے دونوں ماموں، موسیٰ علی کے ساتھ وہاں آ گئے تھے، نویلہ نے پریشان ہوتے ہوئے ان کی جانب دیکھا تھا۔

''وہ بیٹی ہے میری۔'' وہ لجاجت سے بولے تھے، موسیٰ علی نے نا سمجھی کے عالم میں پہلے غضنفر علی اور پھر دونوں ماموؤں کی جانب دیکھا

تھا، ان کی باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔
''نہیں مانتی وہ تمہیں اپنا باپ۔'' چھوٹے ماموں غصے سے چلائے۔
''تمہاری شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں وہ۔'' بڑے ماموں نے کہا۔
''تایا جان آئیں ہم گھر چلتے ہیں، دوبارہ آ جائیں گے۔'' شاہ زیب نے صورتحال کو بگڑتے دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔
''جب تک اسے ہوش نہیں آ جاتا میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔'' وہ ضد کرنے لگے۔
''کیا ثابت کرنا چاہتے ہو اور کس پر کرنا چاہتے ہو، جو تمہارے ان ڈراموں کو سچ مانتی تھی وہ نہیں رہی۔'' بڑے ماموں نے کہا۔
''پاپا! پلیز آئیں ہم گھر چلتے ہیں، شام کو دوبارہ آ جائیں گے۔'' نویلہ نے انہیں بچوں کی طرح پچکارا۔
''نویلہ، وہ میری بیٹی ہے، میرے جگر کا ٹکڑا۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولے، مگر نویلہ اور شاہ زیب انہیں زبردستی لے آئے تھے، موسیٰ علی اس ساری صورتحال سے بہت حیران تھا، اسے تو یہ بھی پتا چلا تھا کہ فروا کے پاپا زندہ ہیں اور یہ کہ وہ اتنے امیر کبیر انسان ہیں اور اسی شہر میں رہتے ہیں۔

☆☆☆

زین کو آفس سے پتا چلا تھا کہ موسیٰ علی کی رشتے کی خالہ وفات پا گئی ہیں وہ اور ان کی بیٹی اس کے ساتھ گھر میں ہی رہتی تھیں، جب سے اسے پتا چلا تھا اس کا دل بہت دکھی اور بے چین ہوا، اسے یقین تھا کہ وہ اس لڑکی کی والدہ ہوں گی جسے اس نے موسیٰ علی کے لاؤنج میں بیٹھے روتے دیکھا تھا۔

''وہ تو پیپر میں فیل ہونے پر اتنا رو رہی تھی، اس دکھ پر اس کی کیا حالت ہو گی۔'' وہ جب سے آفس سے آیا تھا، بہت خاموش اور اداس تھا، کسی کام میں اس کا دل نہ لگ رہا تھا۔
''کیا بات ہے زین، اتنے سنجیدہ کیوں ہو، طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' بالآخر انہوں نے بیٹے سے پوچھ ہی لیا۔
''جی امی!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
''خیریت ہے نا؟'' انہیں تشویش ہونے لگی تھی۔
''باس کی خالہ کی ڈیتھ ہوئی ہے۔'' اس نے بتایا۔
''اوہ۔'' انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔
''کیا ہوا تھا انہیں؟'' وہ پوچھنے لگیں۔
''ایکسیڈنٹ۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔
''موت کتنی بے رحم ہوتی ہے ناماں۔'' اس نے ایک دم سر اوپر اٹھایا تھا، اس کی آنکھوں میں موجزن درد وہ صاف دیکھ سکتی تھیں۔
''ہاں۔'' وہ گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے بولیں۔
''اس دنیا کی سب سے بڑی اور تلخ حقیقت۔'' وہ بولیں، زین چپ ہو گیا تھا اس کے بعد دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی تھی۔
''کیا واقعی مجھے صرف انسانیت کے ناطے اس سے ہمدردی ہے؟'' اس نے اپنے دل کو ٹٹولا تھا، جواب بہت خطرناک اور توقع کے خلاف تھا، وہ آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
''مجھے تو اس کا نام تک معلوم نہیں۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔
''محبت روحوں کے ملن کا نام ہے، روحوں کی چاہت ہے اور روحوں کے نام نہیں ہوا کرتے، نام تو مجسم کا ہوتا ہے۔'' دل نے دلیل

...تھی، وہ بے چینی کے عالم میں ادھر سے ادھر ...ں رہا تھا، ایسے جذبات تو پہلے کبھی نہ ہوئے ...ے، اس طرح تو اس نے پہلے کبھی کسی لڑکی کے ...تعلق نہ سوچا تھا۔
''کیا مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے؟'' وہ ...ران تھا، اسے تو خبر ہی نہ ہو سکی کہ یہ حادثہ کب ...ا اور وہ اس کی زندگی میں اتنا اہم مقام حاصل ...ر گئی تھی، وہ اس واردات پر ابھی تک شاکڈ تھا، ...ں کے آس پاس بس ایک ہی صدا تھی، اس کی ...ت کی صدا، اس کے عشق کی صدا، وہ مہر بالب ...

...ر ہوئی شین الف میم خدا خیر کرے
...یں آ گیا پھر جیم الف میم خدا خیر کرے
...ق پالا ہے مجھے ڈر ہے ہو نہ جاؤں کہیں
...ن الف کاف الف میم خدا خیر کرے
...ق کی راہ میں نظر آتے ہیں مجھے
...طرف دال الف میم خدا خیر کرے
...میرے واسطے سکھ چین میرے واسطے تو
...ب مد آ رے الف میم خدا خیر کرے
...شین قاف سے پالا ہے میرا جب سے پڑا
...نہیں کاف الف میم خدا خیر کرے
...اپنا تھا خدا جانے ہوا کیا اس کا
...نون جیم الف خدا خیر کرے

☆☆☆

فارقلیط حسن چند ثانیے کھڑا بند دروازے کو ...تا رہا اور پھر پلٹ کر اس کے پاس آیا تھا، وہ ...کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، نظریں ...منے دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔
''کیسا فیل کر رہی ہو؟'' وہ اس کے پاس ...گیا تھا، عروبہ نے نظر اٹھا کر اس کے پریشان ...ے کو دیکھا تھا۔
''ٹھیک ہوں۔'' اس نے کمزور آواز میں جواب دیا، فارقلیط حسن اسے دیکھے گیا، وہ اس کی طرف نہ دیکھ رہی تھی۔
''کب تک ناراض رہنے کا ارادہ ہے؟'' وہ اس کی غیر معمولی خاموشی اور سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے گویا ہوا۔
''میں ناراض نہیں ہوں۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا۔
''ہاں، وہ تو تمہارا انداز بتا رہا ہے۔'' اسے یقین نہ آ رہا تھا، اس نے عروبہ غضنفر کا ہاتھ پکڑا تھا۔
''فارقلیط حسن ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' اس نے فوراً ہاتھ واپس کھینچنا چاہا، مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔
''چھوڑنے کے لئے نہیں پکڑا۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کو کھینچا تھا، وہ اس کے قریب ہو گئی تھی، وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔
''I sware میرا وہ مطلب نہ تھا، میں تو یہ۔''
''فارقلیط حسن میں اس بات کو دوہرانا نہیں چاہتی، آپ نے جو بھی کہا، میں کوئی صفائی نہیں دوں گی، مجھے پتا ہے میں کیسی ہوں۔'' فارقلیط حسن نے سوپ کا باؤل اٹھا لیا اور چمچ میں سوپ ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔
''تو پھر بے ہوش کیوں ہوئی تھی؟'' وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔
''میں خود پی سکتی ہوں۔'' اس نے چمچ فارقلیط حسن کے ہاتھ سے پکڑ لیا، وہ اسے دیکھے گیا۔
''اور کیا کچھ خود کر سکتی ہو؟'' وہ دلچسپ نظروں سے ایسے دیکھ رہا تھا، وہ کچھ نہ بولی۔
''مجھے معلوم نہ تھا کہ محبت انسان کو ایسے کمزور بنا دیتی ہے، میں نہیں جانتا تھا عروبہ کہ

تمہیں کھو دینے کا خوف مجھے یوں اکٹوپس کی طرح جکڑ لے گا، تم کبھی سمجھ نہیں سکتی کہ تم میرے لئے کیا ہو، میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں، تمہارے لئے کیا سوچتا ہوں۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا، عروبہ غضنفر خاموش تھی، وہ اس وقت اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکتی تھی، نہ ہی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"کبھی بھی مجھ سے بدگمان نہ ہونا یار۔" وہ خاموشی سے سوپ پی رہی تھی۔

"اگر بدگمان ہونے لگو تو چپ مت رہنا، مجھ سے شیئر کرنا، مجھے بتانا کہ میری کون سی بات تمہیں بری لگی ہے۔" وہ مسلسل بول رہا تھا، وہ اس کے بے ہوش ہونے سے ڈر گیا تھا، اس نے تو ایسا تصور بھی نہ کیا تھا کہ وہ اس طرح بات کو دل پر لے گی۔

"تمہیں پتا ہے عروبہ میں بہت دھوکے باز اور جھوٹا شخص ہوں۔" وہ برملا اظہار کر رہا تھا، عروبہ غضنفر نے خالی باؤل سائیڈ پر رکھ دیا تھا اور دوبارہ کراؤن سے ٹیک لگالی تھی۔

"لیکن میں نے نہ تو تم سے کبھی جھوٹ بولا ہے، اور نہ ہی کبھی تم کو دھوکہ دے سکتا ہوں، میں سچ صرف تم سے بولتا ہوں، میں محبت بھی صرف تم سے کرتا ہوں اور پتا نہیں کیوں عروبہ محبت کو وہم کرنے کی عادت ہوتی ہے، میں تمہیں کھونے سے ڈرتا ہوں۔" وہ اپنے دل کے اندیشے اس سے بیان کر رہا تھا اور وہ انہیں سن رہی تھی۔

"تم مجھ سے محبت چاہے نہ کرو عروبہ، مگر مجھ سے جھوٹ کبھی نہ بولنا، میں جانتا ہوں تم بہت اچھی لڑکی ہو، اس سے زیادہ ایک اچھی بیوی ہو۔" وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔

"میری زندگی میں آپ سے پہلے کوئی مرد نہیں آیا فارقلیط حسن اطمینان رکھیے۔" بالآخر اس نے چپ کا قفل توڑ دیا تھا، وہ اسے دیکھے گیا، وہ بول رہی تھی۔

"میں نے ہمیشہ اپنے کزنز سے فاصلہ رکھا ہے، میری اس کزن سے بھی نہ تو کوئی دوستی تھی نہ کچھ اور۔" وہ سانس لینے کو رکی تھی، یہ وقت کا ٹنا فارقلیط حسن کے لئے دوبھر ہو گیا تھا۔

"اس رات میرے کمرے میں اسے ماما نے بھیجا تھا، پھر پتا نہیں کس نے باہر سے دروازہ بند کر دیا اور......"

"عروبہ مجھے اس بات میں کوئی انٹرسٹ نہیں اور اگر یہ میرے لئے امپورٹنٹ ہوتی تو میں تم سے شادی کیوں کرتا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

"پلیز مجھے بات کرنے دیں۔" اس نے اسے مزید بولنے سے روکا۔

"اوپر والے پورشن کی لائٹ کا سوئچ نیچے تھا، وہ بھی ماما نے خود بند کی تھی، پریشانی میں میرے کزن نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر آن سوئچ کو آف کر دیا اور جب میرے بابا روم میں آئے تو ماما نے ان کو دکھانے کے لئے لائٹس آن کیا۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

"میرے دل میں صرف آپ ہیں، میں دوبارہ یہ بات آپ کو نہیں بتاؤں گی، ایسی صورت میں تو ہرگز نہیں جب آپ مجھ پر اعتبار کھونے لگیں۔" وہ کچھ خفا سی بولی تھی، فارقلیط حسن ہولے سے ہنس دیا۔

"اگر یہ بات تم مجھے روزانہ بتا دیا کرو کہ تمہارے دل میں، میں ہوں، تو میری عمر بڑھ جائے گی۔" وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"میں روز روز اپنے کردار کی صفائیاں نہیں دے سکتی اور اگر کبھی آپ نے میرے کردار پر شک کیا تو میں مر جاؤں گی فارقلیط۔" فارقلیط حسن نے اس کی بات سے جھرجھری لی۔

"تم اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہو۔" وہ محبت سے بولا تھا۔

☆☆☆

"نویلہ!" وہ ٹیرس پر کھڑی تھی، سوچوں کا محور پاپا اور گل افزاء کی ذات تھی، اسے ابھی تک یقین نہ آتا تھا کہ اس کے پاپا نے ایسا پہاڑ سا دکھ اپنے سینے پر اٹھا کر زندگی گزاری۔ اسے آج تک ان کی سنجیدگی کے پیچھے چھپے کرب کا اندازہ نہ ہو سکا تھا۔

اس نے مڑ کر علیشہ کی جانب دیکھا تھا، مگر کچھ بھی بول نہ سکی تھی، علیشہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اور بغور اس کے مضمحل و اداس چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

"عدیل مجھے لینے آ رہے ہیں، پرسوں ان کی فلائٹ ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ نویلہ کے شانے پر رکھا تھا، وہ خاموش کھڑی تھی۔

"عیسیٰ احمد کو بھی کبھی اپنی زندگی کی مکمل کتاب مت سمجھنا، وہ Unfortunately تمہاری زندگی کا Chapter تھا، جو Close ہو گیا، تمہیں آگے پڑھنا ہے، اسے کچھ بن کر دکھانا ہے، تم دیکھنا اللہ نے تمہاری قسمت میں اس سے اچھا لکھا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"چیزوں کی Replacement ہوتی ہے علیشہ، انسانوں کی اور رشتوں کی نہیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آسمان پر اڑتے پرندے کو دیکھا، اس لمحے اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا دل بھی اس پرندے کی طرح تنہا اور اداس ہے، جو اپنے غول سے بچھڑ کر تنہا بھٹک رہا ہے۔

"مگر کسی بے وفا شخص کو منزل سمجھ کر بیٹھ جانا تو بے وقوفی ہے، یہ تمہیں سوائے اذیت کے اور کچھ نہیں دے گی۔" وہ اس کی بہن تھی، اسے اسے حالت میں نہ دیکھ سکتی تھی، اسے بربادیوں کی طرف جانے سے روکنا چاہتی تھی۔

"محبت اگر کسی کے دل سے نکلی دعا کا نتیجہ ہو تو یہ زندگی کو گلزار بنا دیتی ہے اور اگر کسی دکھی دل سے نکلنے والی آہ کا نتیجہ ہو تو اذیت کے سوا کچھ نہیں دیتی اور علیشہ۔" وہ پل بھر کو رکی تھی۔

"میری عیسیٰ احمد سے محبت گل افزاء آنٹی کے دل سے نکلنے والی آہوں کا نتیجہ ہے، میری خوشیوں کو غضنفر علی اور گل افزاء کی خاموشی، صبر اور بے بسی کھا گئی، علیشہ، ماما نے دکھوں کی جو فصل ان دونوں کے راستوں میں بوئی تھی، اس کا زہریلا پھل میری جھولی میں وقت نے ڈال دیا ہے، خدا تمہاری خوشیوں کو سلامت رکھے، مگر یہ تمہارا پیچھا بھی کرے گا، تم دیکھ لینا۔" وہ نا جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی، علیشہ کو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہونے لگا تھا۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا علیشہ کو ہم کسی کے پاؤں ظلم کی کنکریوں سے زخمی کریں اور کل وہی کنکریاں دکھوں اور مصیبتوں کا پہاڑ بن کر ہمارے راستے میں نہ آئیں۔" علیشہ خاموش ہو گئی تھی، اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ نویلہ سے بحث فضول ہے، اس نے طلاق کا بہت صدمہ لیا ہے اور اس بات کو دل سے لگا لیا ہے۔

"تم ماما اور پاپا کے میٹرز میں Interfare نہ کرنا نویلہ، وہ جیسے چاہیں اسے Solve کریں۔" وہ اسے سمجھانے لگی تھی، در حقیقت وہ ایک خودغرض لڑکی تھی، ایسے لوگ کسی سے محبت نہیں کر سکتے، اسے تو عدیل سے بھی محبت نہ تھی، صرف اس کے روشن مستقبل نے اسے اس کی جانب مائل کیا تھا۔

"نہیں علیشہ!" اس نے سر نفی میں ہلایا

تھا۔

''یہ matter صرف ماما، پاپا کا نہیں ہے، بات بہت آگے چلی گئی ہے، ماما کی، کی گئی زیادتی کا تاوان نا جانے ہماری کتنی نسلوں کو بھرنا پڑے گا۔'' علیشہ خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی، نویلہ کی آنکھوں کا کرب اس کے لہجے میں بھی بول رہا تھا، نویلہ نا تو باپ کے دکھ کو سمجھ سکتی تھی اور نہ ہی بہن کے دکھ کو۔

''تم at least اپنا حلیہ تو ٹھیک کرو، دیکھو تو تمہارے کپڑے کتنے رف لگ رہے ہیں، چینج کرو، باہر نکلو، یوں خود کو قید مت کرو، لوگوں سے ملو جلو۔'' علیشہ اسے سمجھا کر اپنا فرض پورا کر کے چلی گئی تھی۔

وہ پھر سے اکیلی ہو گئی اور اب یہ تنہائی ہی اس کا مقدر تھی۔

نئے کپڑے بدل کر جاؤں کہاں
اور بال بناؤں کس کے لئے
وہ شخص تو شہر ہی چھوڑ گیا
میں باہر جاؤں کس کے لئے
جس دھوپ کی دل میں ٹھنڈک تھی
وہ دھوپ اسی کے ساتھ گئی
ان جلتی بلتی گلیوں میں
اب خاک اڑاؤں کس کے لئے
وہ شہر میں تھا تو اس کے لئے
اوروں سے بھی ملنا پڑتا تھا
اب ایسے ویسے لوگوں کے،
میں ناز اٹھاؤں کس کے لئے
اب شہر میں اس کا بدل ہی نہیں
کوئی ویسا جان غزل ہی نہیں
ایوان غزل میں لفظوں کے
گلدان سجاؤں کس کے لئے
سنسان پڑی ہے گھر کی فضا
مدت سے کوئی آیا نہ گیا
ان خالی کمروں میں ناصر
اب شمع جلاؤں کس کے لئے

دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی تھی، اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ یہ درد گل افزاء اور غضنفر علی کے دکھوں کے سبب ہے یا اس کی عیسیٰ احمد سے جدائی کا نتیجہ ہے، اس درد کو دباتے ہوئے وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی اور موبائل اٹھا کر اس میں سے عیسیٰ احمد کی تصویر نکال کر دیکھنے لگی، آنسو آنکھوں سے نکل کر موبائل کی اسکرین پر گرنے لگے تھے، مگر اسے ہوش کہاں تھا۔

☆☆☆

''میں اسے اپنے ساتھ لے کر جانے والا تھا، اس کا پاسپورٹ بنوا رہا تھا، مجھے خبر نہ تھی کہ.....'' بڑے اور چھوٹے ماموں اس کے پاس بیٹھے تھے، جبکہ موسیٰ علی دروازے میں کھڑا تھا، ان دو دنوں میں اس پر بہت سے انکشاف ہوئے تھے۔

''امی نے ایک دن بعد ان کے ساتھ جانا تھا، مگر آپ جلدی اسلام آباد چلے گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ چلی گئیں، وہ عروبہ سے ملنے کے لئے بہت بے چین تھیں۔'' اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ امی واقعی اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی ہیں، وہ تو کبھی ایک دن کے لئے بھی کہیں نہ جاتی تھیں اسے چھوڑ کر۔

''اسے نہیں جانا چاہیے تھا، مجھ سے پوچھ ہی لیتی۔'' بڑے ماموں بولے تھے۔

انہیں دکھ، افسوس اور پچھتاوے کے ساتھ ساتھ ان سے شکوہ بھی تھا کہ وہ کیوں غضنفر علی کے ساتھ گئیں۔

''میں جا رہا ہوں بیٹا، میری فلائٹ ہے،



9-A: Monthly Hina May 2018

میں فون کرتا رہوں گا آپ کو۔" وہ باہر چلے گئے تھے، کچھ ہی دیر میں چھوٹے ماموں بھی اٹھ گئے تھے، اب وہاں وہ تھی اور موسیٰ علی، وہ ابھی تک دروازے میں کھڑا تھا، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اسے کیا کہے، اس کے پاس الفاظ ہی نہ تھے جن سے ان کا غم کم ہو جاتا۔

وہ رو رہی تھی اور موسیٰ علی چپ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، پھر غضنفر علی کو آتا دیکھ کر وہ چونک گیا تھا، اس سے مصافحہ کر کے وہ اندر کی جانب بڑھے تھے۔

"فروا!" انہوں نے اسے آواز دی تھی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی، غضنفر علی کو اس کے چہرے پر پھیلتے ناگوار تاثرات واضح دکھائی دے رہے تھے۔

"کیسی ہو بیٹا؟" وہ اس کی خفگی کو بھانپتے ہوئے آگے بڑھے اور اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

"نہیں ہوں میں آپ کی بیٹی۔" اس نے ان کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں، میں نفرت کرتی ہوں آپ سے، شدید نفرت۔" وہ زور سے چلائی تھی۔

"چھین لیا آپ نے میری ماں کو، میری زندگی کا واحد رشتہ، میری کل کائنات چھین لی مجھ سے، میرے پاس تو اور کچھ بھی نہیں کھونے کے لئے، خالی ہاتھ ہو گئی میں، مجھے لاوارث کر دیا آپ نے، بے سہارا ہو گئی میں، صرف آپ کی وجہ سے۔" وہ زور زور سے رو رہی تھی، غضنفر علی لب بھینچے کھڑے تھے، موسیٰ علی خاموشی سے ان باپ بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔

"صرف ایک دفعہ میری بات سن لو بیٹا۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولے تھے۔

اگرچہ اب کچھ نہ بچا تھا، کچھ کہنے سننے کا دور گزر گیا تھا، مگر وہ گل افزاء کی بیٹی تھی اور وہ اس کو دیکھنا اس سے بات کرنا چاہتے تھے۔

"کچھ نہیں سننا مجھے، میری ماں واپس لا دیں، پھر سن لوں گی آپ کی بات۔" اس نے نفی میں سر زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا تھا، آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"وہ اب نہیں آئے گی۔" انہوں نے مجرمانہ انداز میں اعتراف کیا تھا، فروا نے نفرت سے بھرپور نظر ان کی سمت اچھالی تھی، وہ کتنے آرام سے اتنی بڑی بات کہہ رہے تھے۔

"کیوں لے کر گئے تھے آپ انہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر ان کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

"ڈونٹ بی سلی فروا!" خاموش تماشائی بنا موسیٰ علی آگے بڑھا اور اسے ان سے الگ کیا۔

"اگر نبھا نہیں سکتے تھے تو محبت کیوں کی تھی ان سے، تحفظ نہیں دے سکتے تھے تو شادی کیوں کی تھی، بتائیں۔" آج اتنے برسوں کے بعد انہیں اس بات کے لئے جوابدہ ہونا ہی پڑا تھا، اس زیادتی کے لئے جس پر وہ ہر روز پچھتاتے رہے ہیں۔

"میں بہت بے سکون ہوں فروا، بہت بے چین ہوں، پلیز میرے پاس بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرو۔" ان کے اندر کا کرب ان کے لہجے میں عود کر آیا تھا، وہ اس کے سامنے بھکاری بنے کھڑے تھے اور جو لوگ محبت کی قدر نہیں کرتے، اسے ٹھکراتے ہیں تو وقت انہیں ایسے ہی بھکاری بناتا ہے ہر ایک کے سامنے۔

"آپ سے باتیں کروں، آپ سے۔" وہ دکھ اور غصے کے ملے جلے جذبات کا شکار ہو کر بولی تھی۔



"میں آپ کو کبھی دیکھنا نہیں چاہتی، بات کرنا تو درکنار۔" اس نے نفرت سے کہا۔

"مجھے ایک موقع دو، میں آپ کے تمام گلے شکوے دور کر دوں گا بیٹا۔" وہ ہمت نہ ہارے تھے، انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ اگر فروا ان سے راضی ہو جائے تو گل افزاء کی روح کو بھی سکون ملے گا۔

"آپ اپنے ضمیر کو بوجھ سے آزاد کروانا چاہتے ہیں، ابھی بھی صرف اپنا سوچ رہے ہیں، آپ کتنے Selfish ہیں۔" اس نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ میرے باپ ہیں۔" اس نے حقارت سے کہا، اس کے الفاظ غفنفر علی کی روح تک کو چھلنی کر رہے تھے۔

"فروا میں......" انہوں نے بولنا چاہا، صفائی دینا چاہی، مگر وہ یہ بھول رہے تھے کہ بے وفائی کی کوئی وضاحت یا صفائی نہیں ہوتی۔

"آپ چلے جائیں یہاں سے، میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی، دوبارہ مت آیئے گا میرے سامنے، آپ نے میرا ناقابل تلافی نقصان کر دیا ہے، آپ اسے پورا نہیں کر سکتے۔" ان کی بات کاٹ کر وہ سختی سے بولی تھی، موسیٰ علی دیکھے گیا۔

"فروا!" وہ دو قدم آگے آئے تھے، وہ مزید پیچھے ہٹ گئی تھی، وہ گل افزاء اور عروبہ جیسی نہ تھی، وہ ظالم کو معاف کرنے کے حق میں نہ تھی۔

"جائیں۔" وہ روتے روتے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

"جائیں چلے جائیں۔" وہ ایک ہی بات کہی جا رہی تھی، غفنفر علی چلے گئے تھے، اس کے رونے کی آوازیں ماحول کو سوگوار بنا رہی تھیں، موسیٰ علی اس کے قریب آیا تھا۔

"عروبہ!" اب وہ اسے آوازیں دینے لگی تھی۔

"عروبہ کہاں ہو آ کر دیکھو میں بھی تمہاری طرح اکیلی ہو گئی۔" موسیٰ علی پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

"اٹھو فروا!" اس نے فروا کو ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور بازو کے گھیرے میں لے کر بیڈ تک لایا، اسے بیٹھا کر وہ اس کے پاس بیٹھ گیا، فروا کا ہاتھ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"تم اکیلی نہیں ہو۔" اس نے دوسرا بازو اس کے گرد پھیلایا، فروا سسک اٹھی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ ہولے ہولے اس کا شانہ تھپتھپا رہا تھا۔

"موسیٰ میرا کوئی نہیں۔" اس کے شانے پر سر ٹکائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، موسیٰ علی کو اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"بس فروا!" وہ نرم لہجے میں بولا، مگر اس وقت نہ تو اس کے الفاظ اور نہ ہی نرم لہجہ فروا کے سلگتے زخموں پر مرہم کا کام دے سکتا تھا، وہ روئے جا رہی تھی۔

"مجھے بہت افسوس ہے ان کے جانے کا، مگر ہم بے بس ہیں۔" اس نے نرمی سے سمجھایا، وہ بس روئے جا رہی تھی، اسے کچھ ہوش نہ تھا کہ یہ وہی موسیٰ علی ہے جو اس کو تھپڑ مار کر گیا تھا اور جس کی وہ امی سے شکایت لگانا چاہتی تھی، وقت نے اسے ایسا گہرا گھاؤ لگایا تھا کہ کچھ بھی یاد نہ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ رو رہی تھی، آنسو بہا رہی تھی، اللہ سے فریاد کر رہی تھی، مگر دل تھا کہ ابھی تک اس کے نام کی گردان کر رہا تھا، آنسو تھے کہ اس کی یاد میں بہہ رہے تھے اور کیوں نہ بہتے، محبت میں لگے زخموں کو بھلانا اتنا آسان تو نہیں، جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو آنسو خود بخود بہنے لگتے ہیں۔

"کیوں کیے تھے مجھ سے اتنے وعدے، ساتھ نبھانے کی قسمیں کیوں کھائی تھیں، اگر بیچ راستے میں چھوڑ جانا تھا۔" وہ اسے پکار رہی تھی، آوازیں دے رہی تھی، مگر وہ تو اس کی زندگی سے اس کی دسترس سے بہت دور نکل چکا تھا، ان کی محبت کو بدگمانی کے گہرے بادلوں نے دھندلا دیا تھا، اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کیا کرے، اس شخص کو کھو دینے کا خیال اس کے لئے سوہان روح تھا، وہ شدید اذیت میں مبتلا تھی۔

"اللہ!" اس نے ایک مرتبہ پھر مایوس و نامراد ہو کر اسے پکارا تھا۔

"میں کیسے رہوں گی اس کے بغیر۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، اسے یقین تھا وہ اسے تلاش کرتا ہوا اس کے پاس آ جائے گا اور اس سے اپنے رویے کی معافی مانگے گا، ہاتھ تھام کر محبت سے واپس اپنے گھر میں لے جائے گا۔

"مجھے اس کے بغیر رہنا نہیں آتا۔" وہ بھول چکی تھی کہ وہ شخص اسے گھر سے ہی نہیں دل سے بھی نکال چکا ہے اور جنہیں دل سے نکال دیا جائے ان کے لئے پھر گھر میں بھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، وہ اسے ہمیشہ کے لئے کھو چکی تھی، مگر اس کا دل اس بات کو ماننے سے انکاری تھا، وہ ابھی بھی آس لگائے بیٹھی تھی۔

"زندگی!" وہ ایک مرتبہ پھر حواس کھونے لگی تھی، ماحول سے کٹنے لگی تھی، پھر سے خود فریبی میں مبتلا ہو رہی تھی۔

"اندھیرے میں مت بیٹھا کرو۔" وہ اس کے پاس آ بیٹھا اور گہری نظر اس کی سمت اچھال کر گویا ہوا۔

"یہ جو اندھیرا ہے نا، یہ میرے اندر کا اندھیرا ہے، میں جہاں بھی جاتی ہوں اندھیرے پھیل جاتے ہیں، یہ میرے نصیب کی سیاہیاں ہیں۔" وہ چند ثانیے بیٹھا اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر لائٹس آن کر دیں۔

"پتا نہیں کیسی باتیں کرتی ہو تم۔" وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے گویا ہوا۔

"مجھے ڈر ہے ان اندھیروں سے گھبرا کر آپ مجھے چھوڑ نہ دیں۔" وہ اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"ہم دونوں کو کوئی جدا نہیں کر سکتا۔" اس نے اس کا ہاتھ تھاما، اس نے ایک سسکاری بھری اور حال میں لوٹ آئی، وہ کہیں نہ تھا، وہ ایک مرتبہ پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

☆☆☆

"فارقلیط!" وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"عروبہ!" فارقلیط حسن فوراً جاگ گیا تھا، اس نے جلدی سے لیمپ کا بٹن آن کیا اور اٹھ کر لائٹس آن کیں۔

"آر یو آل رائیٹ؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا، اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا، وہ تھر تھر کانپ رہی تھی، اس کے چہرے پر خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے عروبہ کی عرق آلود پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"فار...... قلیط!" اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی، زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"ہاں بولو۔" اس نے محبت سے اس کا گال تھپتھپایا۔

"میں تمہارے پاس ہوں۔" اس کا ایک ہاتھ اس کی پیشانی پر تھا، دوسرے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا، جسے وہ ہولے ہولے دبا رہا تھا، اسے اپنے ساتھ ہونے کا یقین اور مان بخش رہا تھا۔

''میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔'' اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری تھی۔

''مائی گڈنیس۔'' وہ ہنس دیا تھا۔

''اس دنیا میں جو سب سے کمزور اور نازک دل کی لڑکی ہے، اسے اللہ میاں نے میری بیوی بنایا ہے، کم آن یار خواب واب کچھ نہیں ہوتے، بس ہمارے Uncinscious میں رہ جانے والی کچھ یادیں اور ہماری دن بھر کی thinking ہوتے ہیں خواب۔'' اس نے گلاس میں پانی انڈیلا اور اس کے پاس لے آیا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور گلاس اس سے لے لیا۔

''مجھے سوتے میں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی مجھے آواز دے رہا ہے، پکار رہا ہے۔'' وہ ابھی تک اسی خواب کے زیر اثر تھی۔

''تم بے فکر رہو، کچھ بھی نہیں ہوتا، میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔'' اس نے عروبہ کے ساتھ بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے ٹکا کر بازو کا حصار اس کے گرد باندھ لیا، عروبہ کو ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا، اسے یقین تھا کہ وہ اس وقت بہت محفوظ ہے، مگر اسے ڈر یا خطرہ اپنے لئے نہ تھا، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ خواب میں اسے کون نظر آیا ہے۔

''تم سو جاؤ، میں جاگ رہا ہوں۔'' اس نے یقین دلایا، وہ بہت خوفزدہ تھی، فارقلیط حسن نیم دراز ہو چکا تھا، وہ اس کے ساتھ لگی سو گئی تھی۔

''فارقلیط!'' وہ ایک دم پھر سے چیخ مار کر جاگ گئی تھی۔

''عروبہ!'' وہ جاگ رہا تھا، اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

''وہ مجھے آوازیں دے رہی تھی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھی، فارقلیط حسن بھی پریشان ہو گیا تھا۔

''کون؟'' اس نے دریافت کیا۔

''فروا!'' اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جگمگا رہے تھے۔

''کون فروا!''

''میری دوست، میری بیسٹ فرینڈ تھی۔'' اس نے بتایا۔

''تھی؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے عروبہ کی جانب دیکھا۔

''ہاں۔'' اس نے سارا واقعہ فارقلیط حسن کے گوش گزار کر دیا تھا، جسے سن کر وہ شاکڈ رہ گیا تھا۔

''اوہ! آئی سوئیر عروبہ تم نہ سمجھ میں آنے والی ہو۔'' وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

''یار اس لڑکی نے تمہارے ساتھ اتنا برا کیا، تم اس کے لئے پریشان ہو رہی ہو۔'' اسے حیرت ہوئی تھی، حقیقت جان کر وہ ایک ایسی لڑکی کے لئے پریشان تھی جس نے اسے اتنی تکلیف پہنچائی۔

''وہ مجھ سے بہت پیار کرتی تھی۔'' وہ گویا ہوئی۔

''بس وقت نے ہمارے خلاف سازش کی۔'' وہ وضو کرنے چلی گئی تھی۔

''وقت کو blame نہیں دینا چاہیے، ہم خود کرتے ہیں جو بھی کرتے ہیں۔'' وہ واپس آئی تو فارقلیط حسن بولا، وہ باہر کی جانب بڑھنے لگی، اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

''نماز حاجت پڑھنے لگی ہوں۔'' وہ باہر نکل گئی۔

''تو تم کمرے میں ہی پڑھ لو۔''

''یہاں آپ نے یہ اتنی تصویریں لگا رکھی ہیں۔'' اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اوہ!'' فارقلیط حسن اس کے ساتھ باہر نکلا تھا۔

''تم لاؤنج میں پڑھ لو، میں کل وہ تمام تصویریں اتار دوں گا۔'' عروبہ نے جائے نماز بچھائی اور نماز پڑھنے لگی، فارقلیط حسن وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا، وہ نماز پڑھ رہی تھی اور وہ بیٹھا اس کو بغور دیکھ رہا تھا، وہ اسے بے حد چاہتا تھا، ایسی محبت کرتا تھا کہ کبھی کبھی وہ خود اس کے لئے اپنے جذبات پر حیران ہوتا تھا، وہ اس کا ہم سفر بھی تھا، سایہ بھی، سائبان بھی اور محافظ بھی۔

☆☆☆

غضنفر علی روزانہ قبرستان جاتے تھے، پہروں اس کی قبر پر بیٹھے وہ تمام باتیں کہتے اور دل کی تنہائیوں کا حال سناتے تھے جو برسوں تک نہ سنا سکے تھے۔

''تم سن رہی ہو نا گل افزاء؟'' ان کے آنسو ٹھوڑی سے بہہ کر گل افزاء کی قبر پر گر رہے تھے، وہاں خاموشی تھی، سناٹا تھا، وحشت تھی، مگر غضنفر علی کے لئے وہ سکون حاصل کرنے اور دکھوں سے نجات کی جگہ تھی۔

''مجھے بھی اپنے پاس بلا لو گل افزاء!'' انہوں نے قبر سے مٹی اٹھا کر مٹھیوں میں بھینچ لی تھی، انسان کی فطرت بھی عجیب ہے، زندہ انسانوں کی قدر نہیں کرتا، جب ضرورت ہوتی ہے تو ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور مرنے کے بعد مٹی کے ڈھیر کے پاس آ بیٹھتے ہیں۔

زندہ انسان کو تو دھتکار دیتے ہیں، اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو جھٹک دیتے ہیں اور مرنے والے کو کندھا دینے کو بے چین ہو جاتے ہیں آہ۔

☆☆☆

صوفیہ شوہر کی حالت دیکھ رہی تھیں، مگر خاموش تھیں، جانتی تھیں وہ جو بھی کر لیں گل افزاء کو واپس نہیں لا سکتے، وہ چپ کی چادر اوڑھے پھر رہے تھے، انہیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ ان کی اپنی چھوٹی بیٹی محض ایک دن میں اجڑ گئی تھی، نہ ہی صوفیہ نے انہیں بتایا تھا۔

''ہم نویلہ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔'' عیسیٰ احمد کے والدین ان کے گھر آئے ہوئے تھے، صوفیہ خاموش بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

''طلاق دے چکا ہے وہ میری بیٹی کو۔'' صوفیہ نے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا تھا۔

''ایسے تھوڑی طلاق ہوتی ہے۔'' عیسیٰ احمد کی ماما بولیں۔

''میں اس طرح اسے آپ لوگوں کے ساتھ تنہا نہیں بھیج سکتی، مجھے کیا پتا میری بیٹی کے ساتھ کیا سلوک کرے وہ وہاں۔'' انہوں نے اندیشوں کا اظہار کیا۔

''ہمارے ہوتے ہوئے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔'' پاپا بولے تھے، ماما نے بھی تائید میں سر ہلایا تھا۔

''طلاق نامہ بھی آپ کے ہوتے ہوئے اس کے منہ پر مار کر اسے یہاں چھوڑ کر گیا ہے۔'' انہوں نے جیسے مار دیا تھا، لمحہ بھر کو تو وہ جیسے خاموش رہ گئے۔

''نویلہ کے باپ کو تو ابھی پتا بھی نہیں کہ بیٹی جنم سے پہلے اجڑ گئی۔'' اسی لمحے غضنفر علی نے قدم اندر رکھا تھا۔

''آپ انہیں بتائیے گا بھی مت۔'' عیسیٰ احمد کے پاپا بولے تھے۔

''وہ پہلے ہی بہت پریشان اور دکھی ہیں۔'' عیسیٰ کی ماما بولیں۔

''جاتے جاتے بھی وہ عورت میری زندگی کو ڈسٹرب کر گئی۔'' وہ حقارت اور نفرت سے بولیں،

ان دونوں نے تاسف سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا، غضنفر علی اندر داخل ہوئے تو صوفیہ سناٹے میں آ گئی۔

☆☆☆

موسیٰ علی نے فروا کو سکون آور دوا دے کر سلایا تھا، اس کی طبیعت نہ سنبھل رہی تھی، اس کی وجہ سے معصب بھی ڈسٹرب ہو رہا تھا، موسیٰ علی نے آفس سے چھٹی کی تھی، وہ ناشتہ کر کے فارغ ہوا تھا، معصب اس کے پاس لاؤنج میں بیٹھا کھیل رہا تھا، فروا ابھی تک دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی۔

''السلام علیکم سر!'' وہ زین ندیم کی آواز سن کر چونک گیا تھا۔

''آؤ زین۔'' اس نے کھڑے ہو کر اسے گلے لگایا تھا۔

''بیٹھو۔'' موسیٰ علی نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

''آپ کی خالہ کا پتا چلا، بے حد افسوس ہوا۔'' اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''جیسے اللہ کی مرضی۔'' موسیٰ علی مختصراً بولا۔

''آپ کی خالہ کے بچے نہیں ہیں۔'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''ایک بیٹی ہے۔''

''اوہ!'' اس نے ہونٹ سکوڑے۔

''تو اب وہ......'' اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑی۔

''سو رہی ہے، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا، بہت ڈسٹرب ہے۔'' موسیٰ علی بے خیالی میں اسے بتانے لگا، زین ندیم یہ سن کر بے چین ہو گیا تھا، اس کا جی چاہا وہ فروا کو دیکھے، اس کا حال پوچھے، اسے بتائے کہ وہ اس کے غم میں اس لئے ساتھ ہے، مگر ایسا ممکن نہ تھا، سو وہ اس خواہش کو دل میں دباتے واپس چلا گیا۔

''فروا طبیعت کیسی ہے؟'' موسیٰ علی بیڈ روم میں آیا تو وہ اٹھ چکی تھی، چت لیٹی وہ چھت کو گھور رہی تھی، اس کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔

''موسیٰ میری امی!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔

''بس فروا!'' وہ تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

''سنبھالو خود کو، میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے، موسیٰ علی نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''اٹھو، فریش ہو جاؤ، میں تمہارے لئے ناشتہ بناتا ہوں۔'' اس نے فروا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''فروا، معصب بھی بہت ڈسٹرب ہے، وہ تم سے بہت اٹیچ ہے، تم اسے اگنور کر رہی ہو، وہ بہت فیل کر رہا ہے، دیکھو وہ بن ماں کا بچہ ہے، اسے تمہاری محبت اور کیئر کی ضرورت ہے۔'' اس بات پر فروا کے بے جان وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔

''معصب کہاں ہے؟'' اس نے فوراً اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

''باہر کھیل رہا ہے۔'' موسیٰ کے بتانے پر وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔

''معصب!'' اس نے آواز دی۔

''ماما!'' وہ دوڑ کر اس کے قریب آیا۔

''کیسا ہے میرا بیٹا۔'' اس نے معصب علی کو اٹھا لیا تھا، اسے سینے سے لگائے وہ روئے جا رہی تھی، موسیٰ علی اداسی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

عدیل کی فلائٹ تھی اور علیشہ بہت اداس تھی، وہ خاموشی سے اس کی پیکنگ کر رہی تھی، عدیل اس کی خاموشی کو محسوس کر رہا تھا۔

''اداس ہو۔'' اس نے شرٹ اس کے ہاتھ سے پکڑ کر سائیڈ پر رکھی اور اس کے پاس کھڑا کہنے لگا۔

''نہیں بہت خوش ہوں۔'' وہ منہ پھلا کر بولی، عدیل ہنستا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''تمہیں معلوم تھا کہ میں شادی کے بعد چلا جاؤں گا۔'' اس نے علیشہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''کیسے رہوں گی تمہارے بغیر۔'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا۔

''میں جلد تمہیں بلا لوں گا ڈونٹ وری۔'' اس نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

''کب بلاؤ گے؟'' وہ جھٹ سے بولی۔

''بہت جلد۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''عدیل میں زیادہ انتظار نہیں کر سکوں گی۔'' وہ ایک مرتبہ پھر کہنے لگی۔

''مجھے وہاں جا لینے دو، پھر تمہارے آنے کا فوراً پلان کروں گا۔'' اس سے ڈھیر سارے وعدے کر کے وہ چلا گیا تھا۔

☆☆☆

تمام رات عیسیٰ احمد سو نہ سکا، اس نے بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے رات آنکھوں میں کاٹی تھی، اسے رہ رہ کر گل افزا اور غضنفر علی کا دکھ یاد آ رہا تھا۔

''تو کیا عروبہ کی قسمت بھی اپنی ماں جیسی ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اللہ نہ کرے۔'' فوراً اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''یا اللہ! اب عروبہ کو زندگی میں اور کوئی دکھ نہ ملے۔'' اس نے صدق دل سے دعا کی تھی۔

صبح ہونے تک اس کی طبیعت بہت بوجھل اور اداس تھی، اس نے ایک کپ کافی بنائی اور لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا، ابھی دو سیپ ہی لئے ہوں گے کہ ماما کی کال آ گئی۔

''السلام علیکم ماما!'' اس نے بے دلی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! میری جان کیسے ہو؟'' وہ محبت سے بھرپور لہجے میں بولیں۔

''آپ کب آ رہی ہیں؟'' ان کے سوال کو قصداً نظر انداز کرتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

''بس جلد آئیں گے۔'' انہوں نے بتایا۔

''اور نویلہ کو ساتھ لے کر آئیں گے۔'' انہوں نے اطلاع دی، عیسیٰ احمد کی تو یہ سن کر جان پر بن آئی۔

''ایسا کچھ بھی مت کیجئے گا ماما۔'' وہ آواز کو حتی المقدور نارمل رکھتے ہوئے بولا تھا۔

''میں اسے طلاق دے چکا ہوں۔'' اسے وہ بات کہنی پڑی جو وہ کہنا نہ چاہتا تھا۔

''ایسے طلاق نہیں ہوتی عیسیٰ۔'' انہوں نے سمجھانا چاہا۔

''اللہ سے ڈرو، وہ لڑکی بے قصور ہے۔''

''بے قصور تو عروبہ بھی تھی ماما، صوفیہ آنٹی ڈری تھیں اس کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے؟'' وہ تلخ ہوا تھا، اسے ماما کا نویلہ کی فیور کرنا بالکل بھی اچھا نہ لگتا تھا اور اب جو بات وہ کہہ رہی تھیں، یہ تو کسی طرح بھی اس کے لئے قابل قبول نہ تھی۔

''سزا اور جزا خدا کا کام ہے، ہم کون

ہوتے ہیں کسی کو سزا دینے والے۔"
"ماما میں کبھی بھی نویلہ کو اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا، آپ اگر اسے یہاں لائیں تو میں گھر چھوڑ دوں گا۔"
"تم اگر اسے ساتھ نہ رکھو گے تو میں تم سے بات نہ کروں گی۔" انہوں نے یہ کہہ کر لائن کاٹ دی تھی، مگر وہ کچھ نہ کر سکتا تھا بات اس کے اختیار سے باہر تھی۔

☆☆☆

صبح اس کے اٹھنے سے پہلے فارقلیط حسن نے بیڈ روم سے تمام وال پینٹنگز اور تصویریں اتار کر سٹور میں پھینک دی تھیں، عروبہ اٹھی تو دیکھ کر مسکرا دی۔
"گڈ مارننگ مائی سویٹ وائف۔" فارقلیط حسن نے مسکراتے ہوئے اس کا گال چھوا تھا۔
"السلام علیکم!" عروبہ نے ہمیشہ کی طرح اس کی گڈ مارننگ کے جواب میں سلام کیا تھا۔
"The room is ready for your preyer۔" عروبہ نے تشکر آمیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا، وہ سمجھ نہ پا رہی تھی کہ کیا کہے۔
"آپ اتنے اچھے کیوں ہیں؟" وہ بے ساختہ بولی تھی، اس کی بات پر وہ دل کھول کر ہنسا تھا، وہ فریش ہو کر آ گئی تھی۔
"well میں اتنا اچھا نہیں ہوں، آپ کی غلط فہمی ہے مسز۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر روم سے باہر آ گیا تھا۔
"آج تک بہت سی لڑکیوں کو تڑپایا ہے میں نے، بہت سی دیوانی رہی ہیں میری، ابھی تک پیچھا کرتی ہیں، یہ محبت اور خاص عنایت صرف آپ کے لئے ہے۔" وہ بہت فریش نظر آ رہا تھا، عروبہ کا موڈ بھی اسے دیکھ کر خوشگوار ہونے لگا تھا۔
"اگر کسی کی بد دعا لگ گئی آپ کو۔" اس نے شرارت آمیز سنجیدگی سے کہا، وہ کچن میں آ گئے تھے، فارقلیط حسن ناشتہ بنا رہا تھا، اسے چیئر پر بیٹھا دیا تھا۔
"بد دعا نہیں لگتی مجھے۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا، عروبہ مسلسل اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔
"آپ اتنے ظالم لگتے تو نہیں۔" وہ بولی۔
"میں بہت ظالم ہوں۔" وہ اس کی طرف مڑا۔
"مگر تمہارے لئے نہیں۔" وہ ناشتہ ٹیبل پر لگانے لگا۔
"میں اس دنیا کا سب سے برا آدمی اور تم اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہو۔" اس نے عروبہ کی ناک کھینچی تھی۔
"فارقلیط!" وہ اپنی ناک سہلانے لگی تھی۔
"آپ اس دنیا کے دوسرے اچھے آدمی ہیں۔" فارقلیط حسن نے اس کے کپ میں چائے ڈالی تھی اور سلائس پر مکھن لگا کر اس کی جانب بڑھایا۔
"اچھا۔" اب وہ اپنے کپ میں چائے ڈال رہا تھا۔
"تو پہلا اچھا آدمی کون ہے؟" وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔
"میرے بابا۔" اس نے بتایا۔
"تمہیں ابھی بھی لگتا ہے تمہارے بابا اچھے ہیں۔" وہ از حد حیران تھا۔
"اس کا کیا مطلب؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔
"انہوں نے جو تمہارے ساتھ کیا، میرے ڈیڈ میرے ساتھ ایسا کریں تو آئی سوئیر میں تو......"

"جیسے بھی ہے میرے بابا اچھے ہیں اور بس۔" اس نے چائے کا کپ اٹھایا، فارقلیط حسن خاموش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"غضنفر!" صوفیہ کمرے میں آئیں تو دیکھا وہ صوفے پر نیم دراز تھے۔
"طبیعت کیسی ہے؟" انہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، مگر جواب ندارد۔
"مجھے بہت افسوس ہوا گل افزاء۔"
"بس۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روکا۔
"کیا بات کر رہی تھی تم، میری کس بیٹی کا کہہ رہی تھی اجڑ گئی؟" صوفیہ نے خوفزدہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا تھا۔
"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے غضنفر۔" انہوں نے ٹال دیا۔
"صوفیہ میں نے جتنا پوچھا ہے اتنا جواب دو۔" مروت ولحاظ کا وقت گزر گیا تھا، غضنفر علی نے اس عورت کو وہ مقام دیا تھا جس کی وہ حقدار نہ تھی، اب حقیقت کھلی اور ان پر یہ انکشاف ہوا کہ ان کی بربادی میں اس کا بھی ہاتھ ہے تو ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔
"تم سہہ نہیں پائیں گے۔" اس نے تمہید باندھی۔
"گل افزاء کی موت کی خبر سن لی ہے اور برداشت بھی کر لی ہے، تو اب میں سب کچھ سن سکتا ہوں۔" وہ ضبط کرتے ہوئے بولے۔
"عیسٰی احمد نے شادی کی رات ہی نویلہ کو......" ان کی زبان اٹکنے لگی تھی، غضنفر علی دم سادھے بیٹھے تھے۔
"طلاق دے دی تھی۔" وہ بات مکمل کر کے رونے لگی تھیں، غضنفر علی آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہے تھے، ان کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہونے لگے تھے، یکا یک ان کے بائیں بازو میں درد اٹھا تھا، ان کا دل رک رک کر چلنے لگا تھا۔

☆☆☆

رات کا نا جانے کون سا پہر تھا، عروبہ غضنفر کو بہت پیاس لگی تھی، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اس نے فوراً اپنے پہلو میں نگاہ دوڑائی، وہاں فارقلیط حسن نہ تھا، وہ واش روم تک آئی۔
"فارقلیط!" اس نے آواز دی، دروازہ کھلا ہوا تھا، وہ تیزی سے بیڈ روم سے نکلی تھی، سارا گھر دیکھ لیا، وہ کہیں نہ تھا، وہ صحن میں نکل آئی تھی، ہر سو ہو کا عالم تھا، اس سناٹے سے اسے وحشت ہو رہی تھی۔
"نا جانے ڈیڈی گھر پر ہیں یا نہیں۔" اچانک صحن میں لگے درخت کے پاس اسے ایک ہیولا دکھائی دیا، اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی اور وہ درخت کے تنے پر ضرب لگا رہا تھا۔
"فارقلیط!" اس کے منہ سے چیخ برآمد ہوئی، وہ ہیولا اس کی جانب بڑھا، وہ اندر کی طرف بھاگی۔
"رک جاؤ۔" اس نے پکارا، خوف کی ایک تیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر گئی، اس نے بھاگنا چاہا، مگر اس کے قدم زمین نے جکڑ لئے۔

(باقی آئندہ ماہ)

☆☆☆



چھٹی قسط

شہر دل کا راستہ

تحسین اختر

''اولاد'' اللہ کی وہ بیش بہا نعمت ہے کہ جس کے بغیر زندگی کا تصور ادھورا خوشیاں نامکمل ہیں، اولاد والدین کی آنکھ کا نور، دل کی دھڑکن، کلیجے کی ٹھنڈک و روح کا سرور، زندگی کا محور، تمناؤں، امیدوں کا مرکز، بہاروں کا پیغام، رزق میں برکت کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ ہے، ماں کی گود، اولاد کی پہلی تربیت گاہ ہے تو باپ کا وجود ایک تناور گھنیرا چھنار سایہ، والدین اپنے آنگن کے پھولوں کی بہترین تعلیم و تربیت کی جدوجہد میں گویا اپنا سب کچھ ان پر نچھاور کر دیتے ہیں، انہیں زندگی کے سرد و گرم سے بچاتے ہوئے اپنی تمام خوشیاں ان کے قدموں میں ڈھیر کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور پھر اپنی جہد مسلسل سے جب وہ ایک نازک پودے سے توانا درخت کی صورت ڈھال لیتے ہیں تب ان کے ہاتھ اور چہرے جھریوں سے بھر چکے ہوتے ہیں، جسم لاغر ہو جاتا ہے کمر جھکنے لگتی ہے جوانی زندگی کے طویل سفر کی بھول بھلیوں میں کہیں بہت دور رہ جاتی ہے۔

ناولٹ

امام انبیاء سرکار دو عالم و سرور کائنات فخر موجودات، سید المرسلین، خاتم النبین، رحمتہ اللعالمین، سرور کونین، رسول ثقلین، ساقی کوثر، شافع محشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب بچیوں کو قتل کرنے کا مکروہ اور گھناؤنا فعل دنیا بھر میں جاری تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سختی سے مذمت فرماتے ہوئے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا، ایک دن ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس کے ساتھ نیکی کروں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے والدین کے ساتھ'' اس نے کہا۔



"وہ تو نوت ہو چکے ہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"تو پھر اپنی اولاد کے ساتھ کرو کہ جس طرح ماں باپ کے حقوق ہیں اس طرح اولاد کے بھی حقوق ہیں، دنیا کے دیگر مذاہب، والدین کے حقوق کی بات تو کرتے ہیں لیکن اولاد کے حقوق پر کوئی بات نہیں کرتا اسلام ہی وہ عالم گیر مذہب ہے کہ جس نے اولاد کے حقوق کو بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔"
"والدین کا فرض ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے نیک اولاد کے حصول کے لئے دعائیں کرتے رہیں پھر بچے کی ولادت پر شکر کا اظہار کریں اور حسب استطاعت صدقہ خیرات کریں، لڑکا اللہ کی نعمت اور لڑکی اللہ کی رحمت ہے، دونوں میں سے جو بھی ہو اس پر خوشی کا اظہار کریں، والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اولاد کی اعلیٰ پرورش اور بہترین تعلیم و تربیت کے انتظامات کریں، اولاد کو با ادب اور فرماں بردار بنانے کے لئے ان کی دینی اور اخلاقی تربیت پر شروع ہی سے خصوصی توجہ دیں بچوں کے ساتھ پیار و محبت، شفقت و ہم دردی کا معاملہ رکھیں اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں ان کی مدد کریں، لڑکیاں معصوم ہوتی ہیں۔"
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"جس نے ایک لڑکی کی پرورش کی اس پر جنت واجب ہو گئی۔" اس لئے لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینا اسلام میں ناپسندیدہ فعل ہے، وارثت میں مساویانہ سلوک کریں، لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا یا کسی کو کم یا کسی کو زیادہ دینا سخت گناہ ہے، اولاد کی غلطیوں، کوتاہیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی اصلاح کریں نہ مانیں تو سرزنش کریں اور پھر انہیں معاف بھی کر دیں اور والدین کو چاہیے کہ بچوں کے حق میں ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہا کریں، ٹی وی چل رہا تھا جہاں ایک عالم دین بڑے دلنشین انداز میں وعظ کر رہے تھے، مریم ایک ایک لفظ نہایت غور سے سن رہی تھی، اس لئے بھی کہ وہ بھی ماں کے رتبے پر فائز ہو چکی تھی اور ماں کے رتبے پر فائز ہونے والی تھی، مگر اچانک ہی اس کا ذہن گھوما تھا اور اپنی ممی اور اپنے ڈیڈی کی طرف چلا گیا تھا وہ بھی والدین تھے انہوں نے بھی اپنے بچوں کو جنم دیا تھا، اس دنیا میں لانے کے ذمہ دار تھے ان کے بھی فرائض تھے ان کی اولاد کے بھی حقوق تھے ان پر اور انہوں نے کیا نبھایا تھا نہ تو اپنے فرائض اور نہ ہی اولاد کے حقوق، وہ چت لیٹی تھی اور اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب ممی ہمیشہ کسی غیر شخص کی بانہوں کے گھیرے میں مدہوش گھر آیا کرتی تھیں، وہ لوگ اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھا کرتے تھے تو ملازمہ انہیں گھسیٹ کر کمرے میں لے آتی تھی کبھی ڈیڈی بھی ایسا ہی سین گھر کے ڈرائنگ روم میں کری ایٹ کرتے تھے کبھی کسی انکل کی مسز کبھی ڈیڈی کی سیکرٹری کبھی ممی کی کوئی فرینڈ، ڈیڈی کو بس جو بھی پسند آ جاتی، اکثر تو ممی برداشت کر جاتی تھیں کہ ایسا ظرف ڈیڈی بھی تو رکھتے تھے اور کبھی کبھار جب ہر حد برداشت سے باہر ہو جاتی تو دونوں درندوں کی طرح لڑ پڑتے تھے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جاتے تب ممی کا ہیئر اسٹائل بگڑ جاتا ڈیڈی کے برانڈڈ سوٹ پھٹ جاتے، ممی کی مہنگی لپ اسٹک کا رنگ اتر جاتا ڈیڈی کے سینے پر ممی کے لمبے ناخنوں سے کھرونچیں پڑ جاتیں اور کبھی تو ہانگ کانگ، ملائیشا، ایران، سنگاپور، دبئی جانے کہاں کہاں سے منگوائے گئے نادر اور قیمتی ڈیکوریشن پیسز کی شامت آ جاتی، آن واحد میں

وہ کرچی کرچی ہو جاتے اور پھر بھی دونوں کا غصہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آتا ایسے میں وہ بہنیں اور ان کا بھائی سہم جاتا وہ کمرے میں بند ہو جاتے، پھر آہستہ آہستہ جب وہ بڑے ہوتے گئے تب ان کے لئے یہ کہانی پرانی ہو گئی، ممی ڈیڈی جو بھی کرتے وہ بس کسی مووی کا ایک بور سا سین سمجھ کر دیکھتے اور باہر نکل جاتے کہ ممی اور ڈیڈی کی ان کے نزدیک یہی حیثیت رہ گئی تھی بس۔
"مما آپ رو رہی ہیں۔" سنی جانے کب کمرے میں آیا تھا اور اسے چت لیٹے اور آنسو بہاتے دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔
"نہیں تو جانو۔" اس نے جلدی سے آنسو صاف کئے تھے۔
"نہیں آپ رو رہی ہیں، میں پاپا کو بتاؤں گا۔" وہ اس کے بیڈ پر چڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا تھا اس نے سنی کے ہاتھ محبت سے چوم لئے تھے، جو محبت اسے اپنے گھر سے نہ ملی تھی وہ یہاں اس گھر میں مل رہی تھی اور بے تحاشا مل رہی تھی۔

☆☆☆

سلسلے جو وفا کے رکھتے ہیں
حوصلے بھی انتہا کے رکھتے ہیں
ہم کبھی بد دعا نہیں دیتے
ہم سلیقے دعا کے رکھتے ہیں
ہم نے ان کے دامن بھی جلتے دیکھے ہیں
جو دامن بچا کے رکھتے ہیں
ہم نہیں ہیں شکست کے قابل
ہم سفینے جلا کے رکھتے ہیں
جس کو جانا ہے وہ چلا جائے
ہم دیئے سب بجھا کے رکھتے ہیں
ہم بھی کتنے عجیب ہیں محسن
درد دل میں چھپا کے رکھتے ہیں

موحد اسی گھر سے جا چکا تھا اور وانیہ وہ تو مانو موحد کو نہ دیکھ پا رہی تھی تو اسے لگ رہا تھا وہ اندھی ہو گئی ہے، اسے موحد دکھائی نہ دیا تو اور کچھ دکھائی بھی نہیں دے رہا ہے، موحد کا بس اس سے ٹیلی فونک رابطہ رہ گیا تھا، تصویر بھی دیکھ لیتی تھی، آواز بھی سن لیتی تھی مگر جو مزہ روز ملنے میں تھا وہ مزہ زندگی سے کھو سا گیا تھا۔
وانیہ کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ موحد اس کے لئے سانسوں سے بھی زیادہ قیمتی ہو گیا ہے، وہ کیا گیا ہر چیز سے حسن کھو سا گیا تھا، وہ ملگجے حلیے میں بے ترتیب سے انداز میں بیڈ پر بکھری پڑی تھی جب ملازمہ اس کے لئے جوس لے کر آئی تھی۔
"لے جاؤ یہاں سے مجھے کچھ نہیں لینا۔" ملازمہ کو دیکھ کر وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی تھی۔
"چھوٹی بی بی بیگم صاحبہ کا حکم ہے آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔"
"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور لے جاؤ یہ سب۔" وانیہ پہلے سے بھی زیادہ برے طریقے سے اس پر چلائی تھی، ملازمہ بے چاری جوس کا گلاس اٹھا کر الٹے پاؤں باہر بھاگی تھی ورنہ وانیہ شاید اس بار جوس کا گلاس اس کے سر پر ہی دے مارتی۔
"یہ کیا تماشا لگا رہا ہے تم نے۔" اب کے بیگم صاحبہ خود آئی تھیں، وانیہ کو اتنے برے حالوں میں دیکھ کر ایک دفعہ تو ان کا دل کٹا تھا، مگر وانیہ جو کچھ اور جس کی خاطر کر رہی تھی وہ بھی کون سا صحیح تھا، یہ سوچ کر ان کی ممتا پر غصہ غالب آ گیا تھا۔
"تماشا میں نے نہیں آپ نے بنوایا ہے۔" وہ نہایت بدتمیزی اور بے خوفی سے بولی تھی۔
"وانیہ لگتا ہے تمہیں بڑوں سے بات کرنے

کی تمیز اور سلیقہ سب بھول گیا ہے، کیا دو چار دن کی محبت ہماری محبتوں پر اس طرح غالب آ گئی ہے کہ تم نے پچھلی محبتوں کو بھول کر اس ایک محبت کا سیاپا ڈال دیا ہے۔‘‘

’’ہاں میں اس محبت کے بغیر نہیں رہ سکتی، میں موحد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔‘‘ وہ چلائی تھی اور بیگم صاحبہ کا ہاتھ اٹھا تھا اور وانیہ کے گال پر پہلی بار نشان ثبت کر گیا تھا، وانیہ گال پہ ہاتھ رکھے ساکت ہو گئی تھی اور بیگم صاحبہ باہر نکل گئی تھیں۔

’’ہیلو! عماد آپ جہاں بھی ہیں فوراً گھر آ جائیں۔‘‘ شیریں نے باہر نکل کر عماد کو کال کی تھی۔

’’خیریت میں اس وقت میٹنگ میں ہوں، میٹنگ چھوڑ کر تمہاری کال اٹینڈ کی ہے۔‘‘

’’آپ بس پہلی فلائٹ سے فوراً واپس آئیں، میں نے کبھی پہلے آپ کو اس طرح ایمرجنسی میں بلایا ہے، نہیں نا، آج بلایا ہے تو اس کا مطلب ہے کوئی بڑی بات ہے۔‘‘

’’مجھے اس طرح پریشان تو نہ کرو کچھ تو بتاؤ کیا بات ہے۔‘‘

’’نہیں بس گھر آئیں پھر بتاؤں گی۔‘‘

’’اوکے میں کوشش کرتا ہوں۔‘‘

’’کوشش نہیں، بس جلدی آنا ہے۔‘‘ وہ بضد تھی۔

’’اوکے اوکے، آ جاتا ہوں۔‘‘ فون بند کر کے وہ اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی تھیں، وانیہ کا کیا حل کیا جاتا کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

’’ہیلو! کون؟‘‘ وہ گہری نیند میں تھا ایسے میں موبائل کی مدھر آواز بھی گویا صور اسرافیل کی طرح لگی تھی، وہ سوتی جاگتی کیفیت میں خاصی بیزاری سے بولا تھا۔

’’بندہ کبھی تو آرام اور پیار سے بات کر لیتا ہے، کیا ہر وقت نیم چباتے رہتے ہو۔‘‘ دوسری طرف اتنے ہی پیار اور لاڈ سے کہا گیا تھا۔

’’اوہ تو یہ آپ ہیں۔‘‘ اس کی بیزاری حد سے سوا ہو گئی تھی۔

’’خیریت آج اتنی صبح کیسے فون کر لیا، کوئی ایمرجنسی آن پڑی ہے کیا۔‘‘

’’تم سے بات کرنے کو دل کیا، اس سے بڑی ایمرجنسی بھی ہو سکتی ہے کوئی۔‘‘ مشائم لگاوٹ سے بولی تھی۔

’’لگتا ہے یادداشت خاصی کمزور ہے آپ کی۔‘‘

’’کیوں کیا ہوا۔‘‘

’’ابھی کچھ دن پہلے وہ سڑک والی بے عزتی یاد نہیں رہی کیا جو پھر فون کر لیا۔‘‘

’’ایسی باتیں محبت کو کمزور تھوڑا کرتی ہیں۔‘‘ وہ بولی تھی ورنہ وہ تو ایسی لڑکی تھی جو لوگوں کو جوتے کی نوک پر رکھا کرتی تھی، مگر اس دل کا کیا کیا جاتا کہ سامنے ’’لوگ‘‘ نہیں ’’نہال‘‘ تھا جسے وہ اتنی آسانی سے اگنور نہیں کر سکتی تھی۔

’’اچھا تو پھر کیسی باتیں محبت کو کمزور کرتی ہیں۔‘‘ نیند تو اس کی اکھڑ ہی گئی تھی اس نے اس کی طبیعت صاف کرنے کا مزید ارادہ کیا تھا۔

’’محبت کو کوئی بھی کمزور نہیں کر سکتا۔‘‘

’’لگتا ہے آپ کی محبت میں بہت دم خم ہے۔‘‘

’’بہت۔‘‘ وہ دوبدو بولی تھی۔

’’کبھی آزما کر دیکھ لیں آپ کو پتہ چل جائے گا۔‘‘

’’اگر میں اتنا فارغ ہوتا تو ضرور آزما لیتا مگر بدقسمتی سے آپ کی اور خوش قسمتی سے میری، میں اتنا فارغ نہیں ہوا اور اب آپ بھی مہربانی فرما کر یہ فون والا شغل بند کریں اور کوئی دوسرا کام کریں کیوں اپنے آپ کو فضول کاموں کے پیچھے برباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔‘‘ آج نہال نے بھی بدلہ بدل لیا تھا، آج وہ اس کی میٹھی میٹھی بے عزتی کر رہا تھا۔

’’نہال پلیز کبھی تو میری بات سن لیا کریں۔‘‘ جب وہ کسی بھی طرح اس کے قابو میں نہیں آتا تھا تو وہ منتوں پر اتر آتی تھی۔

’’اور آپ پلیز کبھی تو میری جان چھوڑ دیا کریں۔‘‘ وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

’’نہال پلیز بھلا محبت بھی کوئی مانگنے کی چیز ہے یہ تو اعزاز کی طرح دل میں سجائی جاتی تھی۔‘‘ وہ پاگل کب جانتی تھی۔

نہال جب اس کی حرکتوں سے عاجز آ جاتا تو فون بند کر لیتا تھا، اس وقت بھی اس نے یہی کام کیا تھا موبائل آف کر کے کمبل کے اوپر پھینک دیا تھا اور خود آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

’’نہال، سنو نہال۔‘‘ وہ آوازیں دیتی رہ گئی تھی۔

اب موبائل پر میسج ٹون بجی تھی، نہال کو نیند تو ویسے بھی نہیں آ رہی تھی، اس نے موبائل اٹھایا تو لفظ سامنے جگمگا رہے تھے۔

کاش کہ خوشیاں بکتی ہوتیں
اور دکھوں کا تھیلا ہوتا
ایک ٹکے میں آنسو آتے
اور محبت چار ٹکے میں
پانچ ٹکے میں ساری دنیا
مفت ہنسی اور مفت ستارے
چاند بھی ٹکڑے ٹکڑے بکتا
خواہش نام کی چیز نہ ہوتی
ہاتھ بڑھا کے سب ملتا
ہم چاہتے تو مر جاتے
جی چاہتا تو جیتے رہتے
اونچے نیچے شہر نا ہوتے
پانی پر بھی گھر ہوتے
کاش کہ اپنے پر ہوتے
اور وہ گہرا نیلا امبر
سات سمندر پار کے ساحل
جنگل، ندیاں، گرتا پانی
سب کچھ اپنا دھن ہوتا
کسی بھی چیز کی حد نا ہوتی
وہ کرتے جو من ہوتا
چاند کی کرنیں پہن کے جاگتے
اور خاموشی اوڑھ کے سوتے
راتیں دن بھر رکتی ہوتیں
کاش کہ خوشیاں بکتی ہوتیں
کاش کہ خوشیاں بکتی ہوتیں

نظم دل کو چھو لینے والی تھی وہ پڑھتا چلا گیا تھا، اس میں بہت سی خواہش تھیں معصوم آرزوئیں تھیں۔

’’کاش کہ خوشیاں بکتی ہوتیں، ہونہہ اور تم جیسے امیر لوگ خرید لیتے۔‘‘ آخری لائن اس کے دل پر برچھی بن کر لگی تھی، اس نے نظم ڈیلیٹ کی تھی اور اٹھ کر واش روم میں گھس گیا تھا، مشائم جہاں سے بھی ہو کر آتی اس کے دل تک کبھی نہیں پہنچ سکتی تھی، جتنی بھی ٹکریں مارتی لہولہان ہونے کے سوا اسے کچھ نہ ملتا۔

☆☆☆

مشائم خاصی تیاری سے آئی اور حریم کے پاس کرسی پر بڑے وقار اور نخوت سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

’’کیا منگواؤں تمہارے لئے۔‘‘ حریم اور وہ اچھی دوست تھیں بے شک ساری شام اور

تقریباً آدھی رات ان کی ہاسٹل میں ایک ساتھ گزرتی تھی اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت فرینک تھیں مگر یہاں تو وہ اس کی مہمان بن کر آئی تھی، حریم کو مہمان داری کے تقاضے نبھانے تھے۔

''جو تمہارا دل کرے۔''

''اسٹرابری ملک شیک۔'' حریم نے اس کے پسندیدہ ڈرنک کا نام لیا تھا۔

''اور ساتھ چاکلیٹ کوکیز۔'' مشائم نے جلدی سے کہا تھا۔

''اوکے۔'' حریم نے سر ہلا دیا تھا اور آرڈر کرنے لگی تھی۔

''آج خیر ہے، یہ اتنا اچانک چھاپہ کیوں مارا، آج یاشر علوی بزنس ڈیل کے سلسلے میں دوبئی میں تھا۔'' مشائم یہ بات جانتی تھی اس لئے بھائی کی غیر موجودگی میں آفس آئی تھی۔

''بس دل کیا، آ گئی، ویسے بھی دیکھنے آئی ہوں محترمہ حریم شہباز کیسے کام کرتی ہیں۔''

''اوہ اچھا، بھائی کی غیر موجودگی میں چیک کرنے آئی ہیں آپ۔'' حریم نے بھی اسے چھیڑا تھا۔

''ہاں یہ بھی خوب کہی تم نے۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی، اتنے میں نہال کوئی فائل اٹھائے خاصی بے تکلفی سے حریم کے کیبن کی طرف آیا تھا مگر سامنے مشائم علوی کو دیکھ کر اسے پانچ سو والٹ کا کرنٹ لگا تھا، صبح سات بجے کم سر نہیں کھایا تھا اس نے کہ اب دن کے گیارہ بجے بھی آن وارد ہوئی تھی، نہال کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''اس فائل کے کچھ پوائنٹس ڈسکس کرنے تھے مگر خیر آپ بزی ہیں تو بعد میں آ جاؤں گا۔'' وہ مشائم کو دیکھ کر چبانے والے انداز میں بولا تھا۔

''بیٹھیے نا آپ بھی۔'' نہال کو دیکھ کر مشائم کی آنکھوں میں ہزاروں دیپ سے جل اٹھے تھے، چہرہ چودھویں کی مانند چمکنے لگا تھا، حریم نے نہال کی بیزاری اور مشائم کی خوشگواری بہت غور سے نوٹس کی تھی، یہاں تو معاملہ ہی اور لگ رہا تھا وہ دل میں خاصا حیران ہوئی تھی۔

''کیوں، صبح جو کچھ ہوا وہ بہت جلدی بھول گئی ہیں۔''

''اوہ کم آن اس وقت آپ کا موڈ کچھ اور تھا مگر ابھی کچھ اور لگ رہا ہے۔'' حریم کے سامنے سبکی کے احساس سے وہ بات کو گول مول کر کے بولی تھی جیسے نہال کو اس کی بات سمجھ ہی تو جانا تھا۔

''میرا موڈ ہمیشہ ایک سا رہتا ہے، آئندہ خیال رکھیئے گا۔''

''بندے کو اپنا موڈ بدلنا بھی چاہیے۔''

''یہ آپ جیسے امیر لوگوں کے چونچلے ہیں۔''

''مگر ہم تو امیر آپ کو بھی سمجھتے ہیں۔'' وہ بولی تھی۔

''سمجھنے سمجھانے سے کیا ہوتا ہے، جو حقیقت ہے وہ ہے۔'' ان کی بحث جاری تھی، بلکہ نوک جھونک نگاری اور حریم اس سچوئیشن میں خود کو خاصا آکورڈ محسوس کر رہی تھی۔

''کبھی تو سمجھ کر دیکھیں۔'' مشائم کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اب وہ اور نہال ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑے تھے، نہال کے ملبوس سے اٹھتی خوشبو، مشائم کے حواسوں پر سحر بن کر چھا رہی تھی۔

''میں بہت کم عقل ہوں میڈم مشائم علوی صاحبہ، آپ جیسے بڑے اور ذہین لوگوں کی باتیں میری سمجھ میں کم ہی آتی ہیں۔'' وہ بول رہا تھا تو مشائم کے لئے اس کے لہجے میں حقارت اور نفرت تھی یہ چیز حریم نے بطور خاص نوٹ کی تھی۔

''نہال تم کبھی نہیں سمجھو گے۔'' وہ جیسے اپنے اور نہال کے درمیان کسی تیسرے بندے کو فراموش کر بیٹھی تھی، ایسے لجاجت سے بولی تھی جیسے بھیک، میں اسے مانگ رہی ہو اور کشکول بھر کر ہی جانا چاہتی ہو۔

''ہونہہ۔'' نہال نے منہ پھیرا تھا گویا مشائم کے لئے دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔

''نہال!'' وہ بولی تھی مگر نہال کے بڑھتے قدموں کو نہ روک پائی تھی۔

''نہال!'' اب کے روکنے والی حریم تھی اور نہال کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے تھے، وہ رکا تھا، ان کی طرف مڑا تھا اور بڑی لگاوٹ سے بولا تھا۔

''جی!'' مشائم کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، مشائم نے ایک جھٹکے سے اپنا بیگ اٹھایا تھا اور کھٹ کھٹ کرتی چلی گئی تھی۔

''مشائم، مشائم، رکو تو، سنو مشائم۔'' حریم اس کے پیچھے بھاگی تھی مگر وہ رکنے والی کہاں تھی۔

''جانے دیجئے، خود ہی دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔'' نہال طنزیہ مسکرایا تھا۔

''نہال آپ کو اس کے ساتھ اتنا روڈ بی ہیو نہیں رکھنا چاہیے تھا۔'' حریم کو بھی محسوس ہوا تھا اور بہت ہوا تھا۔

''ایسے لوگوں کے ساتھ یہی کرنا چاہیے۔'' اسے اپنے کیے پر کوئی شرمندگی نہ تھی، وہ تو چلا گیا تھا مگر حریم مشائم کے غم میں تادیر بیٹھی رہی تھی۔

☆☆☆

''مما ہمارے گھر بے بی کب آئے گا۔'' اگر مریم اور منصور ایکسائیٹڈ تھے تو گڑیا ان دونوں سے زیادہ پرجوش تھے، گڑیا حریم کے پاس بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

''جانو آ جائے گا بے بی بھی۔'' مریم ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''کب آئے گا، مجھے اس کے ساتھ کھیلنا ہے۔'' گڑیا تو بے بی کا انتظار کرتے کرتے جیسے تھک گئی تھی۔

''ہاں تو جب آئے گا تب آپ جتنا چاہیں اس کے ساتھ کھیلنا۔'' مریم نے اس کی چھوٹی سی ناک دباتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

''میں اور کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی بے بی کو۔''

''ٹھیک ہے وہ صرف آپ کا ہی ہو گا، اب خوش۔'' مریم نے کہا تو گڑیا خوشی سے دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانے لگی تھی۔

''یہ ماں بیٹی اتنی خوشی کیوں منا رہی ہیں۔'' منصور باہر سے آئے تو مریم اور گڑیا کے چمکتے دمکتے چہروں کو دیکھ کر بولے تھے۔

''بابا جب بے بی آئے گا نا تو میں اسے کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دوں گی، وہ میرے روم میں رہے گا میرے ساتھ، میں اسے اپنے ساتھ بیڈ پہ سلایا کروں گی، اپنے ساتھ کھانا کھلایا کروں گی۔''

''اچھا تو پھر ماما جانی کیا کیا کریں گی۔'' گڑیا ان کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گئی تھی، وہ اس کے سلکی بالوں کو سہلاتے ہوئے بولے تھے۔

''ماما جانی، وہ کچھ بھی نہیں۔'' وہ سوچ کر بولی تھی۔

''اوہ اس کا مطلب ہے ماما جانی بس آرام کیا کریں گی۔''

''ہاں تو اور کیا، میں جو ہوں سارے کام کرنے کے لئے۔''

''ویری گڈ، ہماری گڑیا اتنی بڑی ہو گئی۔'' منصور نے اسے خود میں سمیٹ لیا تھا مریم ان دونوں کو لاڈ کرتے دیکھ کر مسکراتی رہی تھی۔

''بی بی جی آپ کا فون ہے۔'' ملازمہ ہاتھ

میں مریم کا موبائل لئے آئی تھی۔
''ہوں، کس کا ہے۔'' مریم نے فون اس کے ہاتھ سے لیا تھا، اسکرین پر ریشم کا نام بلنک کر رہا تھا۔
''ریشم آپی۔'' مریم نے نہایت خوشی اور ایکسائٹمنٹ سے فون اٹینڈ کیا تھا۔
''کیسی ہو مومو!'' ریشم کی کھلکھلاتی آواز ابھری تھی۔
''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں۔'' اتنے عرصے بعد ریشم آپی کو آواز سنی تھی دل عجیب سی خوشی محسوس کرنے لگا تھا۔
''میں خوب مزے میں، تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے، مشائم نے بھی کال کی تھی اور تمہارے بارے میں بہت ساری باتیں بتائی تھیں۔''
''اچھا کیا۔'' وہ مسکرائی تھی۔
''یہی کہ تم بہت خوش ہو، تم نے بہت جلدی ایڈجسٹ کرلیا ہے لائف میں، ویسے تمہاری نیچر ہی ایسی تھی تمہیں ایڈجسٹ کرنا ہی تھا، سنا ہے پروفیسر صاحب نے بہت خوش رکھا ہوا ہے تمہیں۔''
''جی میں اپنے گھر میں بہت خوش ہوں۔''
''اور ہاں میں نے ایک گڈ نیوز بھی سنی ہے۔''
''جی صحیح سنا ہے آپ نے۔'' مریم بلش ہوئی تھی، منصور اس کے چہرے پر اترتے رنگوں کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔
''ہوں، اچھی بات ہے، بہت کیئر کیا کرو اپنی۔'' ریشم نے کہا تھا تو مریم کو بہت اچھا لگا تھا۔
''اچھا سنو، مام کا فون آیا۔''
''نہیں۔'' مریم نے سر ہلایا تھا۔
''ابھی تک ناراض ہیں تم سے۔'' انہوں نے پوچھا تھا۔
''پتہ نہیں آج تک ہم سب کو یہی تو پتہ نہیں چلا کہ وہ ناراض کب ہوتی ہیں اور راضی کب ہوتی ہیں۔'' وہ دکھ سے بولی تھی۔
''جانے انہیں کب ہمارا احساس ہوگا۔'' جو دکھ مریم کے لہجے میں تھا وہی دکھ ریشم کے انداز سے بھی چھلک رہا تھا۔
''چلو چھوڑو جانے دو، تم ٹینشن مت لو، تمہاری کنڈیشن ایسی نہیں کہ تم سٹریس برداشت کرو، بس خوش رہنے کی کوشش کیا کرو۔'' جس طرح ریشم کی بہنیں مریم کا خیال رکھ رہی تھیں مریم کے لیے ماں کا دکھ کم ہونے لگا تھا۔
''پاپا سے بھی کال کی؟''
''نہیں۔''
''اس کو بھی احساس ہو جانا پڑے گا کہ بزنس اپنی جگہ اور رشتے ناطے اپنی جگہ۔'' ریشم نے کہا تھا۔
''شاید اس کو بھی خود ہی خیال آجائے۔''
''آئے گا ضرور آئے گا آخر وہ بھی ہمارا بھائی ہے، اچھا اب میں رکھتی ہوں پھر بات کریں گے۔''
''جی ٹھیک ہے، بچوں کو بہت سارا پیار دیجئے گا۔''
''ہاں اور تم بھی اپنا بہت سا خیال رکھنا۔''
''تھینک یو آپی۔'' وہ شکر گزار ہوئی تھی۔
''اوکے اللہ حافظ۔'' ریشم نے فون بند کر دیا تھا۔
''اللہ حافظ۔'' وہ تا دیر بند فون کو دیکھتی رہی تھی، آج بہنیں اس کے ساتھ کھڑی تھیں۔
''تو اسے اپنا آپ بہت مضبوط محسوس ہوتا تھا۔''
''دیکھا آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے نا۔'' گڑیا اندر کمرے میں بھاگ گئی تھی،

منصور اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور مریم کے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے، اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے تھپکتے ہوئے نرم سے لہجے میں بولے تھے۔
''ہوں، بس وقت گزرنے کی بات ہے سب ٹھیک ہو ہی جاتا ہے۔''
''یہ سب اس لئے بہت جلدی جلدی ٹھیک ہو رہا ہے کہ تم خود بہت اچھی ہو۔''
''آپ خواہ مخواہ میری تعریف نہ کیا کریں۔'' وہ جھینپ گئی تھی۔
''مریم تم واقعی بہت اچھی ہو، مجھے تو کبھی کبھی یقین نہیں آتا کہ تم اس کلاس سے تعلق رکھتی ہو جہاں لوگ کہتے ہیں احساس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔''
''اس میں کوئی کلاس معنی نہیں رکھتی احساس تو انسان کے اندر ہوتا ہے۔''
''یہی تو کمال ہے مریم نے، چلو اب اپنے ہاتھوں سے اچھی سی کافی تو پلواؤ۔''
''اس کا مطلب ہے آپ کو بھی بیوی کے اچھے موڈ سے فائدہ اٹھانا آگیا ہے۔''
''اگر فائدہ اٹھانا مجھے آگیا ہوتا تو میں ایسا فائدہ نہ اٹھاتا، میں کچھ اور فائدہ لیتا۔'' وہ مریم کی طرف جھکتے ہوئے مسکرائے تھے۔
''آپ کو تو بس موقع چاہیے۔'' وہ انہیں پیچھے دھکیل کر کافی بنانے کے لئے اٹھ گئی تھی، منصور کا قہقہہ کچن میں اس کے ساتھ تک گیا تھا۔

☆☆☆

سیٹھ صاحب واقعی بیچ فلائٹ سے گھر آ گئے تھے، آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ انہیں اس طرح ایمرجنسی میں بلایا گیا ہو سو ان کا حیران اور پریشان ہونا لازمی تھا۔
''شیریں آخر کیا ہوا ہے۔'' وہ سیدھے اپنے بیڈروم میں آئے تھے۔
''ریلیکس، میں کافی بنواتی ہوں پہلے، پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' شیریں انہیں حواس باختہ دیکھ کر بولی تھی۔
''یار پلیز کافی شافی کو گولی مارو، تم مجھے وہ بات بتاؤ جس کے لئے اتنی ایمرجنسی میں بلایا ہے۔''
''یہ لیں جوس، یہ تو پی لیں۔'' شیریں نے روم فریج سے ایک کین نکال کر انہیں تھمایا تھا، ان کے اپنے حلق میں بھی جیسے کانٹے اگ رہے تھے انہوں نے ایک جھٹکے سے کین کا ڈھکن ہٹایا تھا اور کین منہ سے لگا لیا تھا اور پھر ایک ہی گھونٹ میں خالی کر کے کین اچھال دیا تھا۔
''آپ کی صاحب زادی کو آپ کے ڈرائیور موحد سے عشق ہو گیا ہے، مجھے جب پتہ چلا تو میں نے اس کو بے عزت کر کے نوکری سے نکال دیا اور اس کی وجہ سے وہ بھوک ہڑتال کر کے بیٹھی ہے۔'' شیریں نے ساری بات انہیں بتا دی تھی۔
''کیا؟'' وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
''اس خبیث کی اتنی مجال۔'' وہ غصے سے ایک ہاتھ دوسرے پر مار کر بولے تھے۔
''اس کی تو جو مجال ہے سو ہے پہلے اپنی لاڈلی کی خیر تو لیں، جو اس کے پیچھے پاگل ہو رہی ہے۔''
''کہاں ہے بلاؤ اسے۔'' وہ غصے سے کمرے میں ٹہلنے لگے تھے۔
شیریں وانیہ کو بلانے چلی گئی تھی، وانیہ کے معاملے میں وہ کسی ملازمہ کو انوالو کرنے کے حق میں نہ تھیں۔
''تمہارے پاپا بلا رہے ہیں۔'' وہ اندھیرے کمرے میں بھوکی پیاسی لیٹی تھی، شیریں

نے لائٹ جلاتے ہوئے اس کے پاس آ کر کہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟''

سیٹھ صاحب سے صبر نہیں ہوا تھا وہ خود شیریں کے پیچھے وانیہ کے کمرے میں آگئے تھے۔ وانیہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی جبکہ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ شیریں جو کچھ بھی کہہ رہی ہے سو فی صد سچ کہہ رہی ہے۔

''میں پوچھ رہا ہوں کیا مسئلہ ہے جو اس نے اپنی یہ حالت بنا رکھی ہے۔'' وہ شیریں کو پیچھے ہٹا کر وانیہ کے پاس آئے تھے۔

''مسئلہ وہی ہے جو میں نے آپ کو بتایا ہے۔'' شیریں ان کے برابر آ کر بولی تھی۔

''اوہ کم آن وانیہ، میں تم سے ایسی ویسی کسی بات کی توقع نہیں رکھ سکتا، چلو اٹھو شاباش چینج کرو ہم باہر گھوم پھر کے آتے ہیں، اٹھو شاباش ہری اپ۔'' انہوں نے وانیہ کو دوسرے طریقے سے ٹریٹ کرنا چاہا تھا۔

''اٹھو نا بھول جاؤ جو سب ہوا، نادانی میں بہت کچھ ہو جاتا ہے، جب ہم تمہاری عمر کے تھے تو ہم بھی ایسی چھوٹی موٹی غلطیاں کر جایا کرتے تھے۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر وانیہ کا بازو پکڑا تھا۔

''پاپا یہ میری غلطی نہیں ہے، محبت کرتی ہوں میں موحد سے اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' اس نے نہایت بدتمیزی سے اپنا بازو چھڑوایا تھا اور باپ کے سامنے بے خوفی سے بولی تھی، شیریں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا، اس کو کم از کم یہ تھا کہ باپ کا کچھ تو لحاظ کرے گی مگر موحد کی محبت نے سارے لحاظ ختم کر دیئے تھے شاید۔

''شٹ اپ، اگر ایک لفظ بھی مزید تمہارے منہ سے نکلا تو اچھا نہیں ہوگا۔'' سیٹھ عماد الدین کے کب کسی نے اس سر پھرے لہجے میں بات کی تھی، کاش موحد سامنے ہوتا تو وہ اسی وقت اسے گولیوں سے بھون ڈالتے۔

''شیریں اسے کہو یہ خناس اپنے دماغ سے نکال دے ورنہ، ورنہ میں کچھ بھی کر گزروں گا، جو عزت میں نے کئی سالوں کی محنت سے بنائی ہے وہ میں اس کے لئے پل بھر میں برباد نہیں کر سکتا۔'' سیٹھ عماد کا بس نہیں چل رہا تھا ایسی نافرمان اولاد کا گلا گھونٹ دیں، وہ وارننگ کے انداز میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے تھے، شیریں بھی وانیہ کو گھورتے ہوئے ان کے پیچھے باہر نکل گئی تھی اس وقت انہیں بیٹی سے زیادہ عزت کی فکر تھی۔

''ہونہہ، محبت نام کی کوئی چیز ہی نہیں ان میں، ویسے تو اولاد کو سونے کے نوالے دے کر پالتے ہیں مگر جب بات اس کی مرضی کی آتی ہے تب ان کی غیرت جاگ پڑتی ہے۔'' وہ آنسوؤں بھری آنکھوں سے ماں باپ کو غصے میں جاتا دیکھ کر سوچ رہی تھی حالانکہ اسے سوچنا تو یہ چاہیے تھا کہ ان سٹیٹس کے مارے لوگوں کو اپنے سے کمتر انسان کو دیکھ کر ان کی غیرت پہ تازیانہ لگتا ہے، اگر اس وقت وانیہ کسی ایسے لڑکے کا نام لے لیتی جو ان کی ہائی فائی کلاس سے تعلق رکھتا تو یقیناً اس کی ممی پاپا اس پر فخر کرتے۔

☆☆☆

''حریم تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ، اور یہ کچھ کیش ہے۔'' یاشر نے ایک بند لفافہ حریم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''سر اس میں کیا ہے۔'' وہ ابھی آفس آئی تھی اور آتے ہی باس نے اسے بلا لیا تھا اور اب ایک نیا آرڈر جاری کر دیا تھا۔

''اس میں بتایا نا کچھ کیش ہے، تین بجے ہمیں لنچ کے لئے جانا ہے، آج کا لنچ ہمارے لئے بہت امپورٹنٹ ہے سو تیاری بھی اسی لحاظ سے ہونی چاہیے، بلکہ ٹھہرو تم کہیں مت جاؤ، تمہیں ایسی شاپنگ کا تجربہ نہیں ہوگا، میں روزی کو کال کرتا ہوں، وہ سارا ارینج منٹ کر لے گی، تم بس ڈرائیور کے ساتھ اس کے پاس چلی جاؤ، باقی وہ سارا کچھ خود کر لے گی۔'' ساتھ ہی یاشر نے اپنے سیل فون پر روزی کا نمبر ملانا شروع کر دیا تھا۔

''ہاں کیسی ہو، اچھا حریم تمہارے پاس آ رہی ہے، اس کو اچھی طرح سے ریڈی کرنا ہے ہاں ڈریس وغیرہ بھی کچھ تم نے خود منگوانا ہے، بالکل ایک نئی اور فریش لک آنی چاہیے، سمجھ گئی ہو نا میری بات، آج کی میٹنگ بہت اہم ہے میرے لئے۔'' دوسری طرف روزی نے اچھا کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اس کام کے لئے تو اس کے پاس ٹیلنٹ بھی بہت تھا وہ بندے کو ایسے گروم کرتی تھی کہ بندہ خود کو ہی نہ پہچان سکتا تھا۔

''حریم جاؤ تم ڈرائیور تمہارا ویٹ کر رہا ہے اور روزی بھی۔''

''جی سر۔'' حریم نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور باہر نکل گئی تھی، جب وہ روزی کے پاس پہنچی تو وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

''ہوں، لکنگ تو تم ہو، بیوٹی فل بھی ہو مگر اسٹائل کچھ نہیں ہے تمہارے پاس۔'' روزی نے اچھی طرح اس کا جائزہ لیا تھا اور چونکہ ٹائم کم تھا اس لئے اپنی دو ہیلپر لڑکیوں کو اشارے سے پاس بلایا تھا اور مینی کیور اور پیڈی کیور شروع کروا دیا تھا اور اس کے بالوں کی طرف آگئی تھی۔

''پلیز میرے بالوں کی کٹنگ نہ کیجئے گا، مجھے اپنے لمبے بال بہت پسند ہیں، بڑی مشکل سے میں نے انہیں لمبا کیا ہے۔''

''اوہ سلی گرل، اتنے لمبے بال تو ویسے بھی ورکنگ ویمن کے لئے کسی عذاب سے کم نہیں ہوتے، تم نے خواہ مخواہ میں ایک عذاب پالا ہوا ہے۔''

''نہیں مجھے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔'' وہ کسی قیمت پر اپنے بالوں کی قربانی دینے پر تیار نہیں تھی۔

''اچھا چلو شارٹ نہیں کرتی مگر کوئی اسٹائل تو دینے دو انہیں، ایسے پینڈو لک آتی ہے۔'' روزی نے قینچی پکڑی تھی اور آگے سے بالوں کی کٹنگ کرنے لگی تھی۔

تقریباً چار گھنٹے کی سر توڑ محنت کے بعد جب حریم نے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تھا تو دیکھتی ہی رہ گئی تھی، یہ وہ حریم تو نہ تھی جو چار گھنٹے پہلے اس بیوٹی سیلون میں آئی تھی یہ تو ماڈرن اور طرح دار سی کوئی اور ہی لڑکی تھی جو اس وقت یہاں کھڑی تھی، نہایت شارٹ اور تنگ ٹراؤزر میں اس کے جسم کی نمائش بھی خوب ہو رہی تھی مگر یہ لباس روزی نے اس کے لئے پسند کیا تھا سو اسے یہی پہننا تھا، یہ الگ بات اسے خود کو بھی آئینے میں دیکھ کر شرم آ رہی تھی۔

''اب ہوئی نا بات، یاشر صاحب بھی تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔'' روزی اپنی محنت کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی ویسے بھی اس کی نظروں کے سامنے ہرے اور نیلے نوٹ ناچ رہے تھے۔

ڈرائیور باہر اس کا منتظر تھا اسے یہاں سے سیدھا پی سی میں پہنچنا تھا جہاں یاشر علوی اس کا منتظر تھا وہ چونکہ میزبان تھے آج کا لنچ اور میٹنگ انہوں نے ارینج کی تھی اس لئے ان کا مہمانوں سے پہلے پہنچنا ضروری تھا۔

''واؤ امیزنگ۔'' وہ جیسے ہی اندر پہنچی تھی

یاشر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔
''واؤ اتنی بیوٹی تم نے اب تک کہاں چھپا رکھی تھی۔'' یاشر کی نگاہیں ہی اس پر سے نہیں ہٹ رہی تھیں، حالانکہ وہ اس معاملے میں بہت روڈ اور خشک مزاج سا بندہ تھا اس کی بس ایک ہی گرل فرینڈ تھی جو دوبئی میں تھی اور جس کے پاس وہ وقتاً فوقتاً جاتا رہتا تھا باقی اسے بس اپنے بزنس کی فکر رہتی تھی اور وہ دو جمع دو چار کی تفریق سے نکلتا ہی نہ تھا، مگر آج اگر حریم اسے متاثر کر رہی تھی اس کا حسن اس کی نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا تو زلفی اینڈ گروپ والے زلفی صاحب جو بڑے حسن پرست تھے اور عیاش بھی وہ کیسے حریم کے جلوے سے بچ سکتے تھے، لنچ سے پہلے ہی یاشر کا موڈ خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔
''آؤ بیٹھو، ان لوگوں کے آنے میں ٹائم ہے ابھی۔'' یاشر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا، ان کے بیٹھتے ہی ویٹر ان کے لئے لائم جوس رکھ گیا تھا۔
''تم نے زلفی صاحب اور امیر جنجوعہ سے بہت اچھے طریقے سے بات کرنی ہے حریم۔''
''جی۔'' حریم سر جھکا گئی تھی، تھوڑی دیر بعد وہ دونوں مہمان آ گئے تھے، حریم اور یاشر نے اٹھ کر ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا تھا۔
''واہ صدیقی صاحب سے ان کی جتنی تعریف سنی تھی یہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔'' امیر جنجوعہ خاصا چھچھورا مرد تھا اس نے بیٹھنے سے بھی پہلے حریم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا، جانے اس کی آنکھوں سے کیسی لہریں نکلتی تھیں حریم کو اپنے پورے وجود میں ایک کرنٹ سا دوڑتا ہوا محسوس ہوا تھا۔
''امیر پہلے بیٹھ تو جاؤ، تعریفیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔'' امیر جنجوعہ جتنا چھچھورا تھا، زلفی اتنا ہی میسنا اور شاطر نظر آ رہا تھا، یاشر ان کی باتوں پر بس مسکرائے جاتا تھا، حریم کو بہت کوفت ہونے لگی تھی۔
''ریلیکس۔'' یاشر نے اس کا ہاتھ دبا کر گویا اس کی ہمت بندھائی تھی، وہ کچھ ریلیکس ہوئی تھی، یاشر علوی ساتھ تھا یہ کھا تو نہیں جائیں گے اسے، حالانکہ وہ اس جیسی لڑکیوں کو کھانے والے بھیڑیے ہی تھے۔
''یاشر کیا ان کو اپنے پہلو میں ہی بٹھائے رکھو گے۔'' کھانا چن دیا گیا تھا مگر امیر جنجوعہ کسی صورت چین نہیں آ رہا تھا، یاشر نے اشارہ کیا تھا اور حریم کو اٹھ کر اس کے ساتھ والی خالی کرسی پر بیٹھنا پڑا تھا۔
حریم کو یہ سب برا لگتا تھا مگر جہاں اعتبار اور مان ہو، وہاں بندہ بے طرح اور بے دریغ لٹتا ہے، جانے کیوں ایسا ہی مان اور اعتبار اسے یاشر علوی پر تھا وہ جو کہتا، وہ مانتی چلی جاتی تھی۔
''اب بیٹھنے کا مزہ بھی آئے گا۔'' امیر جنجوعہ حد سے زیادہ چھچھورا مرد تھا وہ براہ راست حریم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا۔
''کھانا شروع کیجئے نا۔'' یاشر نے زلفی اور امیر کی پلیٹیں بھرنا شروع کر دی تھیں اور امیر جنجوعہ حریم کی پلیٹ بھرتا جا رہا تھا۔
''بس سر میں اتنا نہیں کھا سکوں گی۔'' وہ اپنی پلیٹ میں پہاڑ بنتا دیکھ کر بولے بنا نہ رہ سکی تھی۔
''ارے اتنے سے کھانے سے کچھ نہیں ہوتا آپ کو۔''
''مس حریم کھا لیجئے نا، امیر ہر کسی پر مہربان نہیں ہوتا اور جس پر ہوتا ہے اس کے تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔'' زلفی نے لقمہ دیا تھا، یاشر ان کی چھچھوری اور بے تکی باتوں پر خواہ مخواہ ہی مسکرائے جا رہا تھا۔
جس طرح امیر جنجوعہ اس کے ساتھ کمبل ہو رہا تھا اور زلفی جن نظروں سے اسے گھور رہا تھا حریم کا دل کر رہا تھا یہاں سے بھاگ جائے اور پھر کبھی ان درندوں کے سامنے نہ آئے مگر جہاں مجبوری ہو وہاں بندے کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، خیر خدا خدا کر کے یہ مشکل ترین لنچ ختم ہوا تھا اور ساتھ ہی امیر جنجوعہ نے حریم اور یاشر کو کل ڈنر کے لئے انوائٹ کر لیا تھا، اس آفر پر یاشر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا جبکہ حریم کی سانس جیسے سینے میں اٹک گئی تھی، آج کس مشکل سے اس نے ان دونوں کو برداشت کیا تھا وہ ہی جانتی تھی۔
''میں کل کوئی بہانہ کر دوں گی مگر امیر جنجوعہ کے ڈنر میں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے دل میں عہد کر لیا تھا، لنچ ختم ہو گیا تھا اور چونکہ یہ لنچ یہ میٹنگ یاشر علوی کی توقعات سے بھی بڑھ کر اچھا رہا تھا اس لئے سب کا ہی موڈ بہت اچھا تھا، اب الوداعی کلمات کہتے ہوئے یاشر اور حریم نے ان دونوں کو رخصت کیا تھا امیر جنجوعہ کا بس نہیں چل رہا تھا حریم کو بغل میں دبوچ کر لے جائے۔
''مجھے پتہ ہے تم نے ان کے ہوتے ہوئے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا، اب بیٹھو اور اچھی طرح کھانا ختم کرو۔'' یاشر کرسی گھسیٹ کر دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔
''نہیں بس میں نے کھا لیا۔'' وہ ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولی تھی، البتہ جوس کا گلاس اٹھا کر ضرور لبوں سے لگا لیا تھا، حلق میں جیسے کانٹوں کا جنگل اگ آیا تھا۔
''تم نے کہاں کھایا، میں دیکھ ہی رہا تھا۔''
''بس بھوک ہی اتنی تھی، اب چلیں۔''
''نہیں پہلے کچھ کھاؤ۔'' وہ بھی بضد تھا۔
''سر پلیز مجھے بھوک نہیں۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی۔
''او کے چلو پھر چلیں۔'' یاشر دوبارہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، اس نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔
''سر ایک بات کرنا تھی آپ سے؟'' وہ اسے خود ہاسٹل ڈراپ کرنے جا رہا تھا۔
کل رات سے ماں نے ایک لاکھ روپے کے لئے جان کھائی ہوئی تھی، اسے ابھی یاشر سے بات کرنا تھی موقع بھی اچھا تھا اور اس کا موڈ بھی۔
''ہاں ہاں کہو، بلا جھجک کہو۔'' وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بولا تھا۔
''وہ مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، آپ تھوڑے تھوڑے کر کے میری پے سے کٹواتے رہیں۔'' وہ دھیرے سے بولی تھی۔
''کتنے پیسوں کی؟''
''تقریباً ایک لاکھ۔''
''بس، ایک لاکھ کی، اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، کل آفس آؤ تو میں کیشیئر سے کہہ دوں گا تمہیں پیسے مل جائیں گے اور ہاں انہیں پے وغیرہ سے کٹوانے کی ضرورت نہیں، ویسے بھی امیر جنجوعہ سے جو ہماری بزنس ڈیل ہونے جا رہی ہے اس میں تمہارا کمیشن بھی تو بنتا ہے تم سمجھو یہ تمہارا کمیشن ہے۔''
''شکریہ سر۔'' اس کے دل پر دھرا بوجھ ایک طرف سرکا تھا، وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولی تھی۔
''شکریہ کس بات کا۔'' وہ مسکرایا تھا، ہاسٹل آ گیا تھا اس نے گاڑی ہاسٹل کے سامنے روکی تھی، وہ خدا حافظ کہہ کر نیچے اتر گئی تھی۔

☆☆☆

''ممی یہ کیا ہے؟'' وانیہ نے شیریں کو اپنے کمرے میں کھڑا دیکھ کر پوچھا تھا۔
''یہ ہم دونوں کے ائیر ٹکٹس ہیں تم اور میں ملائیشیا جا رہے ہیں، تمہارے پاپا کہتے ہیں یہ

ساری فضول باتیں چھوڑو اور ملائیشیا گھوم پھر کے آؤ، تمہارے دماغ کا خناس کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور ویسے بھی میں بھی کچھ ریلیکس ہو جاؤں گی۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ بے زاری سے بولی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے تمہارے پاپا تمہاری وجہ سے کتنے پریشان ہیں ہنی کیوں تم ہم دونوں کو اتنا ہرٹ کر رہی ہو۔" اب کے شیریں اس کے پاس بیڈ پر آن بیٹھی تھیں اور پیار سے اس کے الجھے بکھرے بال سنوارتے بولی تھی۔

"تو نہ پریشان ہوں آپ لوگ، میری بات مان جائیں نا، میں نے کوئی بہت بڑی ڈیمانڈ تو نہیں کی۔"

"یہ ڈیمانڈ بڑی نہیں بلکہ ہماری حیثیت سے باہر ہے، تم ہماری جان مانگ لو ہم نکال کر دے دیں، مگر یہ بات پوری نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے نہیں کر سکتے تو میں بھی آپ کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔"

"ایک دفعہ پھر سوچ لو۔"

"سوچنا کیا ہے، بس میری وہی ڈیمانڈ ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تمہارے الفاظ ایسے ہی تمہارے پاپا تک پہنچا دیتی ہوں، پھر وہ جانیں اور تم جانو، میں اتنا سٹریس نہیں لے سکتی۔"

شیریں جل بھن کر اس کے کمرے سے نکل گئی تھی، اتنے میں اس کے موبائل کی بیل ہوئی تھی اس پر موحد کا نام جگمگا رہا تھا، وانیہ نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا تھا اور بے صبری سے کان کے ساتھ لگایا تھا۔

"کیا حال ہے؟" موحد نے پوچھا تھا۔

"حال کا کیا پوچھتے ہو۔"

"watsapp پہ تمہاری اجڑی ہوئی تصویر دیکھی ہے تو پوچھ رہا ہوں، یہ کیا حالت بنالی ہے اپنی، ایسے اپنی بات نہیں منوائی جاتی۔"

"تو پھر کیا کروں، ممی پاپا میری بات کسی صورت ماننے کو تیار نہیں ہیں اور موحد میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی، پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔"

"ریلیکس سنبھالو خود کو، مجھے بھی تم بہت عزیز ہو، مگر تمہاری جان تم سے بھی زیادہ پیاری ہے، چلو اٹھو شاباش کھانا وانا کھاؤ اور اپنی حالت ٹھیک کرو۔"

"مگر ابھی میری بھوک ہڑتال چل رہی ہے۔" وہ منہ بسور کر بولی تھی۔

"کھاؤ گی نہیں تو بیمار پڑ جاؤ گی، پھر میرے لئے فائٹ کر پاؤ گی نہیں نا، تو پلیز میری خاطر اپنے موحد کی خاطر کچھ کھا لو۔"

"اوکے۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"اوکے نہیں، ابھی کھانا منگواؤ اور کھاؤ میں کچھ دیر بعد کال کروں گا، جب تک تم کھانا نہیں کھاؤ گی میں بات نہیں کروں گا۔"

"اچھا، کھا لیتی ہوں۔"

"شاباش پہلے کھانا کھاؤ پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے فون بند کیا تو وانیہ نے انٹرکام پر ملازمہ کو کھانا لانے کے لئے کہا تھا۔

شیریں کو کچھ اور نہیں سوجھا تو اس نے وانیہ کی فرینڈ آمنہ کو بلا لیا تھا اور ساری بات علیحدگی میں آمنہ کے گوش گزار کر دی تھی۔

"بہت بے وقوفی کر رہی ہے وانیہ۔" آمنہ ساری بات سن کر بولی تھی۔

"بیٹا اسی لئے تو تمہیں بلوایا ہے، ہم نے تو اپنی سی کوشش کر لی، اب تم ہی اسے سمجھاؤ کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے۔" شیریں نے آمنہ سے کہا تھا۔

"آنٹی آپ فکر نہ کریں میں سمجھاتا کیا اس کی کھینچائی کرتی ہوں۔" آمنہ شیریں کے پاس سے اٹھ کر وانیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"واہ بڑے ٹائم پر آئی ہوں میں۔" وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی کھانا زہر مار کر رہی تھی جب آمنہ نے دستک دیئے بغیر کمرے میں جھانکا تھا اور بولتی ہوئی اس کے سامنے بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی تھی۔

"تم کب آئی۔" وانیہ آمنہ کو دیکھ کر خوش ہو گئی تھی، آمنہ اور وہ بہت اچھی سہیلیاں تھیں، آج کتنے دن ہو گئے تھے، انہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے، ابھی وانیہ نے اچانک اسے اپنے سامنے دیکھا تو اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔

"ابھی، میں بھی کھاؤں گی، تمہارے کک کے ہاتھ کا لزانیہ تو بہت مزے کا ہوتا ہے۔" آمنہ اس کی پلیٹ میں ہی شروع ہو گئی تھی۔

"اور منگواؤں۔" وانیہ نے اسے رغبت سے کھاتا دیکھ کر پوچھا تھا۔

"نہیں یہ بس اتنا ہی بہت ہے، ابھی یہ چکن سلیڈ بھی تو کھاؤں گی، تم بھی کھاؤ نا۔" وہی کھانا جو وہ بے دل سے کھا رہی تھی آمنہ کے ساتھ شامل ہونے سے وہ بھی مزے سے کھانے لگی تھی۔

"اب کافی بنواؤ اچھی سی، پھر باتیں کریں گے۔" کھانا ختم کرکے آمنہ نے برتن پیچھے کرتے ہوئے کہا تھا۔

"آج کیا صرف کھانے ہی آئی ہو۔" وانیہ نے اسے چھیڑا تھا۔

"نہیں اور بھی بہت کچھ کرنے۔"

"وہ کیا؟"

"تمہارے کان کھینچنے۔"

"میرے کان، وہ کس خوشی میں۔"

"خوشی میں نہیں، دکھ میں اور غصے میں۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ اس لئے کہ تم نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے انکل اور آنٹی کو کتنا پریشان کر رکھا ہے اس چیز کا اندازہ ہے تمہیں۔"

"ہوں، اچھا تو تمہیں خبر مل گئی، بلکہ یوں کہو تمہیں ممی نے بلوایا ہے نا میری کلاس لینے کے لئے۔"

"ویسے تو تم بہت ذہین ہو، تمہیں بہت جلدی ہر بات کا اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ پتہ نہیں چل رہا کہ تم کیا کرنے جا رہی ہو۔" آمنہ نے اس پر طنز کیا تھا۔

"جہاں محبت ہو وہاں ذہانت ماری جاتی ہے، محبت کے آگے کسی چیز کا بس نہیں چلتا۔"

"اور جناب کو یہ طوفانی محبت کس سے ہوئی، ایک معمولی ڈرائیور سے ہونہہ۔" آمنہ نے حقارت سے کہا۔

"محبت حسب نسب دیکھ کر تو ہوتی نہیں ہے۔" وہ بھی اپنا مقدمہ لڑنے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

"پھر بھی ایسے تو نہیں ہو جایا کرتی۔"

"ایسے ہی ہو جاتی ہے بناء بتائے، چپکے سے، دھیرے سے کوئی دل میں اتر جاتا ہے اور پھر باہر نہیں نکل پاتا۔"

"تمہارا ٹیسٹ کب سے اتنا خراب ہو گیا، وہ سلمان کو جانتی ہو نا، جو کسی منسٹر کو بیٹا تھا اور کیسے کالج میں تمہارے لئے پاگل تھا حیرت ہے تمہیں اس سے تو محبت ہوئی نہیں، جس کے مقابلے میں کوئی نہیں جچتا تھا، نہ اسٹیٹس میں نہ وجاہت میں۔"

"تم نے کیسے سلمان اور موحد کو ایک صف میں کھڑا کر دیا، وہ منسٹر کا بیٹا تھا تو کیا اس بنیاد پر

مجھے اس سے محبت ہو جاتی نہیں، میرے دل میں اس کے لئے کبھی ایسا احساس نہیں جاگا، جو موحد کے لئے میں نے ہمیشہ محسوس کیا۔"

"وہ تو تمہارے پیچھے پاگل تھا۔"

"وہ پاگل تھا، میں تو نہیں تھی، اسے محبت تھی مجھے تو نہیں، میرے لئے تو وہی اہم ہو گا جسے میں چاہوں گی، جس سے میں محبت کروں گی۔"

"تم یہ بھی دیکھو کہ تمہارے اور اس کے بیچ زمین آسمان کا فاصلہ ہے۔"

"کوئی فاصلہ نہیں ہے، بس یہ ہمارے اپنے بنائے ہوئے معیار ہیں، میرے پاپا کے پاس اتنی دولت ہے میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں تو سب کچھ میرا ہے نا، تو پھر میرا ہونے والا شوہر غریب، یا معمولی کیسے رہ سکتا ہے، میرا سب کچھ اسی کا ہو جائے گا تو وہ بھی ہمارے برابر ہو جائے گا۔"

"ایسے کیسے برابر ہو جائے گا، اس سوسائٹی میں انکل کا ایک نام ہے لوگ انہیں جینے دیں گے۔"

"انہیں لوگوں کی پرواہ ہے یا میری۔"

"فی الحال تو لوگوں کی ہے، دنیا والوں کی ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے جب انہیں میری پرواہ نہیں ہے تو مجھے بھی ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا تم اپنے پیرنٹس کے بارے میں ایسا کہہ رہی ہو؟" آمنہ منہ پر ہاتھ رکھے حیرت سے اسے دیکھ کر بولی تھی۔

"ہاں تو ایسے ہی کہوں گی نا جب انہیں میرا خیال نہیں ہو گا۔"

"خیال ہے تو تمہیں روک رہے ہیں۔"

"بس آمنہ جو مجھے موحد سے دور کرنا چاہے گا وہ میرے لئے کچھ نہیں ہے۔" وہ بے خوفی سے بولی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو تم۔" آمنہ کو اس پر غصہ آیا تھا اور بے تحاشا آیا تھا۔

"ہاں ہو گئی ہوں۔" وہ چلائی تھی اور آمنہ اسے چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"کیا کہتی ہے وہ۔" باہر شیریں اس کی بے تابی سے منتظر تھی۔

"کہنا کیا ہے، پاگل ہو گئی ہے وہ۔" آمنہ غصے سے بولی تھی۔

"دیکھا، میں نے کہا تھا نا۔" شیریں کو بڑی امید تھی وہ آمنہ کی بات سمجھ جائے گی مگر آمنہ کی مایوسی دیکھ کر شیریں نے سر پکڑ لیا تھا۔

"اس بندے نے تو اس پر کوئی جادو کر دیا ہے۔" آمنہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی تھی اور ساتھ ہی کہا تھا۔

"کاش وہ یہاں کبھی نہ آتا۔" شیریں نے دکھ سے کہا تھا اور آمنہ نے دل سے اس فقرے کی تصدیق کی تھی۔

☆☆☆

"واؤ تمہاری تو لک ہی چینج ہو گئی ہے اور تم بہت حسین لگ رہی ہو۔" مشائم سمیت سب لڑکیوں نے اس کی تبدیلی کو سراہا تھا۔

"یہ سب کیسے ہوا؟" مشائم شام کی چائے بنا کر لے آئی تھی اور اب اس کے بیڈ پر بیٹھی چائے سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"یہ سب روزی نے کیا ہے، اس کی بیوٹی سیلون کا کمال ہے۔" حریم بولی تھی۔

"روزی وہ کون؟"

"تم نہیں جانتی ہو۔"

"نہیں۔"

"اچھا حیرت ہے یاشر صاحب نے مجھے اس کے پاس بھیجا تھا، میں سمجھی تم بھی جانتی ہو گی۔"

"نہیں میں واقعی روزی کو نہیں جانتی، بھائی کے اپنے کونٹیکٹس ہوں گے، خیر اپنی دے یہ سب میرے بھائی نے کیوں کروایا، کہیں پسند وسند کا تو چکر نہیں چل پڑا۔" مشائم نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں یار ایسی بات نہیں ہے، ہماری میٹنگ تھی اور کافی امپورٹنٹ ڈیل تھی جس کے لئے مجھے یہ سب گیٹ اپ کرنا پڑا، ورنہ تمہارے بھائی کی تو میں بہت عزت کرتی ہوں، آخر میرے باس ہیں۔"

"ہوں، تو کیا عزت کے ساتھ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے کب کہا کہ نہیں ہو سکتا مگر یہاں معاملہ ایسا نہیں ہے۔" حریم نے دوٹوک کہا تھا۔

"اچھا یار سیریس تو مت ہو، مجھے اپنے بھائی کی نیچر کا پتہ ہے کہ انہیں بزنس کے سوا کچھ اور کہاں سوجھتا ہے میں تو ایسے ہی تمہیں چھیڑ رہی تھی، چلو جلدی سے یہ چائے ختم کرو ہمیں ذرا مارٹ تک جانا ہے۔"

"کیوں؟" حریم نے پوچھا تھا۔

"یار کچھ چیزیں لینی ہیں۔"

"میں تو آج بہت تھک گئی ہوں، اگر زیادہ ارجنسی نہیں ہے تو کل چلیں گے۔" وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی تھی۔

"زیادہ پھیلو مت، اٹھو شاباش مجھے وہ چیزیں آج ہی خریدنی ہیں۔" مشائم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لیٹے سے اٹھایا تھا۔

"یار تم بھی نا۔" حریم سستی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

مارٹ میں حریم کاسمیٹکس دیکھنے لگی تھی، اور مشائم اپنی شاپنگ کرنے لگی تھی، حریم کو تو کچھ خاص نہیں لینا تھا وہ تو ایسے ہی وقت گزاری اور مشائم کا ساتھ دینے کے لئے ادھر ادھر گھوم پھر کر چیزوں کا جائزہ لے رہی تھی، جب کوئی قریب آ کھڑا ہوا تھا، حریم کو کوئی جانی پہچانی سی خوشبو محسوس ہوئی تھی اور ساتھ ہی دل کے دھڑکنے کا انداز بھی بدل گیا تھا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک لمحے میں قریب کھڑے شخص کو پہچان گئی تھی، وہ بھی حیرت بھری نگاہوں سے بدلی ہوئی حریم کو دیکھ رہا تھا شاید تبدیلی سہہ نہیں پا رہا تھا یا پرانی والی حریم کھوج رہا تھا۔

"حریم یہ تم ہی ہو۔" بالآخر خاموشی توڑنا ہی پڑی تھی۔

"ہاں میں ہی ہوں۔" وہ ذرا سا مسکرائی تھی، اب تو مسکرانے میں بھی ادا اور بانکپن تھا، مسکراہٹ بھی جیسے پروفیشنل ہو گئی تھی خالص نہیں رہی تھی اور اس میں بڑے بڑوں کے دل اٹک جایا کرتے تھے، موحد کیا چیز تھا۔

"بہت بدل گئی ہو؟"

"بدل جانے کے لئے تو یہاں آئی تھی۔"

"مگر اتنی جلدی کوئی کیسے اتنا بدل سکتا ہے۔" اس کی حیرانی ہی نہ جاتی تھی۔

"مثال آپ کے سامنے ہے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

"اور تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے۔" وہ پوچھنے لگا تھا۔

"بہت اچھی۔"

"ہوں۔"

"اور آپ کی؟"

"میری بھی بہت اچھی۔" وہ طنزیہ بولا تھا، حالانکہ بتانا چاہتا تھا، جاب اب کہاں رہی اور جس کی وجہ سے گئی وہ جوگ لئے بیٹھی ہے۔

''ویری گڈ۔''

''حریم!'' مشائم نے پکارا تھا۔

''اچھا میری دوست بلا رہی ہے، خدا حافظ۔'' حریم جلدی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی، دل حریم کا بھی اس شخص کے پاس رہنے کو ہمکتا تھا اور دل اس بندے کا بھی اس چہرے کو دیکھ دیکھ نہیں بھرتا تھا مگر دلوں کی محبت اپنی جگہ اور مجبوریوں کے ڈور سے بندھے یہ دو دل اپنی جگہ، سو وہ اپنی راہ چل پڑی تھی اور وہ اپنی راہ پر چل پڑا تھا۔

☆☆☆

مسز علوی آج کل ایک ابھرتے ہوئے اپنے سے تقریباً بیس برس چھوٹے سنگر کے ساتھ دوستی جوڑے بیٹھی تھیں اور میڈیا اس خبر کو نمک مرچوں سمیت اجاگر کر رہا تھا، مریم نے صبح کے نیوز پیپرز دیکھے تو اس کا بی پی ہائی ہو گیا تھا، ہر اخبار میں تقریباً اپنے اپنے انداز میں یہ خبر موجود تھی، اس نے فون اٹھایا تھا اور نمبر ملانے لگی تھی۔

''ہیلو مام! آج کے نیوز پیپرز دیکھے آپ نے۔'' مام اس سے ناراض تھیں مگر اس نے آج یہ ناراضگی نہ دیکھی تھی اور فون ملا لیا تھا۔

''نہیں، مگر کیوں، ایسا کیا آ گیا نیوز پیپرز میں۔'' وہ شاید ابھی سو رہی تھیں، خمار آلود آواز میں بولی تھیں۔

''وہ سنگر کیا نام ہے اس کا، ہاں سرمد شاہ، آپ کی اور اس کی دوستی، کیا آپ کو وہی ملا تھا دوستی کے لئے، وہ آپ کے بیٹے کی عمر کا ہے۔'' اس کو اتنا غصہ تھا کہ بے ربط فقرے بولے جا رہی تھی۔

''اچھا جب تم نے اپنے سے دس برس بڑے آدمی سے شادی کی تھی، تب ہماری مانی تھی۔'' ان کی آواز کا خمار ایک جھٹکے سے دور ہوا تھا، وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی تھیں۔

''ہاں میں نے اپنے سے دس برس بڑے آدمی سے شادی کی، مگر آپ کی طرح بیس برس چھوٹے شخص سے دوستی تو نہیں کی نا۔''

''شٹ اپ، میں جو بھی کروں تم کون ہوتی ہو مجھے بتانے والی۔'' انہوں نے غصے سے فون بند کر دیا تھا، مریم سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی، وہ کبھی سدھرنے والی نہیں تھیں، مگر مریم کا بی پی بڑھ کر اس کی طبیعت خراب کر گیا تھا، منصور گھر پر نہیں تھے ورنہ اتنا اسٹریس لینے پر وہ اسے ضرور ڈانٹتے، اس نے ان کے آنے سے پہلے ہی خود ہی میڈیسن کھا لی تھی، کہ یہ اس کے پرسنل فیملی ایشوز تھے جن کی وجہ سے وہ منصور کو تکلیف نہیں دے سکتی تھی۔

''ہیلو یاشر، کیا حال ہے؟'' طبیعت ذرا سنبھلی تو اس نے یاشر کو فون کیا تھا۔

''ٹھیک ٹھاک، آپ سنائیں مریم آپی، آپ کیسی ہیں۔'' اس کی ہشاش بشاش سی آواز فون کی لہروں میں ابھری تو مریم نے دل میں اپنے بھائی کے سدا خوش رہنے کی دعا مانگی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، یاشر تم ممی کو منع کیوں نہیں کرتے، تمہیں پتہ ہے نا وہ آج کل کیا کرتی پھر رہی ہیں۔'' ادھر ادھر کی باتوں کی بجائے وہ سیدھا اپنے مطلب کی بات پر آ گئی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے میں نے منع نہیں کیا ہوگا اور کیا وہ منع ہو جائیں گی، آپ کو پتہ ہے نا علوی ہاؤس کا اصول کہ سب بس اپنی مرضی سے اپنی اپنی زندگی جیو۔''

''مگر یاشر بہت سارے اصول وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں، علوی ہاؤس میں رہنے والے پھر اپنے اصول کیوں نہیں بدلتے۔''

''علوی ہاؤس میں رہتا کون ہے، مشائم

ہاسٹل، ریشم آپی امریکہ آپ اپنے گھر اور میں جس کا زیادہ وقت آفس میں گزرتا ہے، پیچھے کون رہ جاتا ہے، ملازمین یا پھر ممی ڈیڈی، اب یہ ان کی مرضی کہ وہ اپنے گھر کو کیسے چلاتے ہیں۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''یاشر پھر بھی، اب ان کو سمجھ جانا چاہیے، عمر کے ساتھ تو بہت کچھ بدل جاتا ہے۔''

''آپ کو پتہ ہے پھر بھی یہ سب کہہ رہی ہیں، ممی کو چھوڑیں یہ بتائیں آپ اپنے گھر میں خوش ہیں۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہے میں تو بہت خوش ہوں مگر یاشر وہ ممی۔'' اس کی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''اچھا آپ ٹینشن مت لیں، ممی کو بھی دیکھ لیں گے۔'' اس نے کہہ کر گویا جان چھڑائی تھی۔

''اوکے اللہ حافظ۔'' مریم نے فون بند کر دیا تھا، دل کا بوجھ ہلکا ہونے کی بجائے کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

یاشر نے حریم کو ایک لاکھ روپے دے دیا تھا اور حریم نے اسی وقت ماں کو بھیج دیا تھا، اسی شام پارٹی میں ایک بار پھر امیر جنجوعہ اور زلفی کے ساتھ ان کا ڈنر تھا اور اس بار یاشر کی ہدایت پر حریم پہلے سے بھی زیادہ دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔

''مجھے تو یہ ڈنر روز ہی ارینج کرنا پڑے گا یاشر علوی۔'' امیر جنجوعہ کی زبان کہاں رکتی تھی اس نے حریم کو دیکھتے ہی توصیفی انداز میں کہا تھا، یاشر کی آنکھوں میں ستارے سے چمکنے لگے تھے جس طرح امیر جنجوعہ حریم پر فدا ہو رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ ڈیل بھی فائنل ہی ٹھہری اور اس میں یاشر کو لاکھوں کا فائدہ ہونے والا تھا۔

''بیٹھیے۔'' یاشر نے میزبانی نبھا ہی تھی، وہ

دونوں بیٹھ گئے تھے اور حسب سابق حریم کو امیر جنجوعہ کے پہلو میں بیٹھنا پڑا تھا، وہ ڈنر تین گھنٹے چلا تھا اور یہ تین گھنٹے حریم ہی جانتی تھی کیسے اس نے پہلو بہ پہلو بدلتے ہوئے گزارے تھے، آخر خدا خدا کر کے ڈنر اختتام پذیر ہوا تھا اور امیر جنجوعہ نے حریم کے ہاتھ سے فائل لے کر اس پر سائن کر دیئے تھے اور ساتھ ہی یاشر سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ جلد ہی حریم کو اپنے آفس میں اپائنٹ کر لے گا، یاشر کے لئے انکار کہاں ممکن تھا اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''سر میں امیر جنجوعہ کے پاس کام نہیں کروں گی۔'' ان دونوں کے جانے کے بعد حریم نے بغیر کسی لگی لپٹی کے یاشر سے کہا تھا۔

''میں آپ کو جانے بھی نہیں دوں گا، وہ تو آج اس لئے انکار نہیں کر سکا کہ اس وقت میں اسے انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، مگر یہ بات ہے کہ یہ بندہ بہت کمینہ ہے اور اسے یہ بات بھولے گی بھی نہیں۔''

''بس جو بھی ہے، آپ اپنے آفس میں رکھیں گے تو ٹھیک ہے ورنہ میں جاب چھوڑ دوں گی مگر امیر جنجوع جیسے بندے کے پاس نہیں کام کروں گی۔''

''او کے او کے، اتنا غصہ مت کرو، کچھ کر لیں گے مگر تمہیں اس کے پاس نہیں بھیجیں گے۔''

''اچھا، حریم میں کل ایک ہفتے کے لئے دوبئی جا رہا ہوں۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے حریم کا دھیان ہٹانے کے لئے کہا تھا حالانکہ امیر جنجوعہ تو آج اس کے اپنے اعصاب پر بھی بری طرح سوار ہوا تھا۔

''جی ٹھیک ہے۔'' اسے جی ہی کہنا تھا وہ اتنا تو پوچھ نہ سکتی تھی کہ کیا کرنے جا رہے ہیں۔

''ہوں۔'' وہ خاموش ہوا تھا اور پھر باقی کا سارا سفر خاموشی میں ہی کٹا تھا، ہاسٹل کے دروازے پر اسے اتارتے ہوئے یاشر نے تھینک یو کہا تھا اور جلدی سے گاڑی بھگا لے گیا تھا، اس کا کام ہو گیا تھا اس کے لئے یہی بات بہت خوشی کی تھی اور اب وہ آج کی یہ خوشی دوبئی میں جا کر سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

دیکھئے ہو گئی بدنام مسیحائی بھی
ہم نہ کہتے تھے کہ ٹلتی ہے کہیں آئی ہوئی
سینکڑوں رنج و الم درد و مصیبت شب غم
کتنی ہنگامہ طلب ہے مری تنہائی بھی

رات کا سکوت ہر چیز پر طاری تھا، ہر شے عالم خواب میں محو تھی، نیند اکثر اس سے روٹھ جایا کرتی تھی، وہ کپڑے بدل کر اور میک اپ اتار کر بستر پر بہت دیر تک کروٹیں بدلتی رہی تھی، جانے کیسی بے چینی تھی جو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، پھر وہ جب کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تو اٹھ کر باہر لان میں نکل آئی تھی، رات اندھیری تھی، چاند کہیں چھپا بیٹھا تھا، ستارے مدھم پڑ گئے تھے وہ لان میں رکھے بینچ پر بیٹھ گئی تھی، تب ماں بہت یاد آئی تھی وہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی، اس نے بینچ کے ساتھ ٹیک لگائی تھی اور آنکھیں موند لی تھیں، ماں کے جسم کی خوشبو اور کپڑوں کی سرسراہٹ بھی اس کے پاس قریب ہی آ ٹھہری تھی، پھر ماں کی جادو بھری انگلیاں اس کے بالوں کو سہلانے لگی تھیں۔

''آپ کو جانے کی اتنی جلدی کیوں تھی۔''

وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گال پر رکھ کر اس محبت بھرے لمس کو محسوس کرتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے کب جلدی تھی، بس بلاوا آ گیا تو جانا پڑا۔''

''تو ابا کو منع کر کے جاتیں نا، وہ آپ کی جگہ کسی اور کو تو گھر میں نہ لاتے، ان کو تو بیوی مل گئی مگر مجھے ماں تو نہیں ملی نا، آپ ہوتیں تو کیا میں ایسے غیر اور لالچی مردوں کی گندی نگاہوں کا سامان بنتی۔'' اس کے آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر بہہ نکلے تھے، ماں تڑپ اٹھی تھی، اس نے اپنی انگلیوں سے یہ آنسو صاف کیے تھے، حریم نے ماں کا ہاتھ نہیں ہٹایا تھا، اسے ماں کا لمس اچھا لگ رہا تھا۔

''یہ تو تمہارے ابا کو سوچنا چاہیے۔''

''ابا کو دوسری شادی کرتے وقت بھی سوچنا چاہیے تھا، کہ ان کی ایک جوان بیٹی بھی ہے۔'' وہ پھر رو دی تھی۔

''تمہارے ابا میری زندگی میں مجھ سے بڑے وعدے کرتے تھے کہ وہ کبھی کسی دوسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں گے۔'' اب ماں اپنا دکھ بیٹی سے کہہ رہی تھی، ماں اور بیٹی کا رشتہ بھی عجیب ہے یہ ایک دوسرے کے دل کا حال بن کہے ہی جان لیتی ہیں اور ایک دوسرے کے دکھوں کو بانٹ لیتی ہیں۔

''پھر دیکھ لیں وہ وعدے کیا ہوئے انہوں نے سال بھر بھی انتظار نہیں کیا اور دوسری عورت لے آئے۔''

''اماں یہ مردوں کے بڑے روپ ہیں جو میں نے اس دنیا میں دیکھے ہیں۔''

''اللہ نہ کرے تمہارا واسطہ ایسے مردوں سے پڑے جن کی وجہ سے دنیا دکھوں کا گھر ہے۔''

''کیسے واسطہ نہ پڑے ابا کی لاڈلی نے مجھے اس دلدل میں خود دھکیلا ہے، اسے تو بس پیسوں سے غرض ہے میرا کون سا اس سے خون کا رشتہ ہے جو اسے میرا دکھ نظر آئے۔''

''تم اس کے شوہر کی بیٹی ہو، دل کا ٹکڑا ہو، وہ سمجھے تو رشتہ تو بہت گہرا بنتا ہے اس سے۔'' اپنے شوہر کو کسی اور کا کہنا تھا کہ آنسو اماں کے دل پر گرنے لگے تھے۔

''وہ سمجھے تو تب نا۔''

''اچھا تم اتنا دکھی مت ہو، میں تمہارے لئے دعا کروں گی، تمہاری مشکل آسان ہو جائے گی۔''

''سچ اماں، تم میرے لئے دعا کرو گی۔'' حریم نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے کہا تھا۔

''کیوں نہیں کروں گی، بہت دعا کروں گی۔''

''سچ اماں، سچ بتاؤ نا۔'' اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور ماں کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر وہاں کچھ نہ تھا، نہ ماں کے کپڑوں کی سرسراہٹ نہ ماں کا مشفقانہ لمس، ہاں ممتا کی خوشبو تھی جو ابھی تک اس کے اردگرد بکھری ہوئی تھی۔

''اماں...... اماں...... کہاں ہو تم۔'' وہ اندھیرے میں پکارنے لگی تھی۔

''اماں جواب دو نا۔''

''اماں کچھ تو بولو نا۔'' اس نے تھک ہار کر اپنا سر دوبارہ پیچھے رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں، اماں کہاں سے بولتی اب، بس آنسوؤں کی لکیریں تھیں جو پھول جیسے چہرے پر نشان چھوڑے جا رہی تھیں۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆

اسیر دار

شبانہ شوکت



"کچھ گھر کے کاموں میں بھی دلچسپی لیا کرو ہر وقت آئینے کے سامنے کھڑے رہنے سے تمام معاملات درست نہیں ہو جاتے۔"

"مجھے کوئی معاملات درست نہیں کرنے۔" آبگین اسکرب سے چہرے پر مالش کر رہی تھی، انسہ کو تپ چڑھی۔

"ہاں وہ سب مجھے کرنے ہیں، میری ذمے داری ہیں، ماں جو ہوئی تو ساری کی ساری مصیبتیں میں ہی فیس کروں گی۔"

"تو آپ کیوں یہ ذمے داری لے رہی ہیں، مجھ پر جو مصیبت آئے گی، میں خود ہی فیس کرلوں گی۔" اس نے ہاتھ روک کر سر جھٹکا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"کوئی خوف خدا کرو، جو منہ میں آئے بکتی چلی جاتی ہو۔" ان کا غصہ کچھ اور بڑھا تھا۔

"اللہ کرے کوئی مصیبت آئے، فی الحال عزین آرہا ہے، اس کے سامنے کچھ اچھا امپریشن بنانے کی کوشش کرو سدھر جاؤ کچھ۔" آبگین کو ہنسی آگئی۔

"آپ کا مطلب ہے مصیبت آئے یا عزین ایک ہی بات ہے اور میں کون سی بگڑی ہوئی بچی ہوں جواب سدھر جاؤں۔"

"مام آپ بھی نا حد کر دیتی ہیں۔" وہ جس طرح ناز سے اٹھلائی تھی، انسہ کو خود پر قابو پانے میں مشکل ہوئی تھی۔

"چلو ابھی تو تم چل کر میرے ساتھ شامی کباب بنواؤ۔"

"نہیں مام پلیز، ابھی ابھی میں نے اپنا خود ہی فیشل (Facial) کیا ہے اور ابھی میں کچن میں آکر اپنا ستیاناس کرلوں۔" وہ صدمے سے بے حال ہوئی اور انسہ غصے سے۔

"میں نے مصالحہ تیار کرنے کا نہیں کہا کہ

مکمل ناول



نواب زادی کو موت پڑ رہی ہے، ابھی صرف آپ کی ٹکیاں بنانے کی زحمت کرنی ہے، سب کچھ کر کے بنانا پڑتا تو پتا نہیں کیسی قیامت آ جانی تھی۔"

"مام پلیز میری اچھی مام، اچھا اب پلیز نا۔" ماں کو غصے میں دیکھ کر اسے اپنا رویہ تبدیل کرنا پڑا۔

"آپ سارا آمیزہ مجھے لاؤنج میں لا کر دے دیں، میں وہیں بیٹھ کر ساری ٹکیاں بنادوں گی۔"

"بڑی مہربانی ہو گی تمہاری، اب مزید مہربانی یہ کرو کہ کچن سے سارا سامان خود اٹھا لاؤ، میرے کرنے کو ابھی اور بہت کام ہیں۔" ان کا پارہ ابھی بھی چڑھا ہوا تھا، بہتری اسی میں تھی کہ وہ کان دبا کر نکل جاتی تو وہ جلدی سے ہاتھ، منہ دھو کر کچن میں چلی آئی، مرتی کیا نہ کرتی، سارا سامان ایک ایک کر کے لا کر سینٹر ٹیبل پر رکھا اور مرے مرے ہاتھوں سے ٹکیاں بنا بنا کر ٹرے میں رکھنے لگی، ٹی وی پر بھی sad song چل رہا تھا اس کے دل کی ترجمانی کرتا۔

"آہ۔" وہ دکھی دل سے گانا سن رہی تھی اور اس سے زیادہ دکھی ہو کر کباب بنا رہی تھی۔

"ہائے اتنا برا وقت آ گیا ہے کہ میری آپی کو ایسے ایسے کام کرنے پڑ رہے ہیں۔" مائدہ نے اچانک چھاپہ مارا تھا، آپی اچھل ہی پڑی۔

"اللہ، کیا باموقع انٹری دی ہے تم نے میری جان، سو سویٹ آف یو، بس اب آ جاؤ جلدی سے۔" وہ کھسک کر پرے ہوئی، مائدہ ہنستی ہوئی آگے آئی اور دھپ سے اس کے پاس بیٹھ گئی، دونوں خالہ زاد تھیں، ہم عمر تھیں، ہم جماعت تھیں اور سب سے بڑھ کر ایک دوسرے کی ہم راز بھی تھیں، مگر ہم مزاج ہرگز نہ تھیں، آبگین جتنی گھر کے کاموں سے دور بھاگتی تھی مائدہ اتنی ہی سگھڑ اور ماہر امور خانہ داری تھی، گھر کے کام تو چھوڑو، وہ جتنی دیر یہاں ہوتی کتنے ہی کام لگے ہاتھوں نمٹا دیتی، انسہ اسے دعائیں دیتی نہ تھکتی تھیں، ساتھ ہی ٹھنڈی ٹھنڈی طویل آہیں بھر کر اپنی حسرت ناتمام کا برملا اظہار کرتیں کہ کاش آبگین بھی ایسی سگھڑ اور امور خانہ داری میں ماہر ہوتی۔

"سمجھ نہیں آتی میں نے اس کی تربیت میں کون سی کوتاہی کر دی، حالانکہ مونس نے بھی تو تمہیں میری ہی طرح پالا ہے نا، بہنیں ہیں ہم دونوں، ایک ہی طرح پرورش پائی ہے اور آگے بیٹیوں کی بھی ایک ہی طریق سے تربیت کی ہے مگر میری تو آبگین بھی رو رو کر کام کرتی ہے اور آپی کا حال تو بہت ہی برا ہے۔" مارے تاسف کے آواز ہی بند ہو گئی تھی، مائدہ نے بمشکل اپنی ہنسی چھپائی تھی۔

"سیکھ لے گی خالہ، سب سیکھ لے گی، اسے تو اللہ نے بنایا بھی تو کتنی فرصت سے ہے کہ وہ کچھ نہ بھی کرے تو بھی بہت پیاری لگتی ہے، وہ صرف حکم چلانے کے لئے پیدا ہوئی ہے اور حکم چلاتی ہوئی ہی اچھی لگتی ہے۔" انسہ نے گھبرا کر آگے پیچھے دیکھا، صد شکر کہ وہ نزدیک نہیں تھی، وہ جھلا کر بولیں۔

"تم اسے اور چڑھایا کرو، پہلے ہی وہ شیشے کے آگے سے نہیں ہٹتی، جب دیکھو مینی، پیڈی کلینزنگ یا فیشل کچھ نہ کچھ چلتا ہی رہتا ہے، حد ہی ہو گئی۔"

"چھوڑیں نا خالہ، کر لے گی سب، وقت تو آنے دیں۔"

"چلو، ابھی کچھ سیکھے گی ہی نہیں تو وقت آنے پر بھی کیسے کر پائے گی، تم بھی تو ہو، اس کے ساتھ کی ہی ہو نا پھر کیسے اتنا کچھ......" وہ ان کے

کندھے پر ہاتھ رکھتی انہیں اپنے ساتھ کچن میں لے آئی۔

"آئیں کچھ کام کرتے ہیں۔" وہ یوں انہیں اپنے ساتھ الجھا لیتی کہ انہیں یاد بھی نہیں رہتا، کہ وہ کس موضوع پر کتنی پریشان تھیں، ابھی بھی وہ تیز تیز ہاتھ چلاتی کبابوں کی ٹکیاں بنا رہی تھی۔

☆☆☆

ہے اپنے وطن سے پیار ہمیں
ہم گیت اسی کے گاتے ہیں
ہم اسی کے نام سے دنیا میں
جانے پہچانے جاتے ہیں

شیشے کی ٹاپ والی سینٹر ٹیبل پر اپنے بے حد سفید مخروطی انگلیوں والے ہاتھ پھیلائے ان کے ناخنوں پر لگی پنک نیل پالش کو پنکھے کی ہوا سے سکھانے کے ساتھ ساتھ وہ بہت خوبصورت آواز اور لے میں گا رہی تھی، عزین تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو ٹھٹک گیا۔

بلاشبہ صوتی اور عکسی آہنگ اتنا دلکش سنگم لئے ہوئے تھا کہ اسے ٹھٹکنا ہی پڑا تھا، اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"اوں ہوں۔" وہ ہلکا سا کھنکارا تھا، آبگین نے نظر اٹھا کر دیکھا اور سامنے عزین کو دیکھ کر بوکھلائی سی ہو کر تیزی سے اپنے ہاتھ گود میں رکھ لئے تھے۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! And a very beautiful good morning۔"

"morning۔" اس کی آنکھوں میں حیرت کا واضح تاثر تھا، (ایسا کیا ہے اس صبح میں جو اسے بیوٹی فل لگا؟)۔

"آئیں بیٹھیں۔"

"نہیں نہیں، آپ اپنا کام کرتی رہیں، میں تو ویسے ہی جا رہا ہوں ناشتے کے لئے۔" آبگین نے بے اختیار وال کلاک کو دیکھا تھا، جو بارہ بجا رہا تھا، وہ اس کی حیرت کا پس منظر بھانپ گیا تھا۔

"ہاں میں لیٹ ہو گیا ہوں لیکن صرف آج، آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ جھینپ گئی۔

"آئیں آپ بھی میرے ساتھ ناشتہ کریں۔"

"میں تو بہت دیر پہلے کر چکی۔"

ہونہہ، ہماری مام صاحبہ کو تو نو بجے ہی بہت لیٹ لگتا ہے اور یہاں یہ موصوف بارہ بجے ناشتے کی دعوت دے رہے ہیں) وہ جل بھن گئی اس کی آفر پر۔

"ایک کپ چائے ہی پی لیں، کمپنی ہو جائے گی۔" وہ جیسے ٹھان کر آیا تھا کہ اسے ساتھ لے کر ہی جانا ہے، سوڑ تا ہوا تھا۔

"او کے میں آتی ہوں، آپ چلیں۔" وہ نیل پالش اندر کمرے میں رکھ کر، ہاتھ دھو کر ڈائننگ میں آ گئی، انسہ مسکرا مسکرا عزین کے آگے ناشتے کے لوازمات پیش کر رہی تھیں۔

(میرے لئے تو طنز ہی ہوتے ہیں ان کے پاس، چاہے ناشتہ ہو یا کسی اور ٹائم کا کھانا اور یہاں دیکھو تو) وہ جل بھن گئی تھی۔

"آؤ آپی، آؤ بیٹھو۔" وہ مسکراتی ہوئی اس سے مخاطب ہوئیں۔

(ہونہہ دکھاوا) وہ پھر دل ہی دل میں تلملائی تھی مگر اوپر سے مسکراتی ہوئی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی، انسہ اب عزین سے اس کی آج کی مصروفیات پوچھ رہی تھیں، وہ بھی خوشگوار موڈ میں

جواب دے رہا تھا۔

"السلام علیکم اور صبح بخیر۔" دروازے سے مائدہ کی چہکتی ہوئی آواز آئی تھی اور سب کی گردنیں ایک ساتھ گھومی تھیں، وہ ایک بڑا باؤل ہاتھوں میں لئے اندر آرہی تھی، اورنج اور پنک کنٹراسٹ کے لباس، میں نکھری، مسکراتی خوشگوار موڈ کے ساتھ، سارے ماحول پر چھا گئی تھی، عزین بھی بہت دلچسپی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم!" اب اس نے بطور خاص عزین کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا، وہ اب ٹیبل پر باؤل رکھ رہی تھی۔

"یہ میری بھانجی ہے مائدہ، برابر میں میری بہن مونسہ کا گھر ہے اور یہ عزین ہے، میرے جیٹھ کا بیٹا۔" انسہ نے باہمی تعارف کروایا، دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کو وش کیا تھا۔

"آپ کی مصروفیات؟"

"میں اور آبگین I R میں ماسٹرز کر رہی ہیں اور پھر گھر آکر گھر کے کام اور بس بلاوجہ ہی عزین کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی تھی۔"

صاف ستھرے، تراشدہ ناخنوں والے خوبصورت ہاتھ اور ساتھ ہی نظر آبگین کے ہاتھوں پر گئی تھی، لمبے لمبے ناخن تازہ نیل کلر سے سجے ہوئے، دودھیا ہاتھ جن میں موجود چائے کا کپ اپنی ان ہاتھوں میں موجودگی پر نازاں تھا، نادانستہ وہ تقابلی جائزہ لے رہا تھا، مائدہ کھلتی ہوئی شفاف رنگت اور مناسب نقوش کے ساتھ لمبے، گھنے سیاہ بالوں والی ایک خوبصورت لڑکی تھی اور آبگین بے حد گوری رنگت، بھوری آنکھوں، بھورے بالوں تیکھی قدرے اوپر کو اٹھی ہوئی ناک اور ہونٹوں کی بہت ہی خوبصورت شیپ کے ساتھ، جدید ہیئر کٹنگ کے بالوں کی اونچی سی پونی بنائے ہوئے مگر پھر بھی ماتھے اور گردن پر کچھ لٹیں لپٹی ہوئی تھیں، بلاشبہ حسن کا ہر استعارہ اس کے نام تھا، بڑی مشکل سے اس پر سے دھیان ہٹایا اور انسہ کو دیکھا جو مائدہ سے پوچھ رہی تھیں کہ وہ کیا بنا کر لائی ہے؟

"حلیم بنایا ہے خالہ، کل میں نے ایک نئی ریسپی ٹرائی کی ہے، کھا کر بتائیں کیسا بنا ہے؟" مائدہ نے اپنی فخریہ پیشکش کا ڈھکن اٹھایا اور خوشبو سارے میں پھیل گئی۔

"واؤ مائدہ کی بچی، کیا خوشبو پھیلائی ہے، جلدی سے مجھے باؤل اور چمچ دو، میں اب صبر کرنے والی نہیں۔" آبگین نے بے تابی سے ڈونگا اپنی طرف کھینچا، مائدہ ہنستی ہوئی کچن سے چھوٹے باؤلز اور چمچ لانے کے لئے چلی گئی، انسہ کا دل چاہ رہا تھا عزین کا لحاظ کئے بغیر اسے اٹھ کر دو چار لگا ہی دیں ایک تو مائدہ حلیم بنا کر لائی اور پھر چمچ وغیرہ بھی وہی لینے کچن میں گئی تھی، یعنی وہ موصوفہ ان کی بیٹی آبگین اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں اور جب مائدہ مطلوبہ سامان لے آئی تو سب سے پہلے حلیم نکال کر کھانے والی آبی ہی تھی، مائدہ نے نفاست سے شیشے کے چھوٹے باؤل میں حلیم ڈالی، گارنشنگ کی اور ایک چھوٹی پلیٹ میں وہ باؤل اور چمچ رکھ کر عزین کے سامنے کیا۔

"یہ آپ بھی ٹیسٹ کیجئے۔"

"تھینکس۔" اس نے پلیٹ کو مزید قریب کیا۔

"واؤ زبردست یمی، ٹیسٹی۔" آبگین کے منہ سے بے اختیار تعریف اُمڈ رہی تھی، عزین نے چمچ بھر کر منہ میں رکھا اور بے ساختہ مسکرایا۔

"سچ مچ بہت ٹیسٹی۔" مائدہ اٹھ کر باقاعدہ کورنش بجالائی۔

"شکریہ شکریہ۔" انسہ اور عزین ہنس دیئے تھے، آبگین حلیم کھاتی اور سر دھنتی جا رہی تھی۔

"اوہ شیف مائدہ، اپنے تازہ ترین تجربے کے ساتھ حاضر ہیں۔" تابش نے ایکدم انٹری دی تھی، وہ عزین کے ساتھ جانے کے لئے آفس سے اٹھ آیا تھا، وہ ہمیشہ مائدہ کو شیف راحت کی بیٹی، شیف مائدہ کے نام سے ہی چھیڑا کرتا تھا اور وہ بھی بجائے چڑنے کے انجوائے کرتی تھی۔

"تو شیف بننا کوئی آسان ہے، توبہ توبہ۔"

"ہاں جی۔" وہ ٹھنڈی سانس لیتا۔

"انجینئر بن کر KDA میں جاب کرنا آسان ہے۔" مائدہ ہنستی رہتی۔

"بڑا اچھا تجربہ ہے تم بھی فیضیاب ہو جاؤ۔" عزین نے ڈونگا اس کی طرف کھسکایا، تابش نے چھوٹے باؤل میں تھوڑی سی حلیم نکالی۔

"ممی مجھے چائے دے دیں، اور تم؟ ریڈی ہو تو چلیں۔"

"ہاں بس میں ہاتھ دھو کر آیا۔" عزین کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا اور تیزی سے تابش کے کمرے میں جہاں آج کل وہ بھی رہائش پذیر تھا، چلا گیا کچھ دیر میں وہ اپنا لیپ ٹاپ وغیرہ سب لے آیا تھا، تابش نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا اور اٹھ گیا، ان دونوں کے جانے کے بعد انسہ نے مائدہ کے بھی جانے کا انتظار کیا تھا۔

"تمہیں کوئی شرم و حیا نہیں آتی کہ کسی کو دکھانے کے لئے ہی بندہ ہل جل کر لیتا ہے، ایک تو مائدہ حلیم بنا کر لائی پھر وہی کچن میں برتن لے کر آئی اور عزین کو یوں حلیم پیش کی جیسے وہ میزبان ہو، تم اپنی جگہ سے ہلیں تک نہیں، جیسے وہ مہمان ہے تو تکلف سے آکر بیٹھا ہو جیسے ہی تم آ کر بیٹھ گئیں، پہلے میں اکیلی کام بھی کر رہی تھی اور میزبانی بھی، پھر مائدہ آگئی تم نے تو ایسی کوئی زحمت ہی نہیں کی کہ لگے کہ تم بھی اس گھر کی فرد ہو، میری بیٹی ہو، بیٹی جو جوان ہو جانے پر ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے پر مجھے اللہ نے انوکھی بیٹی دی ہے جو چاہتی ہے ماں ہی سب کچھ نمٹاتی رہے پر کچھ معاملات میں بیٹیوں کا کردار بہت اہم ہو جاتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی، اب عزین پر کیا امپریشن پڑا ہو گا کہ ایسی ہڈ حرام اور بگڑی ہوئی صاحبزادی ہیں ان کی کہ تنکا توڑ کر دو کرنے کی روادار نہیں۔" آبگین کو عافیت اسی میں نظر آئی کہ برتن سمیٹ دے، وہ جلدی جلدی برتنوں کو اکٹھا کرنے لگی کہ پلیٹ کپ سے ٹکرائی اور وہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا، وہ گھبرا کر جھکی تو تین چار پلیٹیں ایک ساتھ زمین بوس ہو گئیں، انسہ نے سر پکڑ لیا تھا۔

"آبی تم چھوڑ دو میں خود ہی کر لوں گی۔" مارے شرمندگی کے زبان دانتوں میں دبائے، وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہی پھر ہاتھ میں تھامے برتن رکھنے کچن میں چلی گئی، وہاں زرینہ آچکی تھی اور برتن دھو رہی تھی۔

"آبی بیٹی کیسے کچن میں آگئی۔" اس نے بھی چھیڑا، اس وقت چونکہ وہ پہلے ہی شرمندہ تھی، سو اس کا مذاق بھی برداشت کر گئی، بلکہ اگر آج زرینہ نہ آتی تو وہ اپنے مبارک ہاتھوں سے جن پر ابھی کچھ ہی دیر پہلے نیل پالش لگائی تھی، برتن بھی دھو ڈالتی۔

☆☆☆

عزین اور تابش واپس آئے تو موسم ہی بدل چکا تھا، گرمی کے بجائے ٹھنڈی، ٹھنڈی بھیگی ہوئی ہوا چل رہی تھی، اودے بادل آسمان پر یوں چھائے ہوئے تھے کہ سورج کو منہ چھپانے پر مجبور کر دیا تھا، کسی کسی وقت ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی، سب اوپر چھت پر کرسیاں رکھ کر بیٹھے تھے، عزین اور تابش بھی اوپر آگئے۔

"کتنا زبردست موسم ہو رہا ہے نا۔"
نگین بھی آئی ہوئی تھی، اس کے دونوں بچے احد اور سعد بھی تھے، رامش اور آبگین، انسہ سمیت خوش گپیوں میں مصروف تھے، آبگین ملٹی کلر کے لان کے سوٹ میں ملبوس کھلی ہوئی کلی کی طرح منظر کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی مسکرا رہی تھی، وہ بھی قریب آ گئے۔

"یہ کیا بھئی ایسے ہی سوکھے منہ موسم کو انجوائے کیا جا رہا ہے، کوئی پکوڑے، چٹنی، چائے۔" عزین کی بات پر نگین کا منہ ہی کڑوا ہو گیا۔

(اسے ہر موقع پر کھانے کے لئے کچھ چاہیے)
حالانکہ آج وہ پہلی بار اتنا فرینک ہوا تھا کہ اپنے منہ سے کوئی فرمائش کی تھی، نگین ننھے سعد کو گود میں لے کر چپ کروا رہی تھی، اسے احد نے تھپڑ مار دیا تھا، انسہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے سب کے لئے مینگو شیک بنا کر لائی تھیں سو اب گھوم پھر کر مصیبت آبگین کے سر ہی آئی تھی، وہ تو کراہ اٹھی۔

"پکوڑے؟ اتنا مشکل پراسیس؟ یا اللہ مدد۔"

"تو آبگین ہمیں چائے کے ساتھ بہت مزے دار پکوڑے کھلانے والی ہے۔" تابش نے شرارت سے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔

"پہلے بارش تو ہونے دیں۔" وہ کمزور سے لہجے میں بہانہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو جب تک بارش تیز ہو گی، پکوڑے بھی تب تک ہی بنیں گے۔" تابش کو اس کے کام کرنے کی اسپیڈ معلوم تھی۔

"ہائے خالہ کے گھر تو پکوڑے بننا بھی شروع ہو گئے، کتنی پیاری خوشبو آ رہی ہے۔" نگین نے یوں منہ اٹھا کر سانس کھینچی کہ پکوڑوں کی مہک بھی ساتھ ہی اندر اتاری تھی۔

"اوہ۔" بجلی کی طرح ایک خیال آبگین کے دماغ میں کوندا۔

"میں پکوڑے اور چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"تو یہ نیچے جانے کے بجائے خالہ کے گھر کیوں جا رہی ہو؟" رامش نے حیرت سے اسے برابر والی چھت کا رخ کرتے دیکھا۔

"یہ میرا خیال ہے مائدہ سے پکوڑے بنوائے گی بلکہ ان کے بنے بنائے اٹھا لائے گی۔" نگین نے خیال آرائی کی اور انسہ کو عزین کے سامنے اپنے بچوں کی صاف گوئی پر بے تحاشا غصہ آیا تھا، وہ جتنا عزین کے سامنے آبگین کو سلیقہ شعار ثابت کرنا چاہ رہی تھیں اتنا ہی اس کا امپریشن خراب سے خراب ہو رہا تھا، عزین بھی تابش اور رامش کے ساتھ ہی بول رہا تھا، پتا نہیں اس نے غور سے نگین کی بات سنی بھی یا نہیں، پھر تقریباً آدھ گھنٹے بعد آبگین اور مائدہ پکوڑوں، چٹنی اور چائے کے سارے لوازمات کے ساتھ اوپر آئی تھیں، دونوں کے چہروں پر سرخی تھی، مائدہ نے دوپٹہ اچھی طرح کندھوں پر پھیلایا ہوا تھا مگر پشت سے اس کی چپکی ہوئی شرٹ سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ چولہے کے سامنے کھڑی رہ کر آئی ہے جبکہ آبگین کے پورے وجود سے پرفیوم کی تازہ مہک آ رہی تھی اور بال بھی دوبارہ بنا کر آئی تھی، چہرے کی فریش اسکن چمک رہی تھی، دونوں کا تقابلی جائزہ لیتے عزین کے چہرے پر مسکراہٹ جھلکی تھی۔

"پکوڑے آپ ہی نے بنائے ہیں نا؟" اس نے آبگین سے پوچھا، وہ دونوں ٹیبل پر سامان سیٹ کر رہی تھیں، وہ بڑے اعتماد سے مسکرائی تھی۔

"جی بالکل۔" عزین نے ایک پکوڑا اٹھا کر چھوٹا سا بائٹ لیا۔

"پرسوں میں اور تابش مونسہ خالہ کے گھر گئے، آپ نہیں تھیں۔" اس نے مائدہ سے کہا۔

"تو انہوں نے تب بھی پکوڑے بنائے ہوئے تھے اور سیم یہی ٹیسٹ تھا، ذرا سا فرق بھی نہیں ہے ان میں اور اس پکوڑے میں۔" اس نے باقی پکوڑا بھی منہ میں رکھ لیا، آبگین پانی پی رہی تھی کہ ایسا اچھو لگا وہ کھانس کھانس کر بے حال ہو گئی، مائدہ نے اس کی پشت تھپکی اور مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

"ہم دونوں کچن میں تھیں اور ممی نے بھی ہیلپ کی ہماری۔"

"میں نے اور مونسہ نے ایک ہی ماں سے تربیت لی اور آگے سے ساری اپنی بیٹیوں میں منتقل کر دی، اس لئے مائدہ اور نگین و آبگین جو بنائیں گی، ایک ہی ترکیب اور ذائقہ ہو گا۔" انسہ کو بھی بولنا پڑا۔

"ماشاء اللہ آپ چولہے کے آگے کھڑی ہو کر بھی کتنی فریش لگ رہی ہیں اور انہیں پتا نہیں کیوں اتنے پسینے آ رہے ہیں۔" عزین کے شریر لہجے پر نگین اور مائدہ ہنس پڑی تھیں، انسہ نے تاسف سے آبگین کو دیکھا وہ ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

"آبگین تو ایسے ہی ہیں، صاف ستھرے کام کریں یا آرام، صفائی ہے نصف ایمان۔"

"جی جی بجا فرمایا آپ نے، مجھے تو بلکہ ایسا لگتا ہے کہ آپ کا مکمل ایمان ہی صفائی اور آرام ہے۔" اس کا لہجہ تو ابھی بھی شریر ہی تھا مگر یہ واضح تھا کہ وہ سب سمجھ گیا تھا، انسہ نے اب یہی بہتر سمجھا کہ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھ کر وہ بھی پکوڑوں اور چائے کے ساتھ موسم سے لطف اندوز ہوں، یہ جلنا کڑھنا تو زندگی بھر کا تھا۔

☆☆☆

روحیل (نگین کا شوہر) اسے لینے کے لئے سر شام ہی آ گیا تھا، نگین بچوں سمیت اس کے پاس ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی اور انسہ داماد کے لئے اہتمام میں لگی ہوئی تھیں کہ مائدہ چلی آئی۔

"خالہ یہ لیجئے۔" اس نے ڈش سلیب پر رکھی، وہ محبت سے مسکرائیں۔

"کیا لے آئیں؟"

"نگین آپی کو پاستا بہت پسند ہے نا تو میں نے ان کے لئے آج اسپیشلی بنایا ہے، امی نے کہا تھا آپی کے جانے سے پہلے بنا لو، آپ اکیلی لگی ہوئی ہیں، مجھے بتائیں کچھ میں ہیلپ کر دوں۔"

"نہیں میرا بچہ، میں کر لوں گی، پہلے ہی گھر سے کر کے آ رہی ہو۔" مگر وہ ان کے نہ نہ کرنے کے باوجود ساتھ لگ گئی تھی، وہ ایک طرف بریانی کا مصالحہ تیار کر رہی تھیں تو دوسرے چولہے پر وائٹ قورمہ کے لئے پیاز رکھی تھی، مائدہ نے پیاز کو نرم ہوتے ہی بڑی پلیٹ میں نکال لیا اور جب تک وہ ٹھنڈی ہوتی اس نے بلینڈر میں دہی ڈال کر پیاز ڈالی اور بلینڈ کر کے فرائی کیے ہوئے گوشت میں ڈال دیا، جب تک اس کی بھنائی ہوئی، اس نے جلدی جلدی سلاد کے لئے کھیرے پیاز، ٹماٹر، چقندر اور بند گوبھی وغیرہ کاٹنے شروع کر دیئے، انسہ نے رائتہ بنا لیا، میٹھے میں فروٹ ٹرائفل روحیل کو بہت پسند تھی، اس کے لئے فروٹ سارا مائدہ نے کاٹا اور ساتھ ہی برتنوں کا ڈھیر دھوتی گئی، افراد زیادہ تھے تو کھانا بھی اسی حساب سے بن رہا تھا، مائدہ کی وجہ سے سب توقع سے بہت جلدی ہو گیا تھا، حتیٰ کہ ٹیبل بھی اسی نے سیٹ کی تھی، انسہ تو اسے دیکھ دیکھ کر دعائیں پھونک رہی تھیں کہ اسے ان کی ہی نظر نہ لگ جائے، تابش آفس سے آیا تو وہ کباب فرائی کر رہی تھی۔

''اوہ ماسی کیا کیا بنا لیا؟'' اس نے پیچھے سے اس کا کیچر کھول دیا تھا، گھنے لمبے سیاہ بال آبشار کی طرح اس کی پشت پر آگرے تھے۔

''تابی کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ بری طرح جھنجھلائی تھی، کباب پلیٹ میں نکال کر اس نے چولہا دھیما کیا اور بالوں کو پھر سے لپیٹ کر کیچر لگا دیا تھا، وہ نزدیک ہوا۔

''تمیز ہی تو سیکھنے آیا ہوں، ورنہ اس گرم کچن میں کیا کام ہوسکتا ہے مجھے؟'' مائدہ نے کف گیر اٹھایا، وہ تیزی سے باہر لپکا۔

''یار جلاؤ گی کیا؟'' وہ ہنستی ہوئی پھر سے اپنے کام میں لگ گئی تھی۔

''میری ممی اتنے لذیذ کھانے بناتی ہیں کہ بندہ کھا کر چمچہ چاٹ لے۔'' چمچہ چاٹنے پر سب ہنس پڑے تھے۔

''مگر اسے پتا نہیں کیوں خوش فہمی جو کہ سراسر غلط فہمی ہے کہ یہ شیف مائدہ ہے، اس لئے یہ خواہ مخواہ اپنی خدمات بیچ میں پیش کر دیتی ہے، اب جو تھوڑا بہت ذائقہ ہے وہ تو ہے میری مام کے ہاتھوں کا اور جو کچھ بھی گڑبڑ ہو وہ میم مائدہ کی وجہ سے۔'' تابش اسے سلگانے کی پوری کوشش کر رہا تھا مگر وہ مائدہ تھی، بڑی ہی ٹھنڈے مزاج کی، عزین نے مسکرا کر پہلے اسے پھر آبگین کو دیکھا، وہ خوب دل لگا کر تیار ہو رہی تھی، روحیل نے اسے چھیڑا۔

''اور آبی نے کیا بنایا ہے، مجھے ضرور کھانا ہے۔''

''بس یہ چیز، یہ چیز جب ہوتی تو آبی کے اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس کر دیتی تھی، پر تھی تو وہ بھی آبی۔'' جلدی سے ٹرائفل اٹھا کر روحیل کے سامنے رکھا۔

''یہ میں نے بنایا ہے، اتنی محنت سے۔''

مائدہ نے تو نظریں ہی اوپر نہیں اٹھائیں اور انسہ کے لئے نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہوگیا تھا۔

''زبردست۔'' روحیل نے مسکراتے ہوئے باؤل پکڑ لیا۔

☆☆☆

''ہری اپ لیڈیز۔'' تابش چابی گھماتا تیزی سے آیا تھا، مائدہ نے دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے سخت فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ لیڈیز کسے کہا ہے تم نے؟''

''یہ جو سامنے لیڈیز کھڑی ہیں، انہیں ہی کہا ہے، کیوں کیا جینٹس ہو تم لوگ؟''

''اچھا اب زیادہ اوور اسمارٹ مت بنو۔'' وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

''ویسے بائی دا وے ہم گرلز ہیں۔''

''نہیں نہیں بلکہ بچیاں ہو تم لوگ، ننھی منھی سی، گڑیاؤں سے کھیلنے والیں۔''

''خیر گڑیا سے آج کل کون سی بچیاں کھیلتی ہیں، یہ زمانہ تو سنڈریلا اور باربی کے کارٹون دیکھنے کا ہے، ٹیب اور لیپ ٹاپ کا ہے۔'' تابش نے بڑے انداز سے کہا، آبگین کو ہنسی آگئی۔

''تو گھر بیٹھ کر فلم دیکھتی نا، شاپنگ پر کس لئے جا رہی ہو؟'' وہ جل کر بولا تھا۔

''بس ہم ذرا ضرورت سے زیادہ ذمے دار بچیاں ہیں، اپنی ماؤں کی ہیلپ کروانے والی۔'' مائدہ کا وہی انداز تھا۔

''تو یہ شاپنگ ماؤں کی ہیلپ کے لئے کی جا رہی ہے؟'' تابش نے ویو مرر سے گھورا۔

''جی بالکل یہ گروسری شاپنگ ہے تو یہ ہماری ماؤں کی مدد کے لئے ہی کی جا رہی ہے۔'' بہت آرام سے کہہ کر دونوں اندر مارٹ میں چلی گئیں، پہلے تو واقعی سودا سلف خریدا اور تابش کو دے کر وہ گاڑی میں رکھوا کر خود ملبوسات کے فلور

میں چلی گئیں، وہاں سے دونوں نے اپنے لئے کچھ لباس خریدے، پھر بیگز کی طرف آگئیں، ایک ایک بیگ لیا اور جیولری کارنر میں جا گھسیں۔

وہاں سے فارغ ہو کر جب میک اپ کی طرف گئیں تو تابش جو کب سے انہیں کال کر رہا تھا اس کا ضبط جواب دے گیا اور اوپر آگیا۔

''یہ گروسری شاپنگ ہے، اسے کہتے ہیں گروسری شاپنگ دو گھنٹوں سے اوپر ہوگیا ٹائم، فارغ سمجھا ہے تم لوگوں نے مجھے کہ میں یوں پاگلوں کی طرح انتظار میں کھڑا رہوں اور تم لوگ اپنی شاپنگ بھگتاتی رہو۔'' وہ اتنے غصے میں تھا کہ دونوں کان دبا کر اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔

''بہت بدتمیز ہو تم تابی، کیا ہوا اگر ہم نے خود کے لئے بھی کچھ لے لیا تو، اب اگر مارٹ میں آ ہی گئے......''

''تو پھر رامش جیسے فارغ بندے کو پکڑا کرو، میرا ٹائم اتنا بھی فالتو نہیں ہے کہ مادام شاپنگ کرتی رہیں اور میں ڈرائیور کی طرح انتظار میں بیٹھا رہوں کہ آئیں گی تو گاڑی چلاؤں گا۔'' وہ صحیح تپا ہوا تھا۔

''تو بہ تھوڑا سا انتظار کرنا پڑا تو کتنی باتیں سنا دیں، کاش پاپا مجھے ڈرائیونگ سکھا دیں تو پھر کسی کی محتاجی ہی نہ رہے۔'' آبگین کو غصہ آگیا تھا۔

''ہاں سکھا دی، پھر تو محترمہ سارا دن گاڑی لئے اِدھر اُدھر ہی پھریں، گھر کے کاموں سے تو پہلے ہی پرہیز ہے، پھر تو نوالے بھی کسی اور کو منہ میں ڈالنے پڑیں گے۔'' اس کے طنز پر تو آبی کے تلوؤں لگی سر پر بجھی۔

''گھر کے کام گھر کے کام، تنگ آگئی ہوں میں یہ طعنہ سن سن کر، جسے دیکھو وہی شروع ہو جاتا ہے، ٹھیک ہے نہیں ہوتے مجھ سے گھر کے کام تو پھر کیا کروں، کھانا نہ کھایا کروں تو آج سے نہیں

کھاؤں گی، تب ہی کھاؤں گی، جب خود بناؤں گی۔''

''اللہ آبی، ایسا بھی کیا ہوگیا، خواہ مخواہ نہیں کھاؤ گی، پاگل تو نہیں ہوگئی ہو کچھ، تابی تم بھی۔'' مائدہ بوکھلا گئی۔

''کیا میں بھی، کچھ غلط کہا ہے میں نے، نگین اپنے گھر کی ہوگئی، امی سارا دن اکیلی لگی رہتی ہیں، اسے خود سے تو خیال آتا نہیں، دوسرے دلائیں تو محترمہ کو غصہ آجاتا ہے۔''

اب آبگین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے چھلک پڑا تھا، مائدہ اسے چپ کروانے کی کوشش کرنے لگی، تابش بھی اس کے آنسو دیکھ کر ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

''آؤ تم دونوں کو آئس کریم کھلا دوں، ذرا ٹھنڈک پہنچے دل و دماغ میں۔''

''مجھے نہیں کھانی۔'' آبی اب اتنی گئی گزری تھی کہ مان جاتی ورنہ اس نے اور مائدہ نے یہی سوچا تھا کہ تابش سے آئس کریم کھانی ہے، جب شاپنگ ختم ہوگی تو پر اب معاملہ غیرت کا تھا، سو انکار تو لازمی ٹھہرا۔

''تابی تم ہی سوری کر لو، خواہ مخواہ میں ہی رلا دیا اسے۔'' مائدہ اپنی صلح جو طبیعت سے مجبور تھی۔

''ویسے تو میں نے کوئی غلط بات نہیں کی مگر پھر بھی سوری کر لیتا ہوں۔'' کیا لٹھ مار انداز تھا، آبی کو اور غصہ آگیا۔

''چلو پلیز اب گھر چلو، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' اس نے مائدہ کو یوں حکم دیا جیسے وہ ہی گاڑی چلا رہی ہو۔

''ہاں جلدی جلدی گھر پہنچ کر ممی کا ہاتھ بھی تو بٹانا ہے۔'' تابش کہاں باز آنے والا تھا، مائدہ نے بڑی بے چارگی سے پہلے تابش کو پھر آبگین کو دیکھا، اس کے آنسو اور روانی سے بہہ نکلے تھے۔

☆☆☆

بہت ہی بگڑے موڈ کے ساتھ وہ انسہ کو ڈنر کی تیاری کرواتی رہی، وہ تو اس کے بغیر کہے کام کرنے پر ہی کیا کم حیران تھیں، ساتھ ہی اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر پریشان بھی تھیں، پر فی الحال خاموشی سے دیکھ رہی تھیں اسے چھیڑے بغیر۔

"بعد میں پوچھوں گی اسے کیا ہوا ہے۔" وہ ٹیبل پر برتن لگانے لگیں، عزین آج بہت مصروف رہا تھا، لنچ کے لئے بھی نہیں آیا تھا، اب آیا تو اسے دیکھ کر شگفتگی سے مسکرایا۔

"کیسے مزاج ہیں؟" مزاج سخت برہم تھے لیکن اس کی یقیناً نگاہ کمزور تھی، سو اب جب اس نے سالن کا ڈونگا ٹیبل پر لا کر پٹخا تو عزین کی مسکراہٹ، حیرت میں بدل گئی۔

"آنٹی، آئی تھنک آبگین خاصی تھک گئی ہیں، انہیں ریسٹ دے دیں۔"

"آپ کو الہام ہوا ہے کہ میں تھک گئی ہوں۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

"ہیں ہیں ہیں، دماغ ٹھیک ہے کچھ، کس طرح بات کر رہی ہو تم عزین سے، کوئی تمیز، طریقہ ہے بات کرنے کا۔"

"نہیں ابھی بس اتنے کمال درجے تک تو نہیں پہنچا کہ الہام ہونے لگیں، مگر کچھ کچھ اندازہ تو ہو رہا ہے نا آپ کو دیکھ کر۔" عزین کا ٹمپرامنٹ بلاشبہ بہت اچھا تھا۔

"جاؤ کچن سے روٹیوں کا ہاٹ پاٹ لے کر آؤ۔" انسہ نے تیز نظروں سے گھورا، ورنہ وہ کوئی جواب ضرور دیتی۔

"تین دن مہمان، پھر بلائے جان۔" وہ منہ ہی منہ میں بدبداتی ہوئی کچن میں گئی اور ہاٹ پاٹ لا کر خود بھی بیٹھ گئی، تابش نے جان بوجھ کر بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈالا تھا۔

"یہ بریانی آبی نے بنائی ہے؟"

"آپ مجھ سے بات مت کریں۔" وہ حسب توقع بھڑکی تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" انسہ نے دانت پیسے۔

"طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے، دماغ البتہ ٹھیک نہیں لگتا۔" تابش نے جلتی پر تیل چھڑکا، وہ چمچ پلیٹ میں پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سب کے سب میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں، لگتا ہے میں اس گھر میں کوئی کام والی ہوں جس سے سب انٹرٹین ہو رہے ہیں۔"

غصے کے ساتھ پاؤں پٹختی ہوئی وہ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی، انسہ کا ردعمل دیکھے بغیر، جنہوں نے نہ جانے کیسے کھانا زہر مار کیا تھا اور فوراً اس کے پیچھے آئی تھیں۔

"مجھے علم ہونا چاہیے کہ آخر تمہارانی صاحبہ کو اصل تکلیف کس بات کی ہوئی ہے، کسی کی شرم نے کسی کا لحاظ جو منہ میں آیا وہ بک دیا، مجھے بتاؤ وہاں ٹیبل پر تم سے عمر میں چھوٹا کون تھا جس پر تم نے یہ Attitude دکھایا ہے؟"

"جو بھی تھے نا وہ مجھے ہی ٹارگٹ کر رہے تھے، میرا ہی مذاق اڑا رہے تھے اور آپ کو یہ سب دیکھ کر بھی میرا ہی قصور نظر آ رہا ہے۔" وہ لیٹی سے اٹھ بیٹھی تھی، موڈ ابھی بھی بہت خراب تھا، انسہ کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔

"ہاں تمہارا ہی قصور نظر آتا ہے مجھے، لڑکی ذات کی اتنی لمبی زبان ہونی چاہیے؟ یہ جو تم ابھی عزین کے آگے چلا کر آئی ہو، تم نے اسے بھی نہیں بخشا، کوئی تھوڑی سی شرم بھی ہے کہ وہ تمہارے تایا کا بیٹا ہے۔"

"تنگ آ گئی ہوں میں اس تایا کے بیٹے سے، یہ نہ کرو، وہ بیٹھا ہے، وہ نہ کرو وہ بیٹھا ہے،

...ری اپنی تو کوئی زندگی ہی نہیں رہی۔" وہ ان کی ...ت کاٹ کر بدتمیزی سے بولی تھی اور انسہ کا پارہ ...سمان پر پہنچ گیا تھا۔

"میں منہ توڑ دوں گی تمہارا، اب اگر مزید ...کی بکواس کی تم نے، سوائے سجنے سنورنے اور ...ن چلانے کے تم جیسی پھوہڑ کو آتا ہی کیا ہے، ...ے مجھے کوئی گن تو بتاؤ۔"

"گن گن گن تنگ آ گئی ہوں میں یہ لفظ سن ...ن کر، آخر میں ایسا کیا اور کون سا کام کروں، ...ں سے میری یہ ہر وقت کے طعنوں سے جان ...ٹ جائے۔"

"ابھی تو ماں کہہ رہی ہے تو اتنی تکلیف ہو ...ہی ہے تو جب دوسرے گھر جاؤ گی تو ہر کسی سے ...گی، اگر یہی پچھن رہے تو۔" انسہ بھی آج بخشنے ...کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"مجھے کہیں بھی نہیں جانا۔" وہ غصے سے ...لی تھی۔

"یہ جو حال ہے نا اسی میں لے جائے گا ...ی کون؟ اور میری ایک بات کان کھول کر سن لو، ...مینہ بھابھی (عزین کی والدہ) نے مجھ سے بطور ...اص تمہارے لئے کہا ہے کہ اگر عزین راضی ...ا تو وہ رشتہ مانگنے میں دیر نہیں کریں گی، ...ارادہ تو نہیں تھا بتانے کا مگر مجبوراً بتا رہی ہوں کہ ...د کا واسطہ ہے۔" انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ...س کے سامنے کیے۔

"اس کے سامنے ڈھنگ کے اطوار اپناؤ ...ر اپنی زبان منہ کے اندر رکھو۔"

"آپ کو مجھ سے بالکل محبت نہیں ہے، نوکر ...نا چاہتی ہیں مجھے۔" وہ رو پڑی تھی، انسہ ...ہیں اس کی اس کے آنسو دیکھ کر کمزور پڑ گئیں۔

"گھر کے کام کرنے سے کوئی نوکر بنتا ہے ...یا بھلا، پھر میں نوکر ہوں جو سارا دن لگی رہتی

ہوں، تم بھی چپ کرو اور میرے ساتھ مل کر کوکنگ سیکھو، میرا ہاتھ بھی بٹا دو گی اور سب پکانا بھی سیکھ جاؤ گی، اب یہاں ہو یا کہیں اور شادی ہونی تو ہے اور سسرال والوں کے دل جیتنا کوئی آسان بات بھی نہیں۔" وہ کتنی دیر اسے سمجھاتی رہی تھیں۔

☆☆☆

عزین سول انجینئرنگ کی تعلیم آسٹریلیا سے مکمل کر کے یہاں آیا تھا، عزین کے والدین ثمینہ اور احسن بہت طویل عرصے سے وہاں مقیم تھے، عزین اور تابش کی آپس میں بہت اچھی دوستی تھی، تابش بھی انجینئر تھا، اب ان دونوں کا ارادہ اپنی فرم کھولنے کا تھا، اسی کے لئے دن رات کوشاں تھے، تھکے ہارے کہیں رات کو گھر آتے تھے، ساتھ ہی عزین کی فیملی کے لئے گھر کی تلاش بھی جاری تھی، احسن انکل نے یہ ذمے داری بھی ان سب پر ڈال رکھی تھی، تابش کے ڈی اے میں جاب کرتا تھا اور پاپا حسن علی آئل کمپنی میں بہت اچھے عہدے پر تھے وہ بھی چند دن کی چھٹیوں پر اسے اسٹیٹ ایجنٹ سے ملواتے رہے اور تابش دفتر سے جلدی چھٹی لے کر اسے بنگلے دکھا رہا تھا، یعنی عزین کی وجہ سے سب کے سب مصروف تھے، آبگین کو ہنسی آ جاتی، اتنا Important بندہ کہ سب لوگ بلکہ پورا گھر اس کی وجہ سے مصروف ہو گیا ہے، پر اب یہ بھی تھا کہ اسے دیکھ کر آبگین کا دل کچھ اور ہی لے میں دھڑکنے لگتا تھا، شاید ممی کی باتوں نے اس کے اندر کوئی اور جذبے جگا دیئے تھے، عزین کو دیکھ کر کچھ اور محسوس ہوتا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بلا کا پرکشش اور خوبصورت نوجوان تھا پھر اس کا اسٹائل اور ایٹی ٹیوڈ سب چیزیں اس کی پرسنالٹی کا پلس پوائنٹ تھیں جو پہلے اتنی محسوس نہیں ہوئیں، جتنی اس

کے اندر کی تبدیلی نے کروائیں تھیں، اب اس کا ہونا نہ ہونا پتا چلتا تھا، اس کے لئے کچھ بنانا اچھا لگنے لگا تھا، جذبات میں آئی تبدیلی کا اس نے ابھی کسی کو بھی سراغ نہیں لگنے دیا تھا، مائدہ کو بھی نہیں جسے وہ کبھی چھینک بھی آتی تو سب سے پہلے بتاتی تھی پر پتا نہیں کیا بات تھی کہ وہ اسے کچھ بھی نہیں بتا پائی تھی، نہ ہی مائدہ کو کچھ پتا چلا تھا، اس کا مطلب تھا کہ آبگین کو اپنے جذبات پر کنٹرول پانا آتا جا رہا تھا، اس دن وہ اسائنمنٹ [...] کے لئے مائدہ کے پاس آئی ہوئی تھی، دونوں بہت [...] سے مصروف تھیں، مونسہ خالہ چائے لے آئیں۔

''بس کر دو، اب تھوڑی سی بریک لے لو۔''

''جی خالہ بس اب بریک ہی بریک ہے۔''

دونوں چائے بسکٹ اور اسنیکس پر ٹوٹ پڑیں۔

''توبہ اتنی بھوک لگی تھی تو مجھے کہہ دیا ہوتا کچھ اور بنا لاتی۔'' خالہ نے تاسف سے انہیں یوں کھاتے دیکھا تو کہے بغیر رہ نہ پائیں۔

''نہیں خالہ اب ایسی بھی بات نہیں، یہ تو آپ لے آئیں تو ہم نے کھا پی لیا۔'' آبگین ہنسی۔

''آبی اب چلی مت جانا، میں نے بریانی کا مصالحہ تیار کر لیا بلکہ کر کے رکھ دیا تھا، اب بس چاول بوائل کر کے دم لگانا ہے، کھا کر جانا۔'' مائدہ نے اسے خبردار کیا تھا۔

''جلدی بنا لو تو ٹھیک ہے ورنہ میری کلاس لگ جائے گی، مجھے ملائی کوفتے بنانے ہیں، دیر ہو گئی تو ممی کو بولنے کا موقع مل جائے گا، ہر مشکل ڈش مجھے سیکھنی ہے ہر حال میں۔''

''ماں ہیں، تمہارے ہی بھلے کے لئے کہتی ہیں، آج سیکھو گی کل کام آئے گا۔'' خالہ نے رسان سے کہا۔

''وہ تو ہیں مگر اب اگر میں لیٹ ہو گئی تو ممی سمجھیں گی میں جان چھڑانے کے لئے جان بوجھ کر یہاں رک گئی ہوں۔'' اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''تم فکر نہیں کرو میں فٹافٹ بریانی ڈن کر لی ہوں۔'' مائدہ برتن اٹھا کر کچن میں گئی تو وہ بھی پیچھے ہی آ گئی۔

''مجھے دو سلاد کا سامان، میں سلاد کاٹ دوں۔'' وہ تیزی سے سلاد کاٹنے لگی، جبکہ مائدہ چاولوں کے لئے پانی چڑھا کر خود رائتہ بنانے لگی، جب تک پانی گرم ہوا اس میں چاول ڈالے، تب تک دونوں چیزیں تیار ہو گئیں، آبگین نے لگے ہاتھوں برتن دھو ڈالے۔

''[...] ہٹو، میں یہ چاول ڈرین کر لوں۔'' مائدہ نے [...] سنک میں رکھے اور چاولوں کا دیچکا جیسے ہی اٹھا [...] وہ جانے کیسے ہاتھوں سے پھسلا اور کتنا ہی گرم پانی اور چاول مائدہ کے پیروں پر گرے تھے، پورا کچن مائدہ کی چیخوں سے گونج اٹھا تھا، چیختے ہوئے بھی اس نے پتیلا بے اختیار سنک میں پھینکا تھا ورنہ شاید مزید جل جاتی، اس سے بھی زیادہ چیختی اور روتی آبگین اور حواس باختہ خالہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھیں، چھوٹا مشہور بھاگ کر انسہ کو بلا لایا تھا، مائدہ کی حالت دیکھتے ہوئے آبگین نے تابش اور سعید خالو کو بھی فون کر دیا تھا، اسے ہاسپٹل لے جایا گیا، فوری ٹریٹمنٹ کی گئی، اس کے دونوں پیروں کھال اتر گئی تھی، اس کے پیروں اور پنڈلیوں کی ڈریسنگ کر کے اسے ڈرپ لگا دی گئی، پین کلرز کی وجہ سے اسے کچھ سکون ملا تھا، ورنہ اتنی دیر میں وہ جلن و اذیت سے نڈھال ہو چکی تھی، آبگین نے رو رو کر اپنی آنکھیں سجا لی تھیں، مونسہ خود رو رہی تھیں، بیٹی کی تکلیف نے انہیں نچوڑ کر رکھ دیا تھا، تابش اور انسہ انہیں

[...]ں دیتے رہے، رات تک وہ سب چلے گئے، [...] آبگین اور رامش ہی مائدہ کے پاس رکے [...] عشاء کے بعد کہیں نگین آئی تھی۔

''اف میری بہن، میری گڑیا، یہ کیا ہو گیا، [...] تکلیف سے گزری ہو تم، یا اللہ توبہ۔''

''بڑی جلدی اطلاع ہو گئی آپ کو۔'' [...]ن نے طنز کیا۔

''میں آنٹی کے ساتھ مسز حشمت کے گھر [...] بہو کی عیادت کو گئی ہوئی تھی، فون پرس میں [...] رہ گیا، گھر آ کر دیکھا تو اتنی کالز اور اتنے میسجز [...]ری تو حالت بری ہو گئی، جیسی تھی، ویسی ہی [...] آ گئی۔''

[...] سچ کہہ رہی تھی، کیونکہ اس نے لان کی [...] سوٹ پہن رکھا تھا، گلے میں گولڈ کا نیکلس [...]نوں میں میچنگ بندے، ایک کلائی میں [...]یٹ اور دوسری میں دو کنگن، انگلیوں میں [...]ں اور چہرے پر ہلکا سا میک اپ، پوری [...] رہی تھی، آبگین کی [...] تھی، تھوڑی سی سجتی [...]ی تو کچھ کی کچھ لگنے لگتی تھی، [...] تو وہ بس [...]ے بدل کر بال بنا کر آ جاتی تھی، [...] اتنا تیار [...] زحمت کون کرے، بچے دونوں [...] پاس چھوڑ کر روحیل کے ساتھ آئی تھی، [...]سارا فروٹ اور جوس لے کر، کچھ دیر بیٹھ کر [...] گئی، مائدہ کو [...] مونسہ بھی سو گئیں اور [...] اور رامش جاگتے رہے پھر آدھی رات کو [...]ی آنکھ کھلی تو انہوں نے ڈپٹ کر ان دونوں [...]یا تھا۔

☆☆☆

[...] وہ تیسرا دن تھا مائدہ کو ہاسپٹلائزڈ ہوئے، [...] دوسرے دن گھر چلی گئی تھی، اب آئی تو [...]ے کے لئے اچھا سا ناشتہ تیار کر کے لائی تھی، [...]ئدہ بہت بہتر تھی، اسے دیکھ کر مسکرائی تو آبگین کو اس پر اور پیار آیا تھا۔

''اوہ کون آیا تھا اتنے گفٹس لے کر۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے گفٹس اور بکے دیکھ کر آنکھیں مٹکائیں تھیں، مائدہ کھلکھلائی۔

''تابش اور عزین لے کر آئے تھے۔''

''یہ سب وہ دونوں لائے ہیں۔'' آبگین نے آنکھیں پھاڑیں، مائدہ ہنس دی۔

''ہاں۔''

''بس پھر تو سمجھو لات ہی مار دی بے چارے حاتم طائی کی قبر کو۔'' اس نے ہاتھ جھاڑے۔

''تابش تو یہ فروٹ وغیرہ لے کر آیا ہے، یہ بکے اور گفٹ عزین لایا ہے۔'' مائدہ کی بات پر اس کے مسکراتے ہونٹ سکڑ گئے تھے، پتا نہیں کیوں؟ اس نے بکے اٹھایا (Get well soon) کا چھوٹا سا کارڈ اٹیچ تھا اور گفٹ؟ اس نے پیکٹ اٹھا کر مائدہ کو دیکھا۔

''دیکھ سکتی ہوں؟''

''Suer پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟''

آبگین نے کھولا تو مستنصر حسین تارڑ کی کتاب ''راکھ'' تھی اور ساتھ ایک پرفیوم تھا۔

''چلو خوشبو لگا کر اتنے بڑے مصنف کی کتابیں پڑھو اور ٹائم پاس کرو، ہاسپٹل میں ٹائم پاس [...] سب سے بڑا مسئلہ ہے اور کچھ کہا نہیں تم [...]'' اس نے گفٹ پیک واپس رکھ دیا۔

''ہاں کہہ رہے تھے کہ بس اب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، آپ کے بنائے ہوئے کھانے مس کر رہا ہوں، اسپیشلی پاستا تو آپ بالکل میری ماما جیسا بناتی ہیں۔'' مائدہ نے بتایا۔

''مرد کے دل میں اترنے کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔'' ممی کا کبھی کا کہا ہوا جملہ

آبگینے کے ذہن میں گونجا تھا۔

''مائدہ کے مزے مزے کے کھانے اسے متاثر کر ہی گئے۔'' اس کے احساسات کچھ عجیب سے ہو رہے تھے، وہ کیا فیل کر رہی تھی جیلسی؟ مگر کس سے؟ مائدہ سے؟ اوہ نو، وہ تو یہ تصور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر کبھی کبھی انسان اپنے ہی محسوسات کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے، اس نے سر جھٹک کر ان فضول سوچوں کو بھی جھٹکنا چاہا مگر یہ ممکن نہیں ہو پایا تھا۔

''کیا ہوا آپی! کیا سوچ رہی ہو، تمہارا اپھرا کیسا ہو رہا ہے۔''

''ہوں۔'' وہ چونکی۔

''کچھ نہیں ایسے ہی، آج اریشہ کا فون آیا تھا کہہ رہی تھی ایسے زبردست لیکچرز دیئے ہیں پروفیسرز نے اور تم دونوں ہی نہیں آ رہی ہو، میں سوچ رہی ہوں، کل جا کر نوٹس لے آؤں۔'' اس نے بات کا رخ ہی بدل دیا۔

''ہاں بالکل تم ہو آؤ، مجھے خود بھی فکر ہو رہی ہے۔''

''ہاں کل انشاء اللہ جاؤں گی، بس اب تم بھی جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، پھر سے اپنی روٹین کی زندگی میں آ جائیں۔''

''انشاء اللہ۔'' مائدہ نے جذب سے کہا تھا۔

☆☆☆

انسہ اور حسن کے چار بچے تھے، نگین، تابش، رامش اور سب سے چھوٹی نگین، چاروں ہی بہت پیارے تھے مگر آبگینے تو کوئی ماورائی روپ لے کر پیدا ہوئی تھی، چھوٹی سی تھی تو سب ہی اسے اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے، راہ چلتے بھی رک کر پیار کرتے اسے پیار لینے اور لاڈ اٹھوانے کی پختہ عادت پڑ گئی تھی جو بڑے ہونے پر بے نیازی میں بدل گئی تھی، مونسہ کے تین [illegible] تھے بڑا مسعود، مائدہ اور مشہور، مسعود حال ہی [illegible] ڈاکٹر بن کر اسپیشلائزیشن کے لئے امریکہ گیا تھا، گھر میں مائدہ اور مشہود ہی ہوتے تھے، دونوں بہنوں نے بچوں کی بہت اچھی تربیت کی تھی، اور [illegible] کے کاموں کے لئے ملازمین ہونے کے باوجود گھر کے کاموں خصوصاً کچن کے امور کے [illegible] ماہر کر دیا تھا۔

''بیٹیاں تو بادشاہوں کی بھی بیاہی جاتی [illegible] اور ''بیٹیوں کے نصیب کسی نے نہیں دیکھے'' [illegible] گھسے پٹے محاورے تو انہیں ہر آن یاد رہتے [illegible] اس سلسلے میں کہیں کوئی کمی نہیں رہنے [illegible] چاہتی تھیں۔

مونسہ نے مائدہ کو سلائی سینٹر بھیج کر سلائی بھی باقاعدہ سکھائی تھی، آبگینے نے اس عرصے میں کمپیوٹر کورس کر لیا تھا اس کا دماغ دوسری طرف چلتا تھا اور کچھ عرصہ پہلے تک انسہ خوش تھیں کہ وہ زمانے کے ساتھ چل رہی ہے کچھ بن رہی ہے جو اس زمانے کے تقاضے ہیں مگر [illegible] سے ان کی جٹھانی نے بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا کہ ''آبگینے بھی تمہاری طرح اچھے اچھے کھانے بنا لیتی ہے نا؟''

انسہ کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''اچھے اچھے کھانے؟'' وہ تو جیسے تیسے [illegible] نہیں بنا سکتی تھی، بنانا چاہتی ہی نہیں تھی، وہ تو [illegible] کے اندر جانے کے لئے تیار نہیں تھی تو چولہے آگے کھڑا ہونا تو ناممکن، اب انہیں اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اسے [illegible] دے کر انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے، شروع سے کام کی عادت ڈالی جائے تو ہی وقت ساتھ لڑکیاں سب سیکھتی چلی جاتی ہیں ورنہ [illegible] ایک دم کام کروانا بڑا مشکل ثابت ہوتا ہے،

ان کے لئے آبگینے کو کچن میں لانا اور کھانا پکانا سکھانا ایک ایسا کڑا مرحلہ ثابت ہوا تھا کہ انہیں دانتوں تلے پسینہ آ گیا تھا، آبگینے تو ابھی کالج میں ہی آئی تھی تو اس کے لئے پرپوزل آنے لگ گئے تھے، مگر انہوں نے درخور اعتناء نہ جانا مگر اب تو پرپوزل ہی بڑا شاندار تھا، ان کے جیٹھ کا بیٹا عزین، دو ہی بھائی تھے وہ، بڑا عزین، چھوٹا فردین، عزین انجینئر بن چکا تھا، جبکہ فردین کمپیوٹر انجینئر بن رہا تھا، اس کا یہ آخری سال تھا سو وہ اب سب کچھ وائنڈ اپ کر کے پاکستان آنا چاہ رہے تھے، اسی لئے عزین کو بھیجا گیا تھا کہ وہ ان کی آمد تک گھر اور بزنس کو اسٹیبلش کر لے، ساتھ ہی آبگینے کو وہ اور آبگینے اسے دیکھ لے، نیا زمانہ تھا، نئی ترجیحات تھیں، بچے اپنی مرضی سے شادی کر لیں تو بہتر ورنہ بعد میں اتنے مسائل سے نمٹنا والدین کے لئے بھی ایک مصیبت، پہلے والدین میں بھی بڑا حوصلہ اور ہمت ہوتی تھی، ڈھیروں مسائل سے ایک ساتھ نبرد آزما ہو کر یوں ان کا حل نکالتے تھے کہ سب کو ایک ساتھ مطمئن کر لیتے تھے، اب آج کے زمانے کے والدین میں بھی برداشت کی کمی ہو گئی ہے، وہ بھی [illegible] کر چڑ کر سارا ملبہ اولاد پر ڈال دیتے ہیں کہ تم [illegible] سے [illegible] معاملات سنبھالے نہیں گئے، سو اب شادی شدہ بچوں کا والدین سے الگ رہنا اور طلاق کی شرح کا بڑھنا انہی وجوہات کے باعث تھا، سو عزین کے والدین نے تو اپنے بچوں کی پسند ناپسند کو اپنانے کا تہیہ کر رکھا تھا، عزین کا اتنا عرصہ پہلے پاکستان جانا اسی کا [illegible] مونسہ کی پوری کوشش تھی کہ آبگینے، عزین کی، [illegible] کی پسند پر پوری اتر آئے تو انہیں باہر کے رشتوں پر سر نہ کھپانا پڑے، خاندان کا ہی اتنا قابل لڑکا داماد بن جائے، اب آگے نصیب۔

☆☆☆

''اب آپ جلد از جلد ری کور کر لیں اور اچھے اچھے کھانے بنائیں ورنہ آج کل تو ہم تجربات کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں۔''

عزین کی شوخ آواز باہر تک آئی تھی، آبگینے جو مائدہ کے لئے نوٹس لے کر آئی تھی، ٹھٹک کر وہیں رک گئی تھی۔

''تجربات، کیسے تجربات؟'' مائدہ حیران تھی۔

''آپ کی کزن کے پکائے ہوئے نت نئے کھانوں کے تجربات۔'' عزین کا لہجہ ہنوز وہی تھا۔

''مجھے تو اب چولہے کے پاس جانے کا سوچ کر خوف آنے لگتا ہے۔'' مائدہ نے جھرجھری لی تھی۔

''نہیں پلیز، ایسا مت کہیں ورنہ؟''

''ورنہ؟'' مائدہ کی آواز میں حیرت تھی۔

''ورنہ ایک مظلوم کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''میرے کچن میں نہ جانے سے۔'' مائدہ بے چاری تو حیرت سے مرنے والی ہو گئی۔

''جی ہاں آپ کے کچن میں نہ جانے سے، کچھ نہ پکانے سے اور نت نئی ڈشز بنا بنا کر اس طرف نہ لانے سے۔'' عزین کی آواز میں بھرپور شرارت تھی، آبگینے کے قدم من من بھر کے ہو گئے، اٹھانے مشکل، دل جیسے کہیں نیچے گہرائی میں جا رہا تھا تو اس کا مطلب تھا وہ مائدہ کے مزے دار کھانوں کا اسیر ہو گیا تھا، بلکہ مائدہ کا اسیر ہو گیا تھا، وہ جو اپنی آنکھوں میں اس کے متعلق خواب سجانے لگی تھی، انہیں اپنی آنکھوں سے نوچ دینا چاہیے، وہ جو اس کے لئے اتنے مشکل مشکل کھانے بنانا سیکھ رہی تھی، وہ ان کا مذاق اڑا رہا تھا، جو آج اس کے بنائے ہوئے

کھانوں کا مضحکہ اڑا رہا تھا اس سے کیا امید تھی، وہ اور کیسا کیسا رویہ اپنا سکتا تھا اس کی تضحیک کے لئے، جن کے لئے کچھ اچھے جذبات رکھے جائیں ان کا احترام اور عزت کی جاتی ہے نہ کہ بیٹھ پیچھے اس کا مذاق بنایا جائے، اب یہاں تک آ کر وہ واپس تو نہیں جا سکتی تھی سو مجبوراً دروازے پر دستک دی تھی۔

''لیں۔'' مائدہ کی آواز پر وہ اندر آ گئی، وہاں مائدہ اور عزین کے علاوہ مشہود بھی موجود تھا۔

''آؤ آپی، یہاں آ جاؤ۔'' مائدہ اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح کھل اٹھی تھی، کھسک کر اپنے پاس اس کے لئے جگہ بنائی، وہ پائینتی کی طرف بہت ہی تکلف سے ٹک گئی تھی۔

''یہاں آؤ نا، ٹھیک سے بیٹھو۔'' مائدہ نے اپنے برابر جگہ تھپتھپائی۔

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں، یہ نوٹس دینے آئی تھی۔'' اس نے فولڈر مائدہ کی طرف بڑھایا، لہجہ اتنا سپاٹ کہ مائدہ تو مائدہ، عزین اور مشہود نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''کیا ہوا آپی، ایسی کیوں ہو رہی ہو تم؟''

''کیسی ہو رہی ہوں؟'' الٹا اس نے سوال کیا تھا، کچھ لمحوں کے لئے تو مائدہ کو سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ کیا بولے۔

''بے زار سی لگ رہی ہو نا۔''

''ہاں یونہی۔'' وہ اکتاہٹ سے کہتی اٹھ گئی تھی۔

''بیٹھو نا آپی، کیا ہو گیا ہے یار، رکو نا۔'' مائدہ اسے روکنے کی کوشش ہی کرتی رہ گئی تھی اور وہ چلی بھی گئی، اتنے میں مونسہ فروٹ چاٹ بنا کر اندر آئیں۔

''ہیں یہ آپی کہاں گئی؟'' انہوں نے حیرت سے کمرے میں نظر دوڑائی۔

''میرے سامنے آئی تھی۔''

''آئی تو تھی مگر بہت چپ چپ تھی، بس یہ نوٹس دیتے ہی واپس چلی گئی، کچھ ہوا ہے ممی، مجھے لگتا ہے کوئی بات ہوئی ہے اس کے ساتھ۔'' مائدہ شدید پریشان ہو گئی تھی، مونسہ نے اسے تسلی دی۔

''تم بھی ٹھیک نہیں ہو تو اکیلی پڑ گئی ہے، میں دیکھتی ہوں اسے، ایسا کیا ہو گیا۔''

''نہیں ممی ابھی چھوڑ دیں، میں کل خود اس کے پاس جاؤں گی۔'' مائدہ نے انہیں منع کیا مگر خود وہ بہت الجھ گئی تھی۔

☆☆☆

''یہ رہا تمہارا مطلوبہ سامان۔'' انسہ نے لزانیہ سے متعلق ہر چیز اس کے سامنے رکھی تھی۔

''ریسپی تو یاد ہے نا؟''

''یاد تو ہے مگر پھر بھی پہلی بار بنا رہی ہوں تو کانشس ہو رہی ہوں۔'' وہ قیمے کو پین میں ڈال رہی تھی۔

''تو مائدہ کو فون کر کے ساتھ ساتھ پوچھتی جاؤ، وہ تو بہترین لزانیہ بناتی ہے۔''

''اس سے بہتر نہیں میں نیٹ سے دیکھتی جاؤں، ساتھ ساتھ بتاتے بھی ہیں اور بناتے بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر دکھاتے بھی ہیں۔'' وہ اپنا فون لینے کے لئے کچن سے اپنے کمرے میں چلی گئی مگر انسہ تو کچھ دیر کے لئے بت ہی بن گئی تھیں، ہر ہر بات میں مائدہ کا منہ دیکھنے والی، اس سے مشورہ لینے والی کو، یہ کیا ہوا اتنا اچانک کہ وہ برابر میں موجود مائدہ سے مدد لینے کے بجائے نیٹ سے مدد لینے لگی تھی، وہ اپنا فون اٹھا لائی اور اس میں سے دیکھتے ہوئے آمیزہ تیار کیا پھر لزانیہ شیلٹس کو بوائل کر کے بیکنگ ٹرے میں

بچھا کر ان پر آمیزہ اور چیز ڈالی، تہہ در تہہ، بہت شاندار لک دیتا لزانیہ اوون میں جا چکا تھا، اب وہ سوپ بنا رہی تھی، کیونکہ موسم ٹھنڈا ہوتا جا رہا تھا اور وہ اس کی مناسبت سے اسے چیزیں بنانا سکھا رہی تھیں، رات کو کھانے پر سب موجود تھے، رامش نے آنکھیں پھاڑیں۔

''واؤ مائے ہارٹ فیورٹ۔'' لزانیہ میں تو رامش کی جان تھی، آبگین فخر سے مسکرائی تھی۔

''ابھی کھا کر بتانا کیسا بنا ہے؟''

''تم نے بنایا ہے، اوہ نو۔'' رامش نے پہلے سے زیادہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا، تابش بھی ڈھیلا پڑ گیا تھا، انسہ نے غصے سے ان دونوں کو گھورا۔

''کھا کر تو دیکھو، پہلے سے ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''میں تو سمجھا تھا مائدہ نے بنا کر بھیجا ہے۔'' تابش کے کہنے پر آبگین کا ضبط جواب دے گیا۔

''مائدہ، مائدہ، مائدہ، اس کا نام سن سن کر کان پک گئے ہیں میرے، اس کے علاوہ کسی کو کچھ پکانا ہی نہیں آتا، سب پھوہڑ ہیں، بدسلیقہ ہیں، کچھ پکانا آتا ہے نہ بنانا، چاہے کتنی محنت سے کچھ بھی بناؤ، یہاں نام مائدہ کا ہی گونجنا ہے باقی سب فضول سب بکواس۔'' اس نے بھڑک کر ہاتھ میں پکڑا چمچ زور سے پلیٹ میں پٹخا تھا، اس کے اس شدید رد عمل نے سب کو ساکت کر دیا تھا، پاپا ہلکا سا کھنکارے تھے۔

''Actually مائدہ کے کھانوں کی سب کو کچھ عادت سی ہو گئی ہے ورنہ میری بیٹی نے سب اتنی محنت سے بنایا ہے تو یقیناً اچھا ہی ہو گا۔'' ان کے یقیناً کے پیچھے جو مشکوک سا لہجہ تھا وہ اسے مزید سلگا گیا۔

''نہیں کچھ بھی اچھا نہیں بنا، کوئی بھی کھانے کی زحمت نہ کرے۔'' وہ اٹھ کر برتن بھی اٹھا لیتی مگر انسہ نے ہنکارہ بھرا تھا۔

''ہوں ہوں۔'' وہ بڑے برے موڈ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''Lest check it۔'' عزین نے سب سے پہلے نزانیہ کا پیس نکالا تھا اور سچی بات تو یہ تھی کہ ڈرتے ڈرتے ہی منہ میں رکھا تھا مگر بلاشبہ بہت مزے کا تھا، اس کے تاثرات دیکھ کر تابش نے بھی ہمت کی، پھر رامش نے، پاپا سوپ لے چکے تھے، وہ بھی سوپ نکال کر بیٹھی تھی تو اب جیسے تیسے زہر مار بھی کر رہی تھی، ممی نے کہا تھا کہ صرف کام کر لینا ہی فن نہیں ہے، بلکہ کام کر لینے کے بعد خود اپنے آپ کو مین ٹین رکھنا کسی بھی عورت کے فن کی معراج ہے، سو وہ کچن کا سارا کام نمٹا کر نہا دھو کر اچھے سے ڈریس اپ ہو کر، پرفیوم، لوشن لگا کر ان سب کے ساتھ بیٹھی جس داد و تحسین کی منتظر تھی اس کے بجائے ان کے ریمارکس نے اس کا دل ہی توڑ دیا تھا۔

''یہ نو ڈاؤٹ مائدہ کے بنائے ہوئے لزانیہ سے بھی بہت delicious ہے۔'' عزین نے مسکرا کر تعریف کی، اس نے تیز نگاہ اس پر ڈالی۔

''ہونہہ، ابھی دو دن پہلے اس کے سامنے میرے پکائے ہوئے کھانوں کو experience کر رہا تھا۔''

''تم اسے کیوں اتنے برے طریقے سے گھور رہی ہو؟'' تابش کی نگاہ سے کب کچھ چھپ سکتا تھا۔

''میری مرضی، میں کسی کو پیار سے دیکھوں یا گھور کر۔'' مارے غصے کے کچھ کا کچھ بول گئی، عزین کو بڑی مشکل پیش آئی تھی بے ساختہ مچلتی مسکراہٹ کا گلا گھونٹتے ہوئے، انسہ کو البتہ صبر کی بہت بڑی سل رکھنی پڑی تھی، سینے پر، اب وہ کس

کس جگہ اسے ٹوکتیں، سو خاموشی ہی بہتر تھی۔
''پاپا مجھے ماسٹرز فائنل کرتے ہی جاب کرنی ہے، آخری سمسٹر چل رہا ہے ہمارا۔''
''اور یہ جو آپ کی ممی آپ کو شیف بنانے کے چکروں میں ہیں، اس کا کیا؟'' یعنی پاپا کو سب خبر تھی، اس نے سکون کی سانس لی۔
''بس اسی لئے، میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی تعلیم کو یوٹیلائز کروں ورنہ تو میری ساری Abilities کھانا بنانے کے چکر میں ہی waste ہو جائے گی، پھر فائدہ بھی کوئی نہیں، تعریف مائدہ ہی کی ہونی ہے تو بہتر ہے مائدہ سے ہی کھانا بلوا لیا جائے، وہ خوشی خوشی بنا بھی دے گی، میں جاب کروں گی۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اعلان کیا تھا۔
''وہ کیوں ہمارا کھانا بنائے گی، فالتو ہے کیا؟'' تابش نے بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈالا تھا۔
''نہیں وہ کیوں فالتو ہونے لگی، فالتو تو میں ہوں جو آپ کے لئے سب کچھ کروں اور criticixe بھی کی جاؤں۔'' اس کی آنکھوں میں پانی تیر گیا، تابش تو تڑپ ہی گیا۔
''میری بہن کیوں فالتو ہونے لگی، اتنی محنت سے اتنے پیارے کھانے بنائے ہیں، ہم تو بس چھیڑ رہے تھے تمہیں۔'' وہ پاس آ کر اس کا سر چوم کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔
''چلو تم بھی کھاؤ۔'' اس نے لزانیہ کا چھوٹا سا پیس کانٹے میں پرو کر اس کے منہ میں رکھا، وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی تھی، دھوپ میں بارش کا سماں تھا اس کی یہ بھیگی بھیگی مسکراہٹ، پاپا شفقت سے مسکرائے۔
''بہت اچھا لزانیہ اور سوپ تیار کیا ہے میری بیٹی نے، ویری ویل ڈن۔'' کھانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ تابش کے پاس چلی آئی، وہ کوئی کال کرنے کے لئے لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا، بات کرتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرایا، پھر فون بند کر کے اسے دیکھا تھا۔
''ہاں جی فرمایئے؟''
''بھائی میں چاہتی ہوں کہ آپ مائدہ سے شادی کر لیں۔'' اس کی غیر متوقع بات پر تابش کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔
''تمہارے چاہنے پر میں اس سے شادی کر لوں؟'' وہ جز بز ہو گئی۔
''نہیں میرا مطلب ہے آپ ممی سے کہہ کر اسے اپنے لئے ریزرو کروا لیں۔''
''کیوں کیا اس کی شادی کی بات کہیں اور چل رہی ہے یا اس کے پرپوزلز آئے ہوئے ہیں۔''
''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے مگر۔'' تابش نے بھنویں اچکائیں۔
''کیا مگر؟''
''مجھے لگتا ہے عزین اس میں انٹرسٹڈ ہے۔'' وہ جھجک کر بولی تھی اور تابش کچھ دیر کے لئے چپ رہ گیا تھا۔
''تمہیں صرف لگتا ہے یا واقعی ایسا ہے؟''
''لگتا ہے اور کسی وجہ سے ہی لگتا ہے نا، آپ پلیز ممی سے مائدہ کے لئے بات کریں نا۔''
''نہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں کہتا کھڑا ہو گیا۔
''یہ کوئی زور و زبردستی کے رشتے نہیں ہوتے، اگر عزین انٹرسٹڈ ہے اور وہ پرپوزل بھجوانا چاہے تو اسے یہ آزادی ہونی چاہیے، آگے مائدہ کی مرضی، وہ کیا کرتی ہے۔''
''ہونہہ، کیا کرتی ہے، فٹ ہاں کرے گی، اتنا اچھا رشتہ کون چھوڑتا ہے۔'' وہ تنفر سے بولی۔

''بس پھر تو کوئی پرابلم ہی نہیں ہے، تم کیوں بلاوجہ ٹینس ہو رہی ہو، Lets waitn see۔'' وہ بہت مطمئن تھا، آرام سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی کڑھتی رہی تھی۔

☆☆☆

اللہ اللہ کر کے عزین کو گھر مل ہی گیا، بہت اچھا بنا ہوا بنگلہ، جس کی تصویریں اس کے پیرنٹس نے بھی دیکھیں اور ہر طرح کی منظوری کے بعد خرید لیا گیا، اب کچھ ہی عرصے میں وہ سب آنے والے تھے، عزین خوش تھا تو تابش اور پاپا کو بھی سکون ملا تھا، بہت بھاگ دوڑ کرنی پڑی تھی انہیں، مائدہ بھی اب ٹھیک ہو چکی تھی، دونوں یونیورسٹی جا رہی تھیں، کبھی پوائنٹ سے، کبھی رکشے اور کبھی تابش کے ساتھ، اس دن صبح صبح تابش اور عزین دونوں کو دیکھ کر تو آبگین حیران ہی رہ گئی۔
''خیریت ہے اتنی صبح آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔''
''اسٹاف اپائنٹ کرنا بھی ایک دردسری ہے، اس کے لئے جلدی جا رہے ہیں۔'' تابش نے بےزاری سے جواب دیا، تابش کو تو صبح اٹھانا کبھی بھی پسند نہیں تھا، دوران تعلیم بھی بادل ناخواستہ ہی اٹھا کرتا تھا، اب یہ ریکارڈ کیسے خراب کرتا۔
''نیا کام جو بھی شروع کیا جائے، اس کے لئے سب کچھ نئے سرے سے کرنا، تھوڑا مشکل تو ہوتا ہے مگر آگے کے لئے آسانی بن جاتا ہے۔'' مائدہ نے بردباری سے کہا۔
''بہت شکریہ ان مفید معلومات کا۔'' تابش کے چڑنے پر مائدہ کو ہنسی آ گئی۔
''توبہ ہے تم سے۔'' صبح اٹھنے پر اتنا غصہ۔
''صرف اٹھنا نہیں ہے مغز بھی کھپانا ہے۔''
''جاب پر نہیں جاؤ گے؟''
''نہیں آج چھٹی کی ہے، ویسے بھی فرم کے معاملات کو سنبھالنا بہت ٹائم consuming ہے، اس لئے جاب تو چھوڑنی پڑے گی۔'' وہ سنجیدہ تھا۔
''وش یو آل دا بیسٹ۔'' مائدہ نے دعا دی، آبگین نے زیر لب آمین کہا تھا، وہ انہیں یونی ڈراپ کر کے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

پولیٹیکل سائنس کے نوٹس میں کچھ چیزیں درکار تھیں تو آپی لیپ ٹاپ سے نیٹ آن کر کے وہ سرچ کر رہی تھی، انسہ نے اسے آواز دی کہ وہ مونسہ کی طرف جا رہی ہیں تو وہ کچھ دیر کے لئے لاؤنج میں بیٹھ جائے۔
وہ اپنا لیپ ٹاپ اور کچھ سامان اٹھا کر لاؤنج میں فلور کشن پر بیٹھ گئی، اپنے کام میں ایسی منہمک ہوئی کہ ٹائم کا کچھ ہوش ہی نہیں رہا، وہ تو عزین اور تابش آئے تو اسے اندازہ ہوا کہ مغرب گزر چکی ہے، نماز وہ باقاعدگی سے نہیں پڑھتی تھی مگر عصر اور مغرب بہت خشوع خضوع سے پڑھتی تھی پر آج وہ بھی قضا ہو گئی۔
''اور تو سب ٹھیک چل رہا ہے مگر آرکیٹیکچر کا مسئلہ ہے وہ نہیں ملا۔'' عزین نے کہا۔
''یار وہ شعیب لایا تو تھا اس دن، وہ کیا نام تھا؟'' تابش نے ذہن پر زور دیا۔
''ہاں عرصم......وہ۔''
''نہیں وہ ابھی مکمل آرکیٹیکچر نہیں بنا ابھی اس کا فائنل ائیر چل رہا ہے، وہ خود ہم سے تجربہ لینا چاہ رہا ہے، ہم سب کچھ نیا شروع کر رہے ہیں تو بندے تو تھوڑے سے ایکسپرینسڈ (experienced) ہوں۔''
''ٹیپیکلی سوچ۔'' آبگین کہے بغیر نہیں رہ

سکی۔

’’چلو Typically ہی سہی مگر میں بالکل یہ چاہ رہا ہوں کہ انٹریئر ڈیزائنر اور آرکیٹکچر experienced architectur ہوں، سب کے نئے ہونے سے کام نہیں چلے گا، لگتا ہے اشتہار دینا پڑے گا۔‘‘

’’میں ایک بندے کو جانتی ہوں میری دوست اریشہ کا بھائی ہے اریش، وہ بھی آرکیٹکچر ہے۔‘‘

’’اریشہ کا بھائی اریش؟‘‘ عزین نے تابش کو دیکھ کر بھنویں اچکائیں، اس نے کندھے اچکائے۔

’’آج کل کے پیرنٹس کے نئے نئے شوق۔‘‘

’’آج کل کے پیرنٹس کے آپ جتنے شوق۔‘‘ وہ بھنائی۔

’’آپ کے ہم عمر ہیں اریش بھائی، اوکے، آپ کو شاید ان کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ وہ اٹھنے لگی، تابش نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

’’پلیز بتاؤ نا؟‘‘

’’اریش بھائی دو سال سے ایک فرم میں جاب کر رہے ہیں اور کم سیلری کی وجہ سے ناخوش ہیں، وہ کوئی دوسری جاب ڈھونڈ رہے ہیں، آپ ان سے مل لیں، ہوسکتا ہے آپ کا مسئلہ حل ہو جائے۔‘‘

’’ہاں، میں جانتا ہوں، وہ بہت اچھا ہے اور ہماری ریکوائرمنٹ کے عین مطابق بھی مگر مسئلہ تو سیلری کا ہی ہے نا، وہ تو ہم بھی زیادہ نہیں دے پائیں گے، ہمارا بھی تو اسٹارٹ ہے نا، سب کچھ اسٹبلش کرنا، نیا اسٹاف رکھنا، چھوٹے موٹے دیگر اخراجات کے ساتھ employes کو سیلری دینا، یہ سب کرتے ہوئے اچھی سیلری کا تو ہم بھی وعدہ نہیں کر سکتے۔‘‘ تابش نے آبگین کو دیکھ کر بے بسی سے ہاتھ پھیلائے تھے، یہ تو آبگین بھی سمجھتی تھی کہ وہ سیلری کی وجہ سے ہی کچھ پریشان تھے ورنہ آرکیٹکچرز کی کیا کمی تھی کراچی میں، اس نے تفہیمی سر ہلایا۔

’’اوکے، میں اریشہ سے بات کرتی ہوں، وہ اریش بھائی سے بات کرے، بہتر ہوگا وہ آپ سے مل لیں، ویسے وہ مان جائیں گے، مجھے یہی لگتا ہے۔‘‘

’’ایسا ہو گا تو بہت اچھا ہوگا، تو واقعی اریش بہت اچھا ہے، پرفیکٹ آرکیٹکچر میں سے اس کا کام بہت اچھا ہے، بہت اعلیٰ۔‘‘

’’پھر تو تمہیں فوراً اس سے بات کرنی چاہیے، ہمارا مین main مسئلہ تو بیٹھے بٹھائے حل ہوگیا۔‘‘ عزین نے لمبی سانس لے کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور خود کو ریلیکس کیا تھا۔

’’بیٹھے، بٹھائے۔‘‘ آبگین نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جتانے والے انداز میں تابش کو دیکھا۔

’’اوہ نو، سوری، سوری آپ کی مہربانی ہے۔‘‘ عزین نے فوراً تصحیح کی تھی۔

’’خیر ویسے ابھی حل تو نہیں ہوا، ابھی تو ان سے بات ہو گی پھر دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔‘‘

’’مان جائے گا وہ، انشاء اللہ۔‘‘ تابش کو تسلی تھی۔

’’میری بہن، پیاری سی بہن بہت کام کی لڑکی ہے، آج یہ ثابت ہوگیا، ساری ٹینشن ہی ختم کر دی اس نے۔‘‘

’’نہیں، میں کب سے ہونے لگی کام کی لڑکی، کام کی لڑکی تو مائدہ ہے جو ہر کام میں پرفیکٹ ہے۔‘‘ وہ طنزیہ بولی، تابش نے اوہ کہتے ہوئے آنکھیں چاروں طرف گھمائیں۔

’’جیلسی؟‘‘

’’جیلسی؟ مائی فٹ، میں نے جسٹ مینشن کیا ہے، ورنہ مجھے ان تعریفوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہونہہ ٹیپکل پاکستانی بلکہ مشرقی مرد جنہیں ہر وقت کچن میں گھسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں جو گرمی، سردی کا احساس کیے بغیر ان کے لئے گھنٹوں کے حساب سے چولہے کے آگے کھڑی ہو کر لوازمات تیار کریں۔‘‘ وہ تو بھری بیٹھی تھی، فقط چھیڑنے پر پھٹ پڑی، عزین کو اپنی مچلتی مسکراہٹ چھپانے کے لئے مسلسل نیچے دیکھنا پڑ رہا تھا۔

’’تو پھر کیسی لڑکیاں اچھی لگنی چاہیں؟‘‘ تابش نے کہنی میز پر ٹکائی اور ہاتھ کی مٹھی بنا کر اس ٹھوڑی رکھ کر بڑی فکر مندی سے رائے طلب کی، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اس کی بات کو لے کر کتنا سیریس ہے۔

’’دنیا کی عورتوں کو دیکھیں سائنس اور ٹیکنالوجی میں کتنا آگے بڑھ چکی ہیں اور جاب کر کر کے اپنے شوہروں کا ہاتھ بٹاتی ہیں، ہمارے ہاں بھی ٹرینڈ چینج ہو جانا چاہیے۔‘‘

’’اور دونوں تھکے ہارے گھر آ کر کیا کرتے ہوں گے، میرا مطلب ہے کھانے وغیرہ کا کیا کرتے ہوں گے؟‘‘

’’حد ہو گئی، کھانا تو ریسٹورنٹ سے بھی لایا جاسکتا ہے میڈ رکھ سکتا ہے بندہ۔‘‘

’’اس طرح تو جیسے تیسے وہ کمائیں گے، وہ انہی میں خرچ ہو جائیں گے، مثلاً باہر سے کھانا لانا، میڈ رکھنا تو پھر کیا ضرورت ہے اتنا تھکنے کی، اس سے یہی ٹرینڈ بہتر نہیں کہ لڑکیاں گھر کے کام کریں اور لڑکے جاب کریں، جیسے چل رہا ہے ویسے چلنے دیں۔‘‘

’’یہ بھی ہوسکتا ہے نا کہ آدھا کام نمٹا کر جاب پر جائیں اور آدھا گھر واپس آ کر کریں۔‘‘ ہر حل موجود تھا اس کے پاس پر آگے بھی تابش تھا۔

’’ایسی، اتنے کام کرنے والی کوئی لڑکی تمہاری نظر میں ہو تو مجھے ضرور بتانا، میں یقیناً کسی ایسی ہی انرجیٹک لڑکی سے شادی کرنا پسند کروں گا۔‘‘ عزین کو ہنسی روکنے میں اب بہت مشکل پیش آ رہی تھی۔

’’میں تو اپنی تعلیم کو یوں ضائع نہیں ہونے دوں گی۔‘‘ وہ عزم سے بولی۔

’’اچھا تو کیا کرو گی؟‘‘

’’میں سوشل ریسرچ آفیسر بن کر ملک کے لئے کام کروں گی اور......‘‘

’’اور اپنے لئے پیسہ اکٹھا کروں گی۔‘‘ تابش نے لقمہ دیا۔

’’اس میں برائی بھی کوئی نہیں، ہم کیا ہر وقت ہاتھ ہی پھیلائے رکھیں مردوں کے آگے۔‘‘

’’اب ہاتھ کوئی نہیں پھیلائیں محترمائیں، اب اکاؤنٹ کھلواتی ہیں اور اے ٹی ایم کارڈ استعمال کرتی ہیں۔‘‘

’’میرا خیال ہے ہم اریش سے بات کرنے کا پلان کر لیں کہ کب اور کہاں کرنی ہے؟‘‘ اب عزین کو مداخلت کرنی ہی پڑی تھی ورنہ یہ دونوں چپ ہونے والے نہیں لگتے تھے۔

☆☆☆

’’یہ ہے آبگین، اف انسہ، یہ ہیرا کہاں چھپایا ہوا تھا تم نے؟ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔‘‘ ثمینہ تو ریشہ خطمی ہو گئیں، آبگین ریڈ اور بلیک پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ وہ بے اختیار کھڑی ہو گئیں، اپنے ساتھ لپٹا کر بہت سا پیار کیا تھا اور اتنی دیر اس کی تعریف میں رطب اللسان رہی تھیں کہ انسہ تو خوشی سے کھل اٹھی تھیں، انسہ کی سخت ہدایات کے موجب

وہ بہت محتاط تھی، بڑی efficiency سے سارے کام کیے اور ٹیبل پر لپک لپک کر انہیں کھانے کی ڈش پکڑاتی رہی، ثمینہ تو ثمینہ، اس کے تایا اور فردین تک اس کے گرویدہ ہوگئے۔

''ماشاءاللہ جتنی دیکھنے میں خوبصورت ہے، اس سے بڑھ کر اخلاق و عادات میں، زبان تو لگتا ہے منہ میں ہے ہی نہیں۔''

''آ......'' عزین کے حلق سے تیز آواز نکلی اور سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''کیا ہوا عزین؟''

''کچھ نہیں، دانتوں میں زبان آ گئی تھی۔'' اس نے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا مگر اس کے ہونٹوں پر مچلتی مسکراہٹ اور آنکھوں کی شرارت، آبگین کو جھینپنے پر مجبور کر گئی تھی۔

☆☆☆

''کیا بنا رہی ہو؟'' تابش کچن میں آیا، جہاں مائدہ کریم، فروٹس اور ڈرائی فروٹس میں الجھی ہوئی تھی۔

''creamo۔'' وہ لپک کر بولی تھی۔

''چیک کراؤ، دیکھوں اتنے دن بعد کچھ بنایا ہے تو کیا حال کیا ہے بننے والی چیز کا؟'' وہ کرسی پر بیٹھ گیا، مائدہ نے مسکراتے ہوئے اسے کریمو پیش کیا تھا۔

''یہ صرف کریم کے ساتھ مکس کرنا پڑتا ہے، اسے کیا بنانا؟''

''چلو تمہارے ہاتھ تو لگے، اس میں لذت ویسے ہی بڑھ گئی ہوگی۔'' مائدہ نے ہنستے ہوئے ان کے بالوں کی لٹ کھینچی اور باہر جانے لگی کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا

''بیٹھو یہاں، میں تمہارے لئے آیا ہوں اور تم باہر جا رہی ہو۔'' اس نے ناراضی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا، مائدہ مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

''آپی نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں تم سے شادی کرلوں۔''

''اچھا صرف آپی کی فرمائش؟'' مائدہ نے اسے گھورنا چاہا مگر وہ اپنی بھوری مقناطیسی نظریں اسی پر جمائے ہوئے تھا، اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا، ایک تو یہ بہن بھائی خوبصورت بہت تھے پھر ادائیں کچھ اور قاتلانہ اس نے نظر چرا لی تھی۔

''آپی کا یہ بھی خیال ہے کہ عزین تمہیں پسند کرتا ہے۔'' تابش کی بات پر مائدہ کو کرنٹ لگا تھا۔

''کیا؟ کیا بکواس ہے یہ؟ اسے یہ غلط فہمی کیسے ہوئی؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''بدتمیز نہ ہو تو۔'' وہ خفا ہوئی۔

''اسی لئے تمہیں مشورہ دیا، تم مجھ سے شادی کرلو تو عزین فری ہو جائے۔''

''بڑی ذہین ہوگئی ہو۔'' تابش نے سراہا۔

''ماشاء اللہ۔'' مائدہ نے ایک بار پھر گھورنے کی ناکام کوشش کی تھی، وہ اور تابش کب سے ایک دوسرے سے محبت کر رہے تھے، یہ تو ان دونوں کو بھی نہیں معلوم تھا لیکن اس محبت میں کتنی شدت تھی، یہ ضرور معلوم تھا، یہ تو وہ مائدہ کے ماسٹرز کی تکمیل کے انتظار میں تھا ورنہ تو وہ ممی کو کب کا اپنے عزائم سے آگاہ کر چکا تھا اور انسہ تو خوشی سے نہال ہوگئیں تھیں۔

☆☆☆

''شکریہ آپ نے آنٹی کو میری بدتمیزیوں کا نہیں بتایا۔'' آبگین نے عزین کا شکریہ ادا کیا، اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا سر خم کیا۔

''اس پر کچھ اچھا سا کھانا نہ ہو جائے۔''

''اف پھر کھانا۔'' آبگین کا موڈ آف ہو گیا۔

''اچھے سے ریسٹورنٹ چلیں۔'' عزین کی آفر پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''کہیں مذاق تو نہیں کر رہا۔''

''اب دیکھیں نا اچھا کھانا تو اچھے ریسٹورنٹ میں ہی ملے گا نا۔'' اس کی بے یقینی دیکھ کر عزین کو شرارت سوجھی تھی۔

''نہیں، میرا مطلب ہے ہاں بالکل، تو پھر کیا کریں گھر پر ہی کھانے کا پروگرام رکھ لیں۔''

''ن......ن...... نہیں...... نہیں......
ریسٹورنٹ ہی چلتے ہیں۔'' اتنی مشکل سے تو کچن سے جان چھوٹ رہی تھی، اس کا دماغ خراب تھا کہ وہ منع کرتی، عزین ہنس پڑا تھا، آبگین نے خفگی سے دیکھا۔

''مائیں بچوں کی ہمیشہ ہنستے مسکرانے کی دعائیں مانگتی ہیں اور مجھے لگتا ہے میری ماں کی میرے لئے کی گئی ساری دعائیں قبول ہوگئی ہیں، آپ کے ساتھ میں ہمیشہ ہنستا مسکراتا ہی رہوں گا۔'' اس کے شرارت سے کہنے پر آبگین کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکان پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

ثمینہ نے اپنے نئے گھر میں میلاد اور قرآن خوانی کا اہتمام کیا تھا، وہ تو ظاہر ہے نئی تھیں تو رشتے داروں کے علاوہ باقی لوگوں کو انسہ نے ہی مدعو کیا تھا اور یہ پہلی بار ہوا تھا کہ انہوں نے آبگین کو اچھا سا تیار ہونے کے لئے کہا تھا، اس پر تو شادی مرگ طاری ہوگئی، انہوں نے اسے اجازت دی تھی کہ وہ اچھی طرح تیار ہو، تھوڑی دیر تو بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی پھر، بس پھر وہ مائدہ کو ساتھ لے کر بازار چلی گئی، خاص طور پر اچھا، بہترین سوٹ میچنگ جیولری وغیرہ خریدی

اور پہنچ گئی پارلر، بالوں میں اسٹریکنگ ڈلوائیں فیشل کروایا، فیس پالش کروائی، دوسرے دن جب وہ پستی اور میرون امتزاج کے خوبصورت سوٹ میں ملبوس، جیولری اور لائٹ سے میک اپ میں سامنے آئی تو انسہ نے باقاعدہ نظر بد سے بچنے کی کتنی ہی دعائیں پڑھ کر پھونک ڈالی تھیں، تابش اور رامش صبح سے وہاں گئے ہوئے تھے، وہ لوگ پاپا کے ساتھ وہاں پہنچی تھیں، انسہ، مونا، مائدہ اور آبگین، ہال میں چاندنیاں بچھا کر بڑا خوبصورت انتظام کیا تھا ثمینہ نے۔

"ارے میں نے کب کہا، یہ تو تابش اور عزین ہی لگے رہے۔" وہ آبگین پر سے صدقے واری ہونے کے بعد گویا ہوئیں، ابھی عورتوں کی آمد شروع نہیں ہوئی تھی، آبگین باہر کوریڈور میں آ گئی، دائیں سائیڈ سے آتی آوازوں پر متوجہ ہوئی۔

"محبت میں خوبصورتی وغیرہ ثانوی چیزیں ہیں، خوبصورتی پہلی نظر میں باندھ سکتی ہے مگر ہمیشہ کے لئے نہیں، اچھی صفات و عادات آپ کو، آپ کے دل کو کسی شخص کا سدا اسیر بنا سکتی ہیں، ان میں یہ قوت ہے۔"

یہ عزین تھا، آبگین نے پاؤں دبا کر اپنی آمد کو خفیہ رکھا اور قریب آ کر کان لگائے۔

"نو ڈاؤٹ، میں مانتا ہوں مگر یار پہلی نظر میں خوبصورتی بڑا امپریس کرتی ہے۔" تابش کی آواز میں شرارت تھی۔

"مجھے تو بہت ہی زیادہ کرتی ہے۔" فرین بھی موجود تھا۔

"پھر تو اب تک برا حال ہو چکا ہو گا۔" تابش کا اشارہ اس کے آسٹریلیا میں ملنے جلنے کی طرف تھا، سب ہنس پڑے تھے، آبگین کو کچھ سا احساس ہو رہا تھا، عزین کی باتوں نے اسے شاید ہرٹ کیا تھا، وہ جو اتنی دل لگا کر تیار ہوئی تھی تو دل میں غالباً یہ احساس بھی تھا کہ عزین اسے دیکھے اور دیکھتا ہی رہ جائے، تو اب یہ احساس بری طرح زخمی ہوا تھا، وہ پلٹ جاتی مگر یاد آیا کہ ممی نے کہا تھا تابش نظر آئے تو میرے پاس بھیجنا، وہ اندر چلی آئی۔

"السلام علیکم!" سب کی گردنیں ایک ساتھ گھومی تھیں، رامش اور فردین بیڈ پر بیٹھے تھے اور تابش سامنے صوفے پر، جبکہ عزین سائڈ ٹیبل کے پاس کھڑا تھا۔

"بھائی آپ کو ممی بلا رہی ہیں۔"

"کوئی مجھے یہ بتاؤ یہ اپسرا ہے کون؟" فردین دل پر ہاتھ رکھتا بیڈ پر لڑھک گیا اور دھم کر کے، رامش نے اس کی پشت پر مکا مارا تھا، تابش تیزی سے اٹھ کر باہر کی طرف بڑھا اور عزین جس نے ابھی کچھ دیر پہلے دعویٰ کیا تھا کہ خوبصورتی چند لمحوں کے لئے باندھ سکتی ہے اب گزرتے لمحات کا اعداد و شمار بھلائے اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا، اس نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا اور باہر چلی گئی، وہ یونہی پتھر بنا کھڑا تھا، رامش بھی بہن کے پیچھے چلا گیا تو فردین پاس آ کر شرارت سے کھنکارا تھا۔

"آپ ہی کی چیز ہیں، بعد میں دیکھتے رہیے گا، اچھی طرح سے، فی الحال باہر چلیں، سب آ چکے ہیں۔" عزین نے مسکراتے ہوئے اسے چپت لگائی۔

"ڈونٹ بی ویری فرینک۔"

"مجھے ڈر لگا کہ آپ یوں کھڑے کھڑے اسٹیچو ہی نہ بن جائیں اور ہماری بھابھی کی ساری محنت ضائع ہو جائے۔" عزین نے ہنستے ہوئے اسے باہر دھکیلا تھا۔

☆☆☆

ثمینہ باقاعدہ آبگین کا رشتہ مانگ چکی تھیں اور اب سب مہمانوں کے جانے کے بعد فرصت سے بیٹھیں منگنی کی تاریخ طے کر رہی تھیں، انسہ نے بتایا کہ وہ تابش اور مائدہ کی منگنی بھی ساتھ ہی کر دیں گی، مائدہ اور آبگین کو وہاں بیٹھنا مناسب نہیں لگا تو وہ دونوں اٹھ کر باہر آ گئیں، لاؤنج میں آئی ہی تھیں کہ عزین چلا آیا۔

"مائدہ پلیز ہم سب کو اچھی سی کافی پلا دیں، بہت ٹھنڈ ہو گئی ہے۔" مائدہ نے اسے گھورا۔

"آپ سیدھا سیدھا کہہ دیں کہ میں منظر سے غائب ہو جاؤں۔"

"یا اللہ!۔" عزین نے اوپر دیکھا۔

"سب کو ایک ساتھ ہی اتنی عقل آ گئی کہ کوئی بہانہ کارگر نہیں ہو رہا۔" مائدہ ہنستی ہوئی کچن میں چلی گئی، وہ شکر مناتا جلدی سے آبگین کے سامنے آ بیٹھا، مبادا کوئی اور آ ٹپکے۔

"بہت اچھی لگ رہی ہیں آپ۔"

"thank۔" روکھا سا جواب، وہ حیران ہوا۔

"کیا بات ہے موڈ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔" اس نے ان کے خوبصورت لاؤنج کی آرائش کو دیکھا۔

"یہ اتنا کچھ کیوں لگوایا آپ نے؟"

"یونہی، سجاوٹ و خوبصورتی کے لئے۔"

"کیوں آپ کو تو خوبصورتی انسپائر نہیں کرتی نا۔" عزین کے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"یہ آپ سے کس نے کہا، مجھے تو بلکہ خوبصورتی جکڑ لیتی ہے، کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتی؟" آبگین شپٹائی تو ضرور مگر اوپر سے بے پرواہ بنی رہی۔

"آپ کہاں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"جہاں اس وقت دیکھ رہا ہوں۔" عزین کی آواز بہت دھیمی ہو گئی تھی اور آبگین کے لئے اس کی طرف دیکھنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

"ایک حسین لڑکی، جو ایجوکیٹڈ بھی ہو اور سگھڑ بھی ہو ہی جائے اور سب سے بڑھ کر میری خاطر گھر داری سیکھے، اپنی دوست نما کزن سے اس شبہے میں خفا ہو جائے کہ اس نے مجھے اپنا اسیر کر لیا ہے، حالانکہ جو آپ کا اسیر ہو چکا ہو، وہ کہیں اور جانے کے قابل ہی کہاں رہ جاتا ہے، اس لڑکی کو میں چھوڑنے کا تصور بھی کروں تو مر جاؤں۔" آبگین نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔"

"ہاں اللہ نہ کرے تم بیوہ ہو جاؤ، سدا سہاگن رہو، خوش رہو۔" اس کی بڑی بوڑھیوں جیسی دعاؤں پر بے اختیار وہ ہنسی تھی، عزین نے مسکراتے ہوئے جیب سے ایک گفٹ پیک نکالا تھا۔

"یہ کنگن ہیں، میں اسپیشلی تمہارے لئے لایا ہوں، دو دن بعد رمضان شروع ہو رہا ہے اور یہ عید نہیں تو عید الضحیٰ میں تمہارے ساتھ منانا چاہتا ہوں۔" آبگین نے کھل کر مسکراتے ہوئے گفٹ پیک لیا تھا، یوں لگ رہا تھا ہر سو خوشیاں پریاں بن کر رقص کر رہی ہوں، ہر طرف جھلملاتی رقص کرتی پریاں۔

☆☆☆



دربے کی اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

تیسویں قسط کا خلاصہ

نیل بر جہاندار سے گلا کئے ملاقات کا ذکر کرتی ہے تو وہ چونک کر سوچتا ہے کہ یہ بھولی سری کہانی کا کردار نیل بر سے کہا آنکلا۔

ساہنواز ،مان مورے سے ملتا ہے تو عروفہ کو بے حد برا لگتا ہے وہ مشعل سے الجھ پڑتی ہے، اِدھر ولید نشرہ سے انتقام لینے کے لئے عروفہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔

صندیر خان کا خاص بندہ اسے بتاتا ہے کہ جہاندار اصل میں کون ہے، صندیر خان سب جان کر سناٹے میں رہ جاتے ہیں۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہوں کی حویلی کا کوئی گم شدہ کردار یوں سامنے آ جائے گا، کردار بھی وہ جو اپنے دامن میں انتقام اور تباہی لے کر آئے گا۔

امام کے آپریشن کی کامیابی پر پلوشہ پورے خاندان کو دعوت پر بلاتی ہے، امام جب ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق صبح سویرے واک کے لئے آیا تو شانزے سے ٹکراؤ ہوگیا جہاں اسے یوں واک کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اکیتسویں قسط



اور کچھ ہی دیر میں عروفہ معنی خیز مسکراہٹ لبوں میں دبا کر منظر سے ہٹ گئی تھی۔

دوسری طرف نشرہ کی جان پہ بن آئی، خوف سے اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا، ہیام اس کے بدلتے تاثرات پہ اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتا متعجب تھا، جس سمت نشرہ دیکھ رہی تھی، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ متفکر تھا۔

''ہیام! عروفہ نے دیکھ لیا ہے۔''

''ارے نہیں۔'' ہیام بدکا تھا، پھر قدرے ریلیکس ہوا۔

''تمہارا وہم ہوگا، عروفہ نہیں۔'' وہ سوچتی نظروں سے بالکونی کو دیکھتا رہا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا، یا شاید کچھ دیر پہلے کوئی ہوگا؟ پھر بھی اس نے نشرہ کو مطمئن کرنا چاہا۔

''گھبراؤ نہیں، میں ہوں نا۔''

''وہ مورے کو بتا دے گی، تمہارا امیج خراب ہوگا اور میں؟'' نشرہ شدید خوفزدہ تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اسے برابر ریلیکس کر رہا تھا، جس کا رنگ خطرناک حد تک پیلا پڑ چکا تھا۔

''ڈرو مت نشرہ، کچھ بھی نہیں ہوتا۔''

''تم اتنا لائٹ کیوں لے رہی ہو، کیا عروفہ کی فطرت کو نہیں جانتے، وہ مورے کو دس اور لگا کر بتائے گی، وہ رو دینے کو تھی، ایک دم ہیام کچھ سوچتا رک گیا اور پھر اچانک سے اس نے کہہ دیا۔

''تو بتا دے، میرا مسئلہ آسان کر دے گی۔'' وہ ایک دم مطمئن سا ہو کر بول رہا تھا، بغیر کسی خوف اور دباؤ کے۔

''میں نے تم سے نکاح کیا ہے، کوئی گناہ نہیں کیا، وہ نہیں بتائے گی تو میں خود بتاؤں گا، ایک دن بتانا تو ہے، میں تو چاہتا ہوں یہ معاملہ بھی کسی منطقی انجام کو پہنچ جائے۔'' وہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

''کیا تم سنبھال لو گے ہیام۔'' وہ کسی خوف کے زیر اثر پوچھ رہی تھی، وہ خوف جو مورے کی ناراضگی اور گلائی کی موجودگی کے باعث اسے پریشان اور ہراساں رکھتا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ میں سنبھال لوں گا؟'' ہیام نے گہری سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''اور اگر تم پہ دباؤ آ گیا مورے اور تمہاری بہنوں کا۔'' نشرہ نے اپنے اصل پر اس کو باہر کا راستہ دکھا ہی دیا تھا، وہ اسے کیسے بتاتی، یہ خوف اسے راتوں کو گہری نیند سے جگا دیتا تھا۔

''تم نے مجھے اتنا کمزور سمجھ رکھا ہے؟ کہ میں کسی بھی دباؤ میں آ کر تمہیں چھوڑ دوں گا؟ نشرہ یہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچنا، میں نے تم سے شادی کی، محبت کا کوئی کھیل نہیں کھیلا، جو کسی دباؤ میں آ کر ختم کر دوں، یہ سلسلہ میری موت کے ساتھ تو ختم ہو سکتا ہے، مگر میری زندگی میں نہیں۔'' اس نے نشرہ کی روشن پیشانی کو دو انگلیوں سے چھوتے ہوئے گہرے لہجے میں کہا تھا، ایسے لہجے جو دلوں کو زنجیر کر لیتے ہیں اور اپنے ساتھ عمر بھر کے لئے باندھ لیتے ہیں۔

☆☆☆

آج موسم ضرورت سے زیادہ ہی خوشگوار تھا۔

وہ جو کسل مندی سے پردے گرائے صوفے پہ لیٹی تھی، موسم کی خوشگوایت سے بے چین ہو کر باہر جھانکنے لگی، اتنا خوبصورت موسم تھا، کالی گھٹائیں امڈ امڈ کر آ رہی تھیں، نیل بر سے رہا نہیں گیا اور جہاندار کی ہزار احتیاطوں کو بھلا کر باہر نکل آئی، وہ گھر ہوتا تو چوکیدار بن کر بیٹھ جاتا، اسے کبھی اتنے سندر موسم کا نظارہ کرنے نہ دیتا، وہ آرام دہ جوتے پہن کر سر پہ اسکارف لپیٹ کر باہر نکل آئی تھی۔

''شکر ہے، جہاندار گھر نہیں، ورنہ اتنا خوبصورت موسم کیسے انجوائے کرتی۔'' وہ قدرے ہموار رستوں پہ احتیاط سے چلتی آگے بڑھتی جا رہی تھی اور اپنی گزشتہ اور موجودہ زندگی کو سوچتے جا رہی تھی۔

''اور میں نیل بر خان کس قدر بدل گئی ہوں۔'' دودھ سے بادلوں کو اپنے سر پہ منڈلاتے دیکھ کر اس نے کتنے سکون سے سوچا تھا۔

''وقت کے ساتھ بہت ساری چیزیں ویسی نہیں رہتی، جیسے بنو محل بدل گیا، شاہوار لالا کی شادی کس قدر حیران کن واقعہ ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے ایک پگڈنڈی پہ چڑھ گئی تھی، یہیں سے اسے دور اسٹار بیری کی جھاڑیاں نظر آئیں اور اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا، وہ غیر ارادتاً اسی سمت بڑھنے لگی۔

''اور اگر جہاندار کو پتا چل جائے میں اس موسم میں گھر سے نکل آئی ہوں، تو کس قدر تپے گا، چڑے گا، غصہ کرے گا اور تو کچھ نہیں کہے گا۔'' وہ جیسے جہاندار کے متوقع غصے کے خیال سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی، ایسے ہی خیالوں میں وہ اسٹار بیری کے پورے جھنڈ کے پاس پہنچ گئی تھی۔

''واؤ۔'' اس نے ایک جھاڑی کو ہلایا اور پکی پکی بہت ساری اسٹار بیری اتار لیں۔

''کس قدر خوبصورت جگہ ہے اور جہاندار نے ایویں پابندیاں لگا رکھی ہیں، میں باہر نہ آتی تو یہ جگہ کیسے دیکھتی؟'' اس نے اسکارف کھول کر احتیاط سے بہت ساری اسٹار بیری اتار کر رکھ لیں اور گرہ لگا لی۔

''اب میرا خیال ہے واپس چلوں، کہیں بارش ہی نہ برس جائے، پھر راستے میں پھسلن ہو جائے گی اور اگر گر پڑی تو......'' کچھ سوچتے ہوئے بلکہ اونچی آواز میں سوچتے ہوئے جیسے ہی وہ مڑی تھی اچانک اس کا پاؤں رپٹ گیا تھا، قریب تھا کہ وہ بہت بری طرح سے گر پڑتی، کسی نے ہاتھ بڑھا کر اسے گرنے سے بچا لیا تھا، نیل بر کی چیخ اس کے گلے میں ہی گھٹ گئی تھی اور جب اس نے سامنے کھڑے بندے کو دیکھا اس کا منہ تعجب سے کھل گیا اور آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''تم۔'' وہ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے الفاظ کہیں گم ہو گئے تھے جبکہ وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بڑا پر سکون کھڑا تھا۔

''ضروری نہیں، ہر گرنے والے کو سنبھالنے کے لئے دو ہاتھ آگے آ جائیں کبھی امام اور کبھی جہاندار۔'' وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ بول رہا تھا۔

''اس لئے اپنے حصے کی زمین پر پاؤں جما کر کھڑا ہونا سیکھو۔''

"تم...... تم ٹھیک ہو امام!" نیل بر ہکلاتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکی تھی، وہ اس کی گھبراہٹ یا اس اچانک ملنے والے شاک پہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"ٹھیک ہوں تو تمہارے سامنے ہوں۔"

"مگر تم یہاں۔" وہ ہکلاتے ہوئے احمقانہ انداز میں بولی۔

"میں نہیں، تم یہاں؟ یہ اوپر میری رہائش گاہ ہے، وہیں سے تمہیں اسٹاربیری چراتے دیکھا تھا اور یقین مانو تمہیں زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ تصحیح کی تو لفظ چرانے پر وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

"مجھے بھی تمہیں اپنے سامنے اتنا بھرپور انداز میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پائی، حالانکہ امام کو اپنے پیروں پہ کھڑا دیکھنا ایک معجزہ تھا، وہ جو اس کا محسن تھا، جو اس کے لئے فرشتہ بن کر ان وادیوں میں آیا تھا، جس نے اس کے لئے اپنی زندگی کو داؤ پہ لگا دیا تھا، وہ امام کی احسان مند تھی۔

"جب وہ لوگ تمہیں لے گئے اور میں شدید زخمی تھا یقین مانو میرے دل میں بس تمہارا خیال تھا کہ وہ لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے، مگر تمہیں بہت اچھے حالات میں زندہ دیکھ کر مجھے خود پہ گزری ایک ایک تکلیف بھول گئی ہے۔" وہ بہت اطمینان اور خوشی سے کہہ رہا تھا اور نیل بر ششدر کھڑی تھی، ایسے انمول لوگوں کے لئے شکریہ کا کوئی ایک لفظ بھی بہت بھاری تھا گر ادا کر دیا جاتا، وہ اس سے شکریہ سننے کے لئے نہیں آیا تھا، نیل بر کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"اس حادثے میں تم بچ گئے تھے مگر شدید متاثر تھے، میں اس تکلیف کو لفظوں میں نہیں بتا سکتی، جو مجھے تمہارے حوالے سے تھی۔"

"میں گزری باتوں کو دوہرانا نہیں چاہتا، بس اتنا جاننا چاہتا ہوں، صندیر خان کے دل میں تمہارے حوالے سے رحم کیسے آ گیا، اور تمہاری شادی اپنی رسموں رواجوں کے برخلاف کر دی۔" وہ واقعی اس معمے کو حل نہیں کر سکا تھا۔

"صندیر خان نے کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا، میری شادی اگر اپنے جیسے سرداروں میں کر دیتا تو وہ کل کو جائیداد لینے کے مسئلے اٹھا سکتے تھے، اس نے مجھے طاقت وروں کے حوالے نہیں کیا، بلکہ ایک گمنام شخص سے بیاہ دیا، جو اس کے حساب سے طاقت ور نہیں تھا، نہ کبھی کسی بھی حوالے سے اس کے مقابل آ سکتا تھا۔" نیل بر نے گہرا سانس بھرتے ہوئے اسے اصل حقیقت بتائی تھی۔

"اور صندیر خان اسی بھول میں مارا گیا۔" یہ تبصرہ امام کا تھا۔

"ہاں، مجھے خوف ہے جہاندار ان سے کوئی بڑا انتقام نہ لے۔" نیل بر نے سراسیمگی سے کہا۔

"جہاندار بہت سوچ کے چال چلتا ہے، وہ ایسے ان کے حلق پہ پاؤں رکھے گا کہ یہ چلا بھی نہیں سکیں گے۔" امام کا انداز سنجیدہ تھا۔

"تم جہاندار کو جانتے ہو؟" نیل بر نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ جب بیال میں تھا، تب اسے کون نہیں جانتا تھا؟" امام ہلکا سا مسکرایا اور پھر گہری ہوتی گھٹا ئیں دیکھ کر بولا۔

"اب تمہیں واپس جانا چاہیے، کچھ ہی دیر میں بارش کا امکان لگتا ہے۔"

"ہاں۔" وہ جیسے ہوش میں آئی تھی اور اس کی اپنے اسکارف پہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی، کافی ساری سرخ اسٹاربیریز گیلی کچی مٹی پہ گر گئی تھیں۔

"اوہ۔" اس نے بے ساختہ لب بھینچ لئے۔

"آؤ...... میں تمہیں گھر تک چھوڑ آتا ہوں۔" وہ پگڈنڈی پہ کھڑا تھا نیل بر کچھ سوچ کر اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد فاصلہ سمٹ آیا اور حویلی کی نخریلی بالکونیاں دکھائی دینے لگیں، وہ شان سے کھڑی پر ہیبت حویلی کو دیکھتا لحہ بھر کے لئے کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"تو تم یہاں رہتی ہو؟"

"ہاں، یہ جہاندار کا گھر ہے۔" نیل بر اسے سوچوں میں گم دیکھ کر الجھ سی گئی، امام کے تاثرات بہت ہی عجیب تھے۔

"ہم...... یہ جہاندار کا گھر ہے، بہت خوب۔" اس کا انداز سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔

"تم اندر آؤ گے؟" وہ اپنے محسن کو دروازے سے کیسے لوٹا دیتی۔

"گو کہ مجھے چائے بنانی نہیں آتی، مگر میں اچھی مہمان نواز ہوں۔" اس نے قدرے شرمندگی سے کہا تھا۔

"اس بات کا یہ مطلب ہے، میں اندر آؤں اور خود چائے بنا کر پی لوں۔" اس تمام عمر میں پہلی مرتبہ امام کے چہرے پہ مسکراہٹ آئی تھی، نیل بر خجل سی ہو گئی۔

"تم بہت ذہین ہو۔"

"وہ تو میں ہوں۔"

"پھر چائے کا کیا ارادہ ہے؟" نیل بر نے اخلاق سے پوچھا تھا، انداز میں اصرار بھی تھا، وہ محسن کو دروازے سے یوں لوٹانا نہیں چاہتی تھی۔

"کبھی پھر سہی، چائے پیوں گا بھی اور پلاؤں گا، بلکہ سیکھاؤں گا بھی، آپ خاصی نکمی اور پھوہڑ خاتون ہیں۔" اس کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی، نیل بر شرمندہ ہو گئی۔

ایسی باتیں اس کے لئے اجنبی نہیں تھیں، وہ روز ایسے جہاندار کے منہ سے ایسے القابات سنتی تھی۔

"اگر کھانے کا ارادہ ہو، تو اس کے لئے میرا شوہر حاضر ہے، وہ بیچلر فلیٹس میں اپنے لئے کھانا خود بناتا تھا۔" نیل بر نے مزید اخلاق کے ساتھ کھانے کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔

"میں کسی روز خدمت میں حاضر ہوں گا بڑی خواہش ہے دیدار کی، کبھی نا ضابطہ ملاقات نہیں ہوئی، مگر سنا ضرور ہے، آپ کے شوہر بہت ڈیشنگ ہیں۔" امام اونچی بالکونیوں سے جانے کیا تلاشتا نگاہوں کا زاویہ بدل چکا تھا۔

"اس حویلی کے پیچھے پولو گراؤنڈ بھی ہے نا۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا، نیل بر حیران ہوئی۔

''تمہیں کیسے پتا۔''

''یہ گراؤنڈ بہت مشہور ہے اور میں اس گراؤنڈ میں جاگنگ کرتا ہوں۔'' امام نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا، نیل بر حیران ہوئی، بلکہ بے حد حیران۔

''کیا واقعی؟''

''یقین نہ آئے تو کل صبح صادق میں اپنے روم کی کھڑکی کھول کر دیکھ لینا، اب تم اندر چلو، بارش کی بوندیں گرنے لگی ہیں، یہاں کی بارش بیمار کر دیتی ہے۔'' وہ اچانک مڑا اور تیزی سے ڈھلوانی راستوں میں گم ہو گیا، نیل بر حیران نظروں سے اسے گم ہونے تک دیکھتی رہی، یہاں تک کہ بارش کی کئی بوندوں نے اسے بھگو دیا تھا۔

وہ جیسے ہی پلٹ کر تیزی سے اندر آئی اسی پل جہاندار کی جیپ نے پھاٹک کراس کیا تھا، وہ انٹرس کے پاس غیر ارادتاً کھڑی ہو گئی تھی۔

جہاندار تیز بوندوں سے بچتا بچاتا جب اندر آیا تو نیل بر کو انٹرس پہ کھڑے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''واہ...... یہ انداز بیویانہ...... اللہ خیر کرے، میرا انتظار ہو رہا تھا۔'' اس کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی، نیل بر نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا اور منہ بنا کر بولی تھی۔

''خوش فہمی۔''

''اگر یہ خوش فہمی ہے تب بھی مجھے خوش ہو لینے دو۔'' وہ اپنے گیلے بالوں میں اٹکی بوندیں اس کے چہرے پہ جھٹکتا مسکرایا تھا، آج خلاف توقع اس کا موڈ بہت ہی خوشگوار تھا۔

''اوں ہوں۔'' نیل بر چہرے پہ ہاتھ رکھتی ایک دم پیچھے ہٹی تھی، جہاندار مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا، نیل بر بھی اس کے پیچھے ہی آ گئی۔

''تم اس طوفانی موسم سے ڈر تو نہیں گئی تھی؟'' وہ شاید نیل بر کے دروازے پہ کھڑے ہونے کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

''نہیں۔''

''تو پھر؟'' جہاندار چونکا۔

''میں ہوا خوری کے لئے باہر گئی تھی۔'' اس نے سچ بتا دیا۔

''اس موسم میں؟'' جہاندار نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

''پہلے بارش نہیں تھی۔''

''میں نے منع بھی کیا تھا نیل بر۔'' وہ ناراض ہوا۔

''صحیح سلامت تو آ گئی ہوں، اب کیا اس بھوت حویلی میں قید ہی رہوں۔'' نیل بر نے چڑ کر کہا تھا۔

''یہاں کے موسم اور جنگلی جانوروں کا کوئی بھروسہ نہیں۔''

''میں واپسی پہ اکیلی نہیں تھی۔'' نیل بر نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بتا دیا تھا، جہاندار حقیقتاً چونکا۔

''کیسے؟'' اس کی سوالیہ نگاہوں میں تعجب تھا۔

''مجھے امام چھوڑ کر گیا ہے۔'' اسے جھوٹ بولنا مناسب نہیں لگا تھا۔

''امام...... وہی سرویئر جس نے میری جان بچائی تھی۔''

''ہوں۔'' جہاندار نے ہنکارا ابھرا۔

''تو یہاں بھی تم نے رشتہ داری نکال لی۔'' اس کا انداز طنزیہ نہیں تھا، **پھر بھی نیل بر کو برا لگا۔**

''تو کیا کروں؟ اس جنگل میں کوئی انسان تو نظر ہی نہیں آتا۔''

''نیچے وادی میں چلی جایا کرو، گلالئی سے ملنے۔'' جہاندار کا انداز صاف چڑانے والا تھا۔

''وہ اپنے رشتے داروں کے ہاں گئی ہوئی ہے، ورنہ تم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' نیل بر نے چڑ چڑے انداز میں جواب دیا تھا۔

''واپس آ گئی ہے۔'' جہاندار کے جواب نے اس کا دماغ بھک **سے اڑا دیا تھا، یعنی کہ اتنی** انفارمیشن؟ اسے فطری طور پر جیلسی ہوئی۔

''گلالئی کے بارے میں بہت رپورٹس رکھتے ہو؟'' اس نے صاف **طنز کیا تھا۔**

''میں تقریباً اپنے آس پڑوس کی ہر شے پر نظر رکھتا ہوں۔'' جہاندار **نے اس کی معاملات میں** اضافہ کیا تھا۔

''جانتی ہوں۔'' جواب کسل کر آیا تھا۔

''اچھی بات ہے۔'' جہاندار مسکرایا۔

''گل خو سے پیغام بھی بھجوا دوں گا، میری بیوی سے ملاقات کرا آؤ، وہ **طبیعت خرابی کے باعث** وادی میں نہیں آ سکتی۔''

''بہت شکریہ، ایسی کوئی ضرورت نہیں، ملنا ہوا تو خود ہی مل لوں گی۔'' **وہ چبا چبا کر بولی تھی۔**

''میں نے تو تمہاری تنہائی کے خیال میں کہا تھا۔'' جہاندار نے کند**ھے اچکائے۔**

''اسی بہانے تم بھی آنکھوں کو تراوٹ دے لیتے۔''

''نا جی ہماری آنکھیں پہلے ہی سیر ہیں، اتنے خوبصورت نظاروں **کے باعث۔'' جہاندار** نے بھرپور نگاہ اس کے دلکش سراپے پہ ڈالی تھی، نیل بر اپنے آپ میں **ہی سمٹ گئی تھی۔**

''کوئی ڈائیلاگز کی کلاسز تم سے لے۔'' اس نے جزبز ہو کر کہا تھا۔

''ڈائیلاگز کی نہیں، رومانس کی۔'' جہاندار کا انداز شرارتی تھا۔

''دیکھو لو موسم بھی ہے، بارش بھی ہے، ماحول بھی ہے اور وقت بھی **ہے۔'' اس نے ایک آنکھ** میچ کر دبائی تھی، نیل بر بلش کر گئی۔

''فضول ہی بولتے ہو، کچھ کھانے کا بھی کر لو، مجھے بھوک محسوس ہو رہی **ہے۔'' اس نے جان** کر بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''آں ہاں ضرور، آپ کا خانساماں حاضر ہے، ابھی طعام کا اہتمام کر دے **گا، ملکہ عالیہ اپنے** تخت پر تشریف رکھیں۔'' وہ گہرے طنز بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تم جس ملک اور ماحول کی پروردہ ہو، وہاں عورتیں بچہ پیدا کر کے **مزدوری کرنے چلی جاتی**

ہیں اور آپ جناب کے نخرے الاماں۔"

"تبھی مجھے وہاں کا ماحول پسند نہیں ہے، عورتوں کی وہاں قدر نہیں۔" نجانے کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا تھا۔

"آں ہاں۔" جہاندار فوراً چونکا۔

"صد شکر کہ تم نے تسلیم کیا، کم از کم میں تمہارا سچا قدر دان ہوں، ورنہ تمہیں تو مجھ میں سرے سے کوئی کوالٹی نظر نہیں آتی۔" نیل بر تو بات کر کے پچھتائی تھی، جہاندار کو اپنی ساری خوبیاں اسی پل ترنت یاد آنے لگیں۔

"تاریخ اٹھا کر دیکھ لو، پہاڑی لوگ جتنے جفاکش ہوتے ہیں، گھریلو معاملات میں اتنے ہی لاپرواہ، بیویاں جانوروں کی طرح یہاں کام کرتی ہیں، بچے پیدا کرتی ہیں، گھر سنبھالتی ہیں حتیٰ کہ پالتو جانوروں کی بھی دیکھ دیکھ کرتی ہیں اور تم اس لحاظ سے بہت خوش نصیب ہو، ابھی تمہیں ہر آرام میسر ہے، اس لئے تمہیں اپنی خوش نصیبی کا پتا نہیں، جب تمہیں کچھ میسر نہ آیا پھر بتانا مجھے یہ فیلڈ بری ہے یا باہر کے تھپیڑے اچھے ہیں۔" وہ کچھ دیر کے لئے منظر سے ہٹ گیا تھا، پھر جب آیا تو کپڑے تبدیل شدہ تھے۔

"اب میرے ساتھ چلو۔" وہ اسے گم صم کھڑا دیکھ کر باورچی خانے میں لے آیا تھا، نیل بر گم صم سی اس کی پیروی کرتی رہی۔

"سبزی تم بناؤ گی، کھانا میں بناؤں گا۔" فیصلہ ہو چکا تھا، جہاندار نے ایک سبزی بھری باسکٹ اس کے سامنے رکھ کر اسٹول کھینچ دیا تھا۔

"امریکہ میں ایسے کھانے نہیں بنائے جاتے تھے۔" اس کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ اسے اگر کوکنگ نہیں آتی تو اس میں نیل بر کا اتنا قصور نہیں تھا، وہاں ریڈی میڈ فوڈ یا فاسٹ فوڈ ہی چلتا تھا، جس طرح کے حالات کا اسے سامنا تھا، وہاں دو وقت کی خوراک ملنا بھی خوش نصیبی تھی، جن دنوں اس کے پاس رہائش نہیں تھی، ان دنوں وہ اکثر فٹ پاتھ پہ سوتی تھی اور پاپ کارن کھا کر پیٹ بھرتی، یہاں حقیقی معنوں میں اس کی زندگی نوابوں جیسی تھی بابا نے اس کے عیش و آرام میں کمی کوئی بھی نہیں چھوڑی تھی اور اب یہاں جہاندار کے گھر میں بھی اسے کوئی تکلیف نہیں تھی، اس کے باوجود اگر وہ ناشکری تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اس کی رگوں میں کریشان کا خون تھا۔

"میں بھی امریکہ میں رہ کر آیا ہوں، مجھے اگر کوکنگ وغیرہ کی سمجھ بوجھ ہے تو اس لئے کہ میں نے یہ سب کام سیکھے ہیں۔" وہ مہارت سے پیاز کاٹتا بتا رہا تھا۔

"اور اب تم نے بھی یہ کام سیکھنے ہیں، میں ہر روز تمہیں کھانا بنا کر نہیں کھلا سکتا، میری مصروفیت کچھ دنوں بعد مزید بڑھ جائیں گی۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"کچھ دن بعد تم مریخ پہ جانے والے ہو؟" نیل بر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مریخ پر تو نہیں، البتہ زمین پر کولڈ سٹور کا افتتاح کر رہا ہوں، نئی لیبر بھرتی کرنی ہے، نئی مشین لگائی ہیں، بہت کام ہے، میں گھر آ کر خانساماں گیری نہیں کر سکتا، بہتر ہے، تم تھوڑا بہت پکانا سیکھ لو، میرے لئے نہ سہی، اپنے لئے ہی سہی۔" وہ پیاز کاٹ چکا تو کڑاہی میں آئل ڈال کر فرائی

کرنے لگا۔

"کچھ دن بعد تم یہ بھی کہو گے، اب میں الیکشن میں کھڑا ہونے والا ہوں۔" نیل بر نے بور ہو کر جواب دیا تھا۔

"ارادہ تو یہی ہے، آگے دیکھو، ہوتا کیا ہے، یہ الیکشن، صندیر خان تو کبھی نہیں جیتے گا۔" جہاندار نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"تم لالا کے مقابلے پہ کھڑے ہو گئے؟" نیل بر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"ہاں۔"

"مگر کیوں؟" نیل بر نے تعجب سے کہا۔

"یہ الیکشن تو وہ ہی ہمیشہ جیتتے ہیں۔"

"اب نہیں جیتیں گے۔" جہاندار نے اس کا تعجب دور کیا تھا مگر نیل بر بے چین ہو گئی تھی۔

"صندیر لالا تمہارا دشمن بن جائے گا۔"

"مائی ڈیئر وائف! اب بھی وہ میرا دشمن ہی ہے، نئے سرے سے کیا بنے گا۔" جہاندار نے مسکرا کر اس کی غلطی فہمی دور کی تھی۔

"مگر الیکشن میں ہار کے بعد......" نیل بر کی آنکھوں میں ہراس اتر آیا تھا۔

"وہ مزید میرا جانی دشمن بنے گا ہے نا؟" جہاندار نے اس کی خوف سے پھیلی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"بن جائے، مگر جانتی ہو، وہ میرے پیٹھے پہ ہاتھ نہیں رکھ سکتا، نہ میں شیر شاہ جیسا کمزور ہوں اور نہ ہی فرخزاد جیسا جذباتی بیوقوف، میں اسے وہاں لا کر ماروں گا جہاں اسے پانی بھی نہیں ملے گا، اسے اندازہ ہی نہیں، فرخزاد کا بھائی اس کے لئے کس قدر بھیانک ثابت ہوگا۔" اس نے کٹی ہوئی سبزی پیاز میں ڈال کر فرائی کر لی تھی، اب وہ ابلی چکن کے کیوبز ڈال رہا تھا۔

"تم پرانی دشمنی کو ختم کرنے کے بجائے بڑھاؤ گے؟" نیل بر کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر بچے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں نسل در نسل دشمنی کو ہی پروان چڑھانا ہے؟ تم...... تمہارے بعد تمہارا بچہ...... وہ بھی انہی خاندانی دشمنیوں کی بھینٹ چڑھے گا۔"

"دشمنی میں بچوں کو بیچ میں کیوں لے آئی ہو؟ میں اپنے بچوں کو محفوظ رکھوں گا، یہ تمہارا ہیڈک نہیں ہے، جو تمہارا ہیڈک ہے، اس پہ فوکس رکھو۔" جہاندار نے ذرا سختی سے اپنی بات ختم کی تھی۔

"تمہارے بچے محفوظ کہاں سے ہوں گے؟ جب وہ ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھیں گے، جب وہ تمہیں دشمنیاں پالتے دیکھیں گے، تم نے بھی تو یہی اپنے بڑوں سے سیکھا ہے، جو دیکھا اور سہا ہے، اسی کو آگے لے کر جا رہے ہو۔" نیل بر نے جہاندار کو سوچ میں ڈالنے والی بات کر دی تھی، لمحہ بھر کے لئے وہ خاموش ہو گیا تھا، جیسے کہنے کے لئے کچھ بھی نہ بچا ہو۔

"وہ یہ سب نہیں دیکھیں گے، جو میں نے دیکھا، سہا اور جسے میں آگے لے کر بڑھ رہا ہوں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے جہاندار۔" نیل بر کا انداز بدل گیا تھا، ایک دم وہ لڑکی سے عورت بن گئی،

سوچنے والی، آگے کے معاملات دیکھنے والی ایک ذمہ دار عورت اور ماں، جسے اچانک اپنے ہونے والے بچے کا مستقبل غیر محفوظ نظر آنے لگ گیا تھا۔

"میں نے یہاں صدیوں پر محیط دشمنیوں کو دیکھا ہے، نسل در نسل، یہ آگ کا کھیل کبھی ختم نہیں ہوگا، تم اگر اس کھیل کو ختم نہیں کرو گے تو یہ کھیل چلتا رہے گا، کبھی فرخزاد، کبھی جہاندار اور کبھی کوئی اور...... قاتل، قتل اور مقتول کے بیچ پھنسے رہیں گے۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟ اس بچے کے لئے جو دنیا میں آیا ہی نہیں، اس بالشت بھر کے لوتھڑے کے لئے میں اپنے شیر جوان بھائیوں کے قاتلوں کو معاف کر دوں؟ اس کا فیوچر سیف کرنے کے لئے۔" وہ ایک دم پلٹ کر خونی آنکھوں سے دیکھتا ہوا زہر خند ہوا تھا، اس کے چہرے کا ایک ایک نقش زہر میں ڈوبا تھا، آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

"اس کے علاوہ کیا کرو گے؟ ان کو قتل کرو گے؟ تو کوئی اور اٹھ کر تم سے بدلہ لینے آ جائے گا، تمہارے ہی جیسا۔" نیل بر نے بے قرار ہو کر کہا تھا، وہ ایک لاپرواہ، بے حس اور ضدی لڑکی سے ذمہ دار اور سمجھدار عورت میں ڈھل گئی تھی، اسے نہیں پتا چلا تھا، اس کے اندر سانس لیتے وجود نے اسے کتنا معاملہ فہم اور عقل مند بنا دیا تھا۔

"وہ بعد کی بات ہے۔" وہ شاید بات ختم کرنے کے موڈ میں تھا۔

"جہاندار! تم ہمیں غیر محفوظ کر دو گے؟" نیل بر کو اندازہ ہی تھا، وہ اس قدر اپنے آنے والے بچے کے لئے حساس ہو جائے گی، یہ اس پل کا سب سے قیمتی ادراک تھا۔

"میری زندگی اور میری زندگی کے بعد بھی کم از کم تم لوگوں کو کچھ نہیں ہوگا، یہ جہاندار کا وعدہ ہے، یہ بچہ میرے لئے بہت قیمتی ہے نیل بر، یہ میرے باپ کی نسل کا امین ہوگا، مجھے اس سے اتنی محبت ہے تو تب اس محبت کا کیا شمار ہوگا؟ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتی، کم از کم اسے بچے کی ڈھال میں تم میرے ارادوں کو کمزور مت کرنا، میں جانتا ہوں، مجھے اپنے سے وابستہ زندگیوں کو کیسے محفوظ کرنا ہے، سو میرے بچے کو لے کر تم کسی بھی قسم کے خدشات کو مت اپنے دل میں پالو، مجھے میرا کام کرنے دو، تم اپنا کام کرو۔" آخر میں اس انداز نرم ہو گیا تھا اور لہجہ بدل گیا تھا، شاید وہ نیل بر سے سخت لہجے میں بات کر ہی نہیں سکتا تھا۔

"جہاندار!" اس کے الفاظ حلق میں ہی گھٹ گئے تھے۔

"جہاندار کی جان۔" وہ ہاتھ صاف کرتا اس کے قریب آ گیا تھا، بالکل قریب، یوں کے نیل بر کی متوحش سانسیں اس کے گالوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"اگر تمہیں صندیر خان جیسی عفریت کے چنگل سے نکال سکتا ہوں، تو اپنے بھائیوں کے قاتلوں کو سر عام تختے پہ بھی لٹکا سکتا ہوں، تم اس غم کو دل سے نکال دو، مجھ پر بھروسہ رکھو، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔" وہ اسے اپنے بازوؤں کی زنجیر میں لے کر بڑے یقین بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا، یوں کہ نیل بر کے سب اعتراض دم توڑ گئے تھے، شاید وہ جہاندار کے سامنے ازل سے لاجواب ہوتی آئی تھی، وہ اب بھی لاجواب ہو گئی تھی۔

☆☆☆

عینی فون پر کسل رہی تھی۔

"امی! آپ نے مجھے لینے آنا ہے یا میں خود آ جاؤں؟"

"ہوا کیا ہے؟ قیامت آ گئی کیا؟" تائی اس سے بھی زیادہ بیزار تھیں، گھر کا سیاپا، نوکرانی کی چھٹیاں، نومی کی لڑائیاں، اوپر سے نشرہ نے بھی آنے سے معذرت کر لی تھی، تائی شدید تپی ہوئی تھیں۔

"قیامت آئے گی تو کیا تب ہی بلائیں گی۔" وہ غصے میں جل کر بولی تھی۔

"یہاں آ کر کون سے پہاڑ توڑنے ہیں تم نے۔" تائی نے تنک کر جواب دیا تھا۔

"میں بور ہو گئی ہوں۔" عینی کو کوئی اور جواز ملا ہی نہیں۔

"فٹے منہ تیرا، یہاں بوریت دور کرنے کے لئے کیا پڑا ہے؟ اب تو ہمان آ گیا، کیسے تمہیں لے آؤں؟ پلوشہ کیا سوچے گی۔" تائی نے غصے میں اس کا سارا لاڈ نکالا تھا، وہ جو ٹھنک رہی تھی سیدھی ہو گئی۔

"ہمان اکیلا ہوتا تو خیر تھی، ایک ریں ریں کرتا بچہ بھی اٹھا لایا ہے، اسے کون سنبھالے۔" وہ غصے سے تنک کر بولی تھی۔

"ارے گدھی! بچے کو خود سے اٹیچ کر، تبھی ہمان بھی توجہ دے گا، امام نہ سہی ہمان ہی سہی، کچھ عقل سے کام لے، ساری محنت اکارت کر دے گی کیا۔" تائی اپنی بیٹی کی بے عقلی پر کسلتی رہ گئی تھیں۔

"کچھ ہاتھ نہیں آگے کا آپ کے۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"ولید، امام، ہمان، رہنے دیں اب، مجھے کوئی خوش گمانی نہیں رہی۔"

"وقت کا کچھ پتا نہیں چلتا، کب ہاتھ میں آ جائے، تھوڑا صبر سے کام لے میری بچی۔" تائی کو آخر میں اسے پچکارنا ہی پڑا تھا۔

"آپ مجھے کب تک بلائیں گی؟" عینی کی تان بس اسی بات پہ ٹوٹ رہی تھی، اڑتی اڑتی سنی تھی، ولید آ رہا ہے، تب سے دل میں پٹاخے لگے ہوئے تھے اور تائی اسے ولید کی آمد کے متعلق ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتی تھیں۔

"اسامہ آتا ہے تو کہہ دوں گی، واپسی پہ تمہیں لے آئے، یا میں خود ملنے آ جاؤں گی۔" تائی نے اس کی ساری امیدوں کو توڑا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آپ نے مجھے خیرات ہی کر دیا ہے۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"تمہیں کوئی خیرات میں بھی نہ لے۔" تائی نے بھی اس کی طبیعت صاف کر دی تھی، عینی نے جل کر فون ہی بند کر دیا تھا۔

"ایسی ہوتی ہیں مائیں۔" اب وہ اپنا غصہ فروٹس پہ نکال رہی تھی، جو صبح ہی ہمان لایا تھا اور ابھی تک شاپرز میں سڑ رہا تھا، شکر ہے پلوشہ نے دیکھا نہیں تھا۔

گو کہ جتنا آرام اور بے فکری یہاں تھی، اس کا لاہور اپنے گھر میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مگر ولید کی آمد کا سن کر اسے ادھر کے سارے آرام بھول گئے تھے، وہ اس بے وفا سے ملنے کو بے

تاب تھی، جو شاید کسی کا بھی نہیں تھا۔

اور ابھی وہ فروٹ ٹھکانے لگا کر باہر نکلی ہی تھی کہ ہمان کا بیٹا ریان رونے لگا تھا، اسے فیڈر بنا کر دیا تو فون کال آ گئی، جتنے برے موڈ میں اس نے کال ریسیو کی تھی اتنا ہی اسے فون کال سننے کے بعد خوشگوار جھٹکا لگا تھا۔

''اللہ اللہ، تمہیں ہی مانگ لیتی اس مبارک گھڑی ولید۔'' اس نے کہا نہیں تھا، مگر اس کا انگ انگ کہہ رہا تھا، ولید کی آواز سن کر ساری بیزاریت ختم ہو گئی تھی، حالانکہ کچھ عرصہ پہلے وہ ولید سے بھی گوڈے گوڈے بیزار ہو چکی تھی۔

''کیسی ہو عینی! تم تو اسلام آباد کو ہی پیاری ہو گئی۔'' ولید نے شاید طنز ہی کیا تھا، جو عینی محسوس نہیں کر سکی تھی۔

''کیسی ہو سکتی ہوں؟'' جواباً عینی نے بھی ڈائیلاگ جھاڑا تھا۔

''بہت خوبصورت۔'' ولید کو بھی سارے پتے کھیلنے آتے تھے، اپنی تعریف سن کر عینی کی ساری بیزاریت بھاپ بن گئی تھی۔

''مکھن نہ لگاؤ، کام بتاؤ۔'' عینی نے لجھا کر کہا۔

''حقیقت تو یہی ہے، جو بیان کر دی، تم مانو یا نہ مانو۔'' ولید نے جواباً ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

''اب مطلب کی بات کرو۔''

''کیوں، بہت جلدی ہے تمہیں۔'' ولید کو اس کا رویہ برا لگا تھا۔

''ہاں...... کام بہت ہیں۔'' عینی نے بھی اپنی ٹیوڈ دکھایا تھا، کیا ضرورت تھی، اس کے سامنے بچھ بچھ جانے کی۔

''بہت کام کرنے لگی ہو، یہ معجزہ کب رونما ہوا؟'' ولید نے بھی طنزیہ کہا تھا۔

''جب سے حقیقت میں جینا شروع کیا ہے۔'' عینی نے بھی چبا چبا کر جواب دیا تھا۔

''بہت خوب۔'' ولید نے سراہا۔

''یہ خوش آئند عمل ہے۔''

''فون کرنے کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' عینی نے زیادہ بات طویل کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا، جانتی تھی ولید ایک نمبر کا خود غرض ہے، کام کے علاوہ تو کسی سے بات تک نہیں کرتا، اب بھی کوئی کام ہی ہو گا۔

''سنا ہے نشرہ لاہور آ رہی ہے۔''

''اچھا...... تمہارے ذرائع بہت تیز ہیں، یہاں تو کوئی اطلاع نہیں۔'' عینی نے جل کر کہا تھا۔

''تمہیں شاید مامی نے بتایا ہی نہیں۔'' ولید نے اسے اور تپایا تھا۔

''نشرہ جہاں ہے، وہاں سے آ نہیں سکتی۔''

''گھر آ گئی تو؟'' ولید کا انداز معنی خیز قسم کا تھا۔

''تو پھر تم بھی سلامی دینے آ جانا۔'' عینی نے جل کر کہتے ہوئے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا، اس لمحے اسے خبر ہی نہیں تھی کہ ولید پاکستان نشرہ کے آنے سے پہلے ہی آ چکا تھا۔

دل ہی دل میں ولید کو بے بھاؤ کی سناتی وہ کچن میں آئی تو تب ہی ہمان بھی کچن میں داخل ہوتا دکھائی دیا تھا، شاید کافی بنانے آیا تھا، عینی اپنے کام میں لگی رہی، تبھی ہمان نے اسے مخاطب کیا۔

''شانزے ہماری طرف نہیں آتی؟''

''نہیں۔''

''مگر کیوں؟'' اسے تعجب ہوا، شانزے اور یہاں نہ آئے، یہ ممکن تھا کیا؟

''شاید امام نہیں اس لئے؟'' ہمان نے خود ہی اندازہ لگایا تھا۔

''امام جب تھا وہ تب بھی نہیں آتی تھی؟'' عینی نے اس کی غلط فہمی دور کی تھی، ہمان حیران ہوا تھا۔

''کوئی رنجش چل رہی ہے؟''

''تھوڑی سی کوئی؟'' عینی نے بھی اس کے تجسس کو ہوا دی تھی۔

''مطلب؟'' اب کے ہمان پریشان ہوا تھا۔

''رشتہ ٹوٹ گیا ہے، تب سے ناراضگی ہے دونوں گھرانوں میں، مگر شانزے کبھی کبھار آتی تھی، جب امام بھائی یہاں تھے۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔

''رشتہ ٹوٹ گیا؟ مگر کیسے؟'' ہمان کا رنگ فق ہوا تھا۔

''جیسے ٹوٹتے ہیں رشتے، ویسے ہی ٹوٹا، آپ کی مامی نے جواب دے دیا تھا۔'' عینی نے ہاتھ جھاڑے تھے، وہ ریان کے لئے سریلیک بنا رہی تھی، بن گیا تو اس نے ہمان کو پکڑا دیا۔

''ریان کو سریلیک کھلا دیں، تب تک میں کھانا بنا لوں، پھر اسے سلاتی ہوں۔''

''او کے، ٹھیک ہے تو تم کچن سمیٹ لو، میں ریان کو سلا دوں گا۔'' وہ ملائمت سے بولتا ہوا باہر نکل گیا تھا، عینی اپنے کام میں مصروف ہو گئی، تاہم سوچیں ولید کے گرد ہی چکرا رہی تھیں۔

''ابھی تک نشرہ کو نہیں بھولا، پتا نہیں محبت ہے یا انتقام، خیر جو بھی ہے، میری بلا سے۔'' وہ سر جھٹک کر کھانا بنانے لگی تھی۔

وہ یہ نہیں جانتی تھی، ولید اب کے کون سا منصوبہ لے کر آیا تھا۔

☆☆☆

''اب تم مجھ سے ناراضگی ختم نہیں کرو گے؟'' پلوشہ فون کان سے لگائے ذرا بے بسی سے بولی تھیں، دوسری طرف اس کی مدھم آواز ابھری تھی۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔''

''تو پھر ویک اینڈ پہ گھر کیوں نہیں آئے؟'' انہوں نے بے قراری بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''یہاں اس جگہ سے میں ویک اینڈز پہ نہیں آ سکتا، شاید اگلے دو ہفتے تک بھی نہ آ سکوں۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں بتایا تھا۔

''میں نے سمجھا، تم ہمان کی وجہ سے ابھی تک ناراض ہو۔'' پلوشہ نے دل کی بات کہہ دی تھی، جواباً امام نے ان کی غلط فہمی دور کر دی تھی۔

''ہمان کی وجہ سے میں آپ سے کیسے ناراض ہوسکتا ہوں؟ یہ آپ نے سوچا ہی کیوں؟''

''بس مجھے یہی لگا۔'' وہ دبی آواز میں بولی تھیں۔

''اور آپ سنائیں، شانزے آتی ہے یا نہیں؟ اور عینی کیسی ہے؟'' امام نے بات ہی بدل دی تھی، پلوشہ کے شانزے کے حوالے سے شکوے شروع ہوچکے تھے۔

''بس کیا کہہ سکتی ہوں، شانزے کی اپنی مصروفیت اور بھابھی کا تو نام ہی مت لو۔'' وہ ماموں کے گھرانے سے سخت کبیدہ خاطر تھیں۔

''خیر چھوڑیں، کچھ اور بات کریں۔'' امام نے ایک مرتبہ پھر موضوع تبدیل کیا تھا اور پلوشہ ہمان کے بیٹے کی باتیں بتانے لگ گئی تھیں، وہ اتنا پیارا بولتا ہے اور اتنی شرارتیں کرتا ہے، اس معصوم کھلونے سے ان کا کتنا دل لگ گیا ہے، یہ تو امام [illegible] کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

خالہ بچے کے ساتھ مصروف ہوگئی تھیں، یہ چیز [illegible] اطمینان کے لئے کافی تھی، اب وہ [illegible] کو یاد کر کے روتی نہیں تھیں، امام بھی دلچسپی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

فون بند ہوا تو وہ جاگرز پہن کر باہر آگیا تھا، صبح صادق کا وقت تھا، گلگت پہ صبح صادق کا نور اترا ہوا تھا، اور کہیں دور جھرنوں کی دلنشین آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی۔

وہ پرندوں کی خوبصورت گنگناہٹ سنتا ڈھلوان اترتا پولو گراؤنڈ کی طرف بڑھ رہا تھا، جاگنگ کے انداز میں بھاگتا ہوا، سرخ چہرے کے ساتھ وہ پولو گراؤنڈ کی حدود میں داخل ہوچکا تھا، ایک گہرا طویل سانس بھرتے ہوئے اس نے شان سے کھڑی بالکونیوں والی حویلی کو دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں یادوں کا ایک کارواں اتر آیا، نکھری، ستھری، میٹھی، نمکین اور پھر لہو رنگ یادیں، وہ سر جھٹکتا جاگنگ کرنے لگا، وہ روزانہ پولو گراؤنڈ میں جاگنگ کرنے آتا تھا، اس وقت جہاندار کی جیپ احاطے میں نظر نہیں آتی تھی، شاید وہ صبح سویرے نکل جاتا تھا کبھی کبھار اسے جہاندار وادی کی طرف جاگنگ کرتا بھی دکھائی دیتا تھا، البتہ وہ پولو گراؤنڈ کی طرف نہیں آتا تھا۔

پچھلے چند دن سے وہ جیپ لے جلدی نکل جاتا تھا۔

امام اپنے دھیان میں جاگنگ کر رہا تھا، جب اسے اوپر بالکونی کی طرف سے ''ہیلو'' سنائی دیا تھا، اس نے بے خیالی میں سر اٹھا کر دیکھا، وہاں نیل بر کھڑی تھی، بکھرے الجھے بالوں کے ساتھ، خیر مقدمی مسکراہٹ لئے اور اسے اشارے سے اوپر بلا رہی تھی۔

امام کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بیرونی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا بالکونی میں آگیا، اس پرشکوہ حویلی میں جو دور سے ہی قابل ہیبت دکھائی دیتی تھی، اس کی نخوت سے تنی بالکونیاں امام کو تعجب سے دیکھ رہی تھیں، وقت یقیناً بہت آگے جاچکا تھا، نرم ہتھیلیوں والے بچے جوان ہوچکے تھے۔

''آج میں جلدی اٹھ گئی ہوں، تبھی سوچا، تازہ ہوا کھالوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتارہی تھی۔

''لگتا ہے، آج جہاندار نے ناشتہ نہیں بنایا، تبھی ہوا پہ گزارہ ہو رہا ہے۔'' امام کا انداز شرارتی تھا، نیل بر بھی ہنس پڑی تھی، پھر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئے تھے۔

''آؤ، میں تمہیں اپنے ہاتھ سے ناشتہ بنا کر دیتی ہوں۔''

''میرا ابھی زندہ رہنے کا ارادہ تھا۔'' امام نے ڈرتے ہوئے کہا تھا، نیل بر پھر کھلکھلا کر ہنس

پڑی تھی۔

''اتنی پھوہڑ نہیں ہوں، میں چیز آملیٹ تو بہت اچھا بناتی ہوں۔'' وہ اپنی کارکردگی دکھانے کے موڈ میں نظر آرہی تھی، امام نے بھی اسے کھلی چھٹی دی۔

''او کے، آزما لیتے ہیں، تب تک میں آپ کی شاہانہ حویلی دیکھ لوں۔''

''شیور۔'' نیل بر نے کھلے دل سے اجازت دی تھی، امام دل کی ہزاروں چٹکیوں کے باوجود اوپر نیچے پوری حویلی میں گھومتا رہا، ہر ہال کمرے میں، ہر بڑے برآمدے میں، ہر بڑے گلیارے میں، ایک کمرے میں وہ کافی دیر رکا رہا تھا، یہ ان دونوں کی رہائش تھی، اس کمرے میں تصویریں بھی ٹنگی تھیں، کچھ پرانی، کچھ نئی، جب کافی دیر وہ واپس نہیں آیا تو نیل بر اسے بلانے آگئی تھی، اسے تصویروں کے سامنے کھڑے دیکھ کر مسکرائی۔

''یہ جہاندار کے ساتھ کون کھڑا ہے؟'' امام نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بے خودی سے پوچھا تھا۔

''یہ جہاندار کے بھائی ہیں نا، شیر لالا، اور فرخزاد۔'' نیل بر نے تعارف کروایا تھا۔

''بے چارے اس دنیا میں نہیں ہیں، کتنے بھرپور لوگ تھے، زمین کھا گئی انہیں۔'' نیل بر کو ہمیشہ کی طرح بہت دکھ ہا تھا۔

''ان کا مرڈر ہوا تھا نا۔''

''ہوں۔'' امام نے ہنکارا بھرا اور نگاہیں چرالی تھیں، پھر وہ دونوں باہر نکل آئے، نیل بر اسے بتارہی تھی۔

''جہاندار کو اپنے بھائیوں سے بہت پیار ہے۔''

''بھائیوں سے تو سبھی کو پیار ہوتا ہے۔'' امام کو اچانک اپنا بھائی یاد آیا تھا، جس سے ناراضگی کی وجہ سے وہ گھر ہی نہیں جارہا تھا۔

''جہاندار کو بہت پیار ہے نا وہ اپنے بھائیوں کے مرڈرز کو مارے گا، وہ ان کے خون کا بدلہ لے گا۔'' نیل بر نے دکھی انداز میں بتایا تھا۔

''بدلہ لے سکتا ہے، یا معاف کرسکتا ہے یہ حق اسے اسلام ہمارے مذہب نے دیا ہے۔''

امام نے اس کی بات پہ سر ہلایا، البتہ کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا، نیل بر کو محسوس ہوا تھا، وہ تصویریں دیکھ کر ڈسٹرب ہوگیا تھا، ان تصویروں کو کوئی بھی دیکھ کر ڈسٹرب ہوجاتا تھا، وہ تصویروں میں روشن چہروں والے اتنے ہی بھرپور تھے، کوئی بھی انہیں دیکھ کر مضمحل ہوسکتا تھا۔

امام نے نیل بر کا بنایا ناشتہ بھی برائے نام ہی کیا، شاید نیل بر کی خوشی کے خیال سے، ورنہ اس کا چہرہ اور دل بجھ گیا تھا۔

''اتنی بڑی حویلی میں میرا دل نہیں لگتا۔'' وہ گہری ہوتی خاموشی سے گھبرا کر اسے بتارہی تھی۔

''کوئی ایکٹویٹی بھی تو نہیں اور جہاندار مجھے باہر نکلنے بھی نہیں دیتا، یہاں راستے ہموار نہیں، ڈاکٹر نے احتیاط کرنے کے لئے کہا تھا۔'' وہ بیزار نظر آرہی تھی، امام پہلے تو سمجھا ہی نہیں اور پھر بے ساختہ مسکرا دیا۔

''ہاں، احتیاط تو کرنی چاہیے۔'' اس نے چائے کا آخری سپ لیا اور مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''اتنے مزیدار ناشتے کے لئے ہمیشہ مشکور رہوں گا۔'' وہ کورنش بجا لایا تھا۔

''تم پھر بھی یہاں آ سکتے ہو، مجھے ناشتہ بنا کر خوشی محسوس ہو گی۔'' نیل بر اپنی تعریف پر خوش ہو رہی تھی۔

''مگر مجھے کھا کر اتنی خوشی نہیں ہو گی۔'' وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

''نیکی کا زمانہ ہی نہیں۔'' نیل بر برا مان گئی تھی۔

''اب میں مذاق کر رہا تھا، اب اجازت دیں، چلتا ہوں، پھر خدمت کا موقع دوں گا۔'' وہ مسکراتا ہوا ہاتھ ہلاتا جلدی ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا، نیل بر اسے دور تک جاتا دیکھتی رہی، امام کو دیکھ کر ہمیشہ ایک اپنائیت کا احساس ہوتا تھا، اس احساس کا کوئی نام نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ نشرہ کو لاہور چھوڑ گیا تھا، مورے کو اس نے ایک کہانی سنا کر مطمئن کر دیا تھا وہ دو ہفتوں کے لئے اسے چھوڑ گیا تھا، لیکن جب واپس آیا تب تک ماحول اور حالات عروفہ کی وجہ سے بگڑ چکے تھے، دراصل نشرہ کو لاہور بھیجنا بھی عروفہ کی بدفطرت کا شاخسانہ تھا۔

نشرہ کے خدشات، غلط نہیں تھے، عروفہ نے ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر پورا افسانہ بنا لیا تھا اور صرف افسانہ ہی نہیں بنایا بلکہ مورے کے کان بھی حتی المقدور بھر دیئے تھے۔

''آپ کی نظریں مجھ سے ہٹیں تو کچھ نظر آئے، گھر کے اندر کیا کھیل چل رہا ہے۔'' اس نے ساری بھڑاس نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا، موقع بھی تھا اور وقت بھی، نشرہ کی حمایت کے لئے عشیہ بھی نہیں تھی، میدان صاف تھا، سو عروفہ اس موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتی۔

''کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے لڑکی! ہر وقت شیطانی خیال نہ سوچا کرو۔'' مورے نے اسے جھڑک دیا تھا۔

''آپ کی بند آنکھیں تب کھلیں گی جب ہیام ہاتھ سے نکل گیا، اس سے پہلے وقت ہے اس لڑکی کو فارغ کر دیں۔'' عروفہ نے ہاتھ نچا کر کہا تھا، ساری جلن باہر نکل رہی تھی۔

''بکواس نہیں کرو، وہ بے ضرر لڑکی تمہیں کچھ نہیں کہتی۔'' مورے نے غصے سے کہا تھا۔

''ہیام کو لے اڑے گی، عشق محبت چل رہا ہے، لکھوا لیں مجھ سے۔'' بالآخر اس نے زہر اگل ہی دیا تھا۔

''بکواس نہ کر، میرا بچہ ایسا نہیں۔'' مورے کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

''بچہ نہ سہی، مگر وہ بچی اتنی اچھی نہیں، آپ کا قابل بچہ ہاتھ نہیں آئے گا، جو میں نے دیکھا، وہ آپ دیکھنے سے محروم ہیں۔'' عروفہ نے چبا چبا کر اپنے الفاظ ادا کیے تھے، پہلی مرتبہ مورے بھی چپ ہوئی تھیں، جانے عروفہ نے کیا دیکھ لیا تھا۔

''اس کو بھجوا دیں، جہاں سے آئی ہے، ورنہ ہیام کو بھول جائیں، وہ اس لڑکی کا اسیر لگتا ہے۔'' عروفہ نے ایک اور بم پھوڑا تھا، مورے ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

''الزام مت لگاؤ۔'' ان کی آواز مدہم تھی۔

''یہ الزام نہیں، حقیقت ہے، دونوں کے بیچ کچھ ہے، جو میں نے دیکھا۔'' عروفہ نے اب کے بڑے انداز سے ان کے دل میں شک کا بیج بویا تھا، وہ ٹکر ٹکر بیٹی کو دیکھنے لگیں، انہیں عروفہ کی کسی بات پر یقین نہیں تھا، پھر بھی دل میں کچھ وسوسے پنپ رہے تھے۔

''اتنی تو خوبصورت ہے، کیا خبر ہیام کا دل آ گیا ہو اور اگر ایسا ہوا تو گلالئی کا کیا بنے گا؟ جہاندار نے اپنا عہد نہ نبھایا تو گلالئی عمر بھر کے لئے زندہ درگور ہو جائے گی، پھر کسی کو تو قربانی دینی ہے اور اس قربانی کے لئے ہیام کیوں نہیں اور اگر ہیام نہ مانا تو۔'' مورے کے دل کو کسی نے مٹھی میں دبا دیا تھا۔

''آپ سوچتی رہیں گی تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' عروفہ نے ماں کو سوچوں میں گم دیکھ کر پمپ کیا تھا، لوہا نرم تھا، چوٹ لگانے سے کام بن جاتا، یہ نشرہ عشیہ کے بعد اس کی زندگی کا ایک اور کانٹا تھا، نکل جاتا تو اس کی زندگی میں سکون ہی سکون تھا، پھر اس گھر میں اسی کا راج ہوتا، وہ اپنی مرضی کرتی اور ایک لمبے عرصے بعد خود مختار زندگی جیتی۔

''نشرہ تمہیں پسند نہیں، اس کا یہ مطلب نہیں، تم اسے نیچا دکھانے کے لئے اپنے بھائی کو بھی الزام دو۔'' مورے کا لہجہ مدہم تھا، سچ مچ وہ عروفہ کے خدشات سے خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

''تو پھر خود سوچیں، ہمارا گھر یتیم خانہ ہے یا دارالامان، ہیام اسے ابھی تک یہاں بیٹھائے ہوئے ہے، اگر اس کا کوئی نہیں دنیا میں تو کسی دارالامان میں چھوڑ دے، ہم نے لاوارث لڑکیوں کو سنبھالنے کا ٹھیکہ لے لیا۔'' وہ برابر گل فشانی کر رہی تھی اور ادھر مورے کو اندر ہی اندر بے چینی لاحق ہو رہی تھی، کہیں دل میں کوئی وسوسہ پنپ رہا تھا، شہر کی لڑکی ہیام کا دل نہ لے اڑے، پھر گلالئی کی کہاں گنجائش رہے گی۔

عروفہ کی دہائیوں اور [illegible] کچھ نہ کچھ ہیام کے کانوں تک بھی گئی تھی، تاہم اس نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا تھا اور نشرہ کو کسی بھی بدمزگی سے پہلے لاہور چھوڑ آیا تھا، لیکن اس کی واپسی پر ایک محاذ تیار تھا۔

عروفہ کی بکواس پر مورے کی چپ نے اسے ذرا چوکنا کیا تھا، عروفہ کی بک بک تو وہ کسی کھاتے میں نہیں لاتا تھا، مگر مورے کے سامنے جواب دہ تھا۔

''میرے بچے نشرہ کے حوالے سے بات کرنی تھی، ہم اس کے رشتے دار اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے۔'' انہوں نے اپنی طرف سے بہت طریقے سے بات کی تھی مگر ہیام سمجھ گیا تھا، عروفہ نے ضرور لگائی بجھائی کر دی ہے۔

''اگر ذمہ داری اٹھا سکتے تو میں یہاں نہ لاتا۔'' ہیام نے مختصر جواب دیا تھا۔

''مگر اب تم نے کیا سوچا ہے وہ جوان لڑکی ہے، اس کی شادی نہیں کرنی؟'' مورے شاید طریقے سے بات کر کے اپنے بیٹے کا دل ٹٹول رہی تھیں، وہ بھی انہی کا بیٹا تھا، سیدھی بات کبھی نہ پکڑاتا۔

''یہ ذمہ داری ہماری نہیں اور آپ عروفہ کا سوچیں، نشرہ کا نہیں، اس وقت نشرہ سے بڑا مسئلہ عروفہ کی شادی کا ہے۔'' وہ انہیں اصل موضوع کی طرف لا کر خود منظر سے غائب ہو گیا تھا اور

مورے ایک مرتبہ پھر عروفہ کو دونوں ہاتھوں سے کوس رہی تھیں، جس نے شادی سے انکار کر کے انہیں پورے علاقے میں شرمندہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

نشرہ کی اچانک آمد نے پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔

نومی پورا ایک گھنٹہ چلا چلا کر خوشی کا اظہار کرتا رہا تھا اور تو اور اوپر والی چاچی اور تائی پہ تو شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی، نشرہ کو تو اپنے اس استقبال کی توقع ہی نہیں تھی، کہاں اسے کان سے پکڑ کر بے دخل کر دیا گیا تھا اور کہاں اب اس کے لئے دل اور آنکھیں بچھائی جا رہی تھیں۔

''میری بچی! آنکھیں ترس گئی تھیں، تمہیں دیکھنے کے لئے۔'' تائی اسے کئی لمحے سینے سے لگائے روتی رہیں۔

''شکر ہے، تیرا دل پگھل گیا، بھلا ہو ہمام کا تمہیں چھوڑ گیا، مانو میں تو تمہاری جدائی میں بستر سے لگ گئی تھی۔'' تائی کے اگلے محبت بھرے جملے پر نومی کی ہنسی کا فوارہ چھوٹ پڑا تھا۔

''میں اس جھوٹ کو نہیں مان سکتا۔'' وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

''امی کاموں کے انبار اور بوجھ کی وجہ سے بستر پہ پڑی ہیں، نشرہ کی جدائی میں نہیں یہ اور بات ہے بستر پہ بھی تمہیں ہی یاد کرتی تھیں، اس حقیقت سے انکار نہیں کرتا۔''

''بے غیرت، میری بیٹی کا دل برا نہ کر، اسے پتا ہے، میں زبان کی تیز ضرور ہوں، دل کی بری نہیں۔'' انہوں نے ایک مرتبہ پھر نشرہ کو سینے سے چمٹا لیا تھا، نشرہ اس محبت کے زیر بار ہو چکی تھی۔

دل تو پہلے ہی صاف تھا اور بھی ہو گیا، جو بھی تھا، دنیا میں یہی اس کے خون کے رشتے تھے، حقیقت میں وہ انہیں بہت یاد کرتی تھی۔

تائی نے اتنی خاطر تواضع کی، تین وقت اچھے ہوٹل سے کھانا آتا رہا، چوتھے روز نشرہ نے خود ہی منع کر دیا تھا، تائی نے اسے بہت روکا، مگر اگلے دو دن میں اس نے کچن کے ساتھ گھر کی حالت بھی کچھ نہ کچھ سنوار دی تھی، دو دن میں گھر کا اصل چہرہ نظر آ گیا تھا۔

اسامہ اور نومی حیران رہ گئے، اسامہ کو لگا تھا، وہ کسی اور گھر میں آ گیا ہے، یہی بات اس نے تائی سے بھی کہہ دی تھی۔

''میں کہیں نیند میں تو نہیں۔'' اسامہ سخت حیران تھا۔

''یہ نشرہ کی برکت کے طفیل ہے۔'' تائی نے نہایت محبت سے کہا تھا، اسامہ کو اچھو لگ گیا اور نومی کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا، تائی ان کی شرارت پہ برا مان گئی تھیں۔

''نشرہ! ہم سب کو تمہاری بہت یاد آئی۔'' نومی اسے کوئی سو مرتبہ بتا چکا تھا، نشرہ کا دل مسرور ہو گیا، شکر تھا، ان لوگوں کو اس کی قدر تو یاد آئی تھی، چاہے کسی بھی حوالے سے گھر کا چپہ چپہ نشرہ کی آمد سے مسرور تھا۔

اگلے دن اسے نے مشین لگا کر سارے کشن کورز، پردے، لحاف دھو ڈالے، گھر کے جالے اتارے، فرش صاف کیے، کچن سے پھپھوندی اتاری، فریج صاف کیے، پودوں کی کانٹ چھانٹ کی، کیاریاں سنواریں۔

ایک ہفتے میں پورا گھر چمک گیا تھا، تائی اسے دیکھ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتی تھیں۔

''میرے گھر کا اصل نور تو نشرہ کے دم سے تھا، نشرہ گئی تو ہر سمت اندھیرا چھا گیا۔'' وہ ہر آئے گئے کے سامنے نشرہ کے گیت گاتی تھیں اور نشرہ بے چاری شرمندہ ہو جاتی۔

اس دن بھی نشرہ تائی کے بالوں میں تیل لگا کر فارغ ہوئی تو اچانک اوپر والے پورشن پہ ہلچل محسوس ہوئی تھی، تائی اونگھنے لگیں تو وہ اٹھ کر اوپر آ گئی، اوپر چچا کے پورشن ساتھ وہ کمرہ بھی تھا، جس میں پہلے ولید اور پھر ہمام کا قیام رہا تھا، جیسے ہی اس نے پردہ اٹھایا، دروازہ کلک سے کھلا اور کوئی باہر آیا، سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر نشرہ کو کرنٹ لگا تھا۔

''تم.....'' وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی تھی، اس کے سامنے ولید کھڑا تھا، مسکراتا ہوا، تو ولید بھی یہاں تھا؟ اور اسے تائی نے بتایا ہی نہیں، نشرہ کو چکر سا آ گیا تھا۔

''کیسی ہو نشرہ!'' وہ انتہائی ملائمت سے پوچھ رہا تھا، جیسے ان کے بیچ کچھ ہوا ہی نہ ہو، جیسے اس نے نشرہ کو ذلیل و خوار کیا ہی نہ ہو، جیسے ان کے بیچ بڑے دوستانہ تعلقات ہوں۔

''بہت اچھی ہوں اور بہت خوش بھی۔'' اس کا لہجہ از خود کڑواہٹ سے لبریز تھا۔

''اب میں آ گیا ہوں، تو خوش نہیں ہو گی۔'' ولید کی مسکراہٹ میں شیطانیت چھلک رہی تھی، نشرہ کی آنکھوں میں شرارے پھوٹ پڑے تھے۔

''جتنے کل خبیث تھے، آج اس سے زیادہ خبیث ہو، صد شکر کے خدا نے مجھے تم سے بچا لیا۔'' وہ حقارت سے بولتی ہوئی پلٹ کر نیچے آ رہی تھی، اسے اب تائی کی مکاری پر بھی غصہ آ رہا تھا، جنہوں نے ولید کی آمد اس سے چھپائی رکھی تھی، اس کا منافقوں کے اس دیس سے بھاگ جانے کو دل چاہا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆



بس آئینہ

حنا اصغر

ناولٹ

وہ دو کمرے کا چھوٹا سا فلیٹ تھا لیکن اس کو اس طرح سے ویل آرگنائز کیا گیا تھا کہ دیکھنے والا داد دیے بنا نہیں رہ سکتا، داخلی دروازے کے دائیں جانب دیوار پر انتہائی خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں جو دیکھنے والوں کی نظروں کو خیراں کر دینے کے لئے کافی تھیں۔

دائیں جانب ٹی وی لاؤنج تھا جو کہ کشادہ اور انتہائی صاف ستھرا تھا، لاؤنج میں دو ڈبل صوفے اور دو سنگل صوفوں کے درمیان سینٹرل ٹیبل رکھی گئی تھی جس میں کرسٹل کے ٹر میں پھل رکھے ہوئے تھے، لاؤنج کے عین سا ایک چھوٹے سائز کی ڈائننگ ٹیبل اور چار کرسیا تھیں، ڈائننگ ٹیبل کے دائیں جانب دیوار لکڑی کی الماری تھی جس کے اور شیشے کے ان دروازوں میں سے مختلف کا سمیکس آسانی دیکھی جا سکتی تھیں۔

لاؤنج کے سامنے نسبتاً کونے کی طرف سیڑھیاں تھیں جو کہ اوپر جا کر ٹیرس پہ ختم ہو تی تھیں۔

سیڑھیوں کی ریلنگ پہ ہاتھ ڈوریوں کے مکراموں کے درمیان چھوٹے گملے تھے جن کو انہی ڈوریوں سے ریلنگ کے سروں سے باندھا گیا تھا گملوں سے جھا گل تو پیڑی اور چنبیلی کے سفید پھول اس ریلنگ چار چاند لگا رہے تھے، لاؤنج کے دائیں جانب ایک چھوٹا سا حصہ کچن کے لئے مخصوص تھا ہا بورڈ کے بڑے سے شیلف اور ان پر لگائے جد چولہے اپنی چھپ رکھا رہے تھے جبکہ دیوار المارياں بھی تھیں جن کے بند دروازوں پر چھوٹی بڑی چٹیں لگی ہوئی تھیں کچن کے بائیں جانب ایک کھڑکی تھی جو باہر کو کھلتی تھی، اس ادھ کھلی کھڑکی کے نیچے چھوٹا سا فریزر رکھا ہوا تھا، اس



فریزر پر بھی چھوٹی بڑی پرچیوں کا انبار سا تھا۔

لاؤنج کے عین سامنے قریب قریب دو کمرے تھے جن کے دروازے بند تھے وہ کافی دیر سے انگلیاں چٹخاتے ہوئے شیزہ کو دیکھتی جو حسب معمول پندرہ منٹ سے فون پر بزی تھی مقابل کے آنے کا انتظار کر رہی تھی، اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، لاؤنج کے عین سامنے بند کمروں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول کر ایک نوجوان جس کی عمر چھبیس ستائیس سال کے لگ بھگ تھی باہر آیا اس کا رنگ انتہائی گورا اور دراز اور براؤن بال تھے جس کو جیل کی مدد سے دیو کی طرح کھڑا کر دیا گیا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں سیل فون تھا جس پر وہ ٹائپ کر رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں جوس کا گلاس تھا، ان دونوں پر نظر پڑتے ہی اس نے سیل پر ٹائپ کرنا بند کر دیا اور اچنبھے سے شیزہ کی جانب دیکھ کر چیخا۔

"اوہ مائی گاڈ شیزی تم یہاں؟" اس نے جوس کا گلاس اور فائل سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر شیزی کی جانب بڑھا دونوں انتہائی ماڈرن انداز میں ملے ایک دوسرے کے دائیں بائیں گال پر ہوائی کس کیا اور علیحدہ کی۔

بینش کی نگاہیں بے اختیار جھک سی گئیں، اسے نوجوان نے دائیں ہاتھ میں بے شمار بریسلٹ پہنے ہوئے تھے اور دایاں کان چھدا ہوا تھا اس میں ایک چھوٹا سا سفید رنگ کا ٹوپیس چمک رہا تھا۔

"تم یہاں صبح صبح کیسے آ گئی اور میرا فلیٹ اوپن کر لیا ناں، چورنی تمہاری اس عادت سے میں سخت متوحش رہتا ہوں کس دن میرے فلیٹ کو لٹوا ہی نہ دینا۔" وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"مجھے پتہ ہے دانی میری ایسی حرکتوں کو انجوائے کرتا ہے اس لئے تو کرتی ہوں ایسی حرکتیں، اچھا سنو مجھے تم سے ایک کام ہے۔" شیزی اٹھ کر اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی اتنی دیر میں وہ دونوں اس کا وجود یکسر فراموش کر چکے تھے اس کے چہرے پر پھیلی خفت اور سبکی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"ہاں بولو But who is she?۔"

معاً دانی کو اس سہمی سہمی چڑیا کا خیال آ گیا جو سامنے والے صوفے پر یوں سر جھکائے بیٹھی تھی، جیسے کوئی مجرم جرم کر کے بیٹھا ہو اور اس کو بس سزا سنائی جا رہی ہو۔

"دانی میں اسی سلسلے میں آئی ہوں یہ میری پھپھو کی دور پرے کی رشتہ دار ہے۔" شیزی اس کے قریب ہو کر بیٹھ گئی، اس کا سر اپنے ذکر پر مزید جھک سا گیا تھا، جبکہ دانی کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹک کر رہ گئی تھیں وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھنے لگا۔

"دانی یہ تمہارے ساتھ کام کرنا چاہتی ہے۔" شیزی کی بات کے اختتام پر وہ ایسے اچھلا جیسے اس کو سو والٹ کا کرنٹ لگ گیا ہو۔

"That,s not fair شیزی ایک تو جب تمہیں مجھ سے کام پڑتا ہے تمہیں تب ہی میری یاد آتی ہے تبھی میرے پاس آتی ہو دوسری بات یہ کہ تم ایسی ایسی لڑکیاں لے کر آتی ہو جن کو سکھا سکھا کر میں پاگل ہو جاتا ہوں، یاد ہے ناں وہ کلثوم کے می (K-me) کہلواتی ہے خود کو اب میری تربیت یافتہ تھی۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اس نے جھک کر جوس کا گلاس اٹھایا اور کچن کی جانب بڑھ گیا شیلف پر گلاس رکھنے کے بعد اس نے اپنی شرٹ کی آستین فولڈ کیں، چولہا آن کیا ساس پین میں پانی انڈیلا چولہے پر رکھا اور بولا۔

"اس کے می نے مجھے Cheat کیا ہے احسان فراموش نالائق لڑکی جس کو انگلش کی اے بی سی بھی نہیں آتی تھی اب مارننگ شو ہوسٹ کر

رہی ہے، اوہ مائی گاڈ ڈسکسٹنگ (Discusting) پلیز دانی ضرورت مند ہے یہ پھپھو بتا رہی تھیں پچھلے ماہ ہی اس کے والد کا انتقال ہوا ہے گھر میں صرف یہی بڑی ہے، ایک چھوٹی بہن ہے اور ایک چھوٹا بھائی ہے مکان بھی کرائے کا ہے، اگر یہ Needy نہ ہوتی تو میں کبھی تمہارے پاس نہ آتی۔" وہ اٹھ کر دانی کے قریب جا کھڑی ہوئی تھی وہ اپنا سر دائیں بائیں ہلا کر اپنے گردن کے مسلز کی ایکسر سائز کر رہا تھا۔

"میں نرم دل ہوں اس طرح کی باتوں سے پگھل جاتا ہوں جبھی تم ہر بار ایسی ایسی لڑکیاں تھوپ کر جاتی ہو جو دودھ پینے کے بعد سب سے پہلے مجھے ہی ڈستی ہیں What is her name?۔" اس نے کھولتے ہوئے پانی میں پتی اور چینی ڈالتے ہوئے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

"بینش!"

"ادھر آؤ بینش۔" شیزی کے کہنے پر بینش سرعت سے اٹھ کر ان کے قریب آئی دانی اب سر سے لے کر پاؤں تک اس کو یوں گھور رہا تھا جیسے کھا ہی جائے گا اس کی بے حجاب نگاہوں سے بینش کو سخت شرم محسوس ہو رہی تھی۔

"دوپٹہ گلے میں ڈالو۔" دانی نے ناگواری سے کہا۔

"جی!" بینش کے پسینے چھوٹ گئے۔

"سنا نہیں بینش، دانی نے کیا کہا ہے دوپٹہ اتارو اور گلے میں ڈالو۔" شیزی نے تنبیہ کی وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی اس کا رواں رواں کانپنے لگا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ یہ المینرڈ لڑکیاں ایسے ڈر رہی ہے پتہ نہیں میں نے کیا کہہ دیا ہو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے جھکا ہارڈ بورڈ کے دائیں جانب بنی درازوں میں سے ایک کو کھولا اس میں ایپرن نکالا اور اس کی جانب اچھالا، جس کو بروقت بینشن نے تھام لیا۔

"اس کو پہنو اور یہ دوپٹہ اس کے اوپر پہنو ایڈیٹ۔" وہ چلایا تھا چلانے سے زیادہ اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ نمایاں تھی، بینش نے کپکپاتے ہاتھوں سے ایپرن کھولا۔

"پلیز شیزی ہیلپ ہیر۔" وہ جھنجھلایا ساتھ ہی کپوں میں چائے انڈیلنے لگا، شیزی غصے میں بینش کی جانب بڑی اور اس کے ہاتھ سے ایپرن لے کر بولی۔

"پاگل ہو گئی ہو بینش دیکھا نہیں تم نے وہ اتنی مشکل سے تمہیں رکھنے پہ راضی ہوا ہے اور تم نخرے دکھا رہی ہو خود کو گروم کرو، ورنہ دوسرے دن نکال باہر کرے گا یہ آخری بار ہے میں اس کے بعد بالکل تمہاری مدد نہیں کروں گی۔" وہ ایپرن باندھتے ہوئے مسلسل بول رہی تھی جبکہ بینش سر جھکائے اس کا کہا گیا حرف حرف ذہن نشین کر رہی تھی۔

☆☆☆

ٹیکسی پارکنگ ایریا کے عین سامنے رکی اس نے دائیں ہاتھ میں بندھی گھڑی پر ایک سرسری نگاہ ڈالی دوپہر کے تین بج رہے تھے اس نے جلدی سے اپنا پرس کھولا اور اس میں سے سفید رنگ کا والٹ نکالا پرس کندھے پر ڈالا اور بیوٹی بکس اٹھا کر آگے بڑھی اس کے قدموں میں ہلکی سی لرزش تھی جس کو وہ خود محسوس کر سکتی تھی، اس کی ہارٹ بیٹ بہت تیز ہو رہی تھی خوف کی لہروں نے اس کا چہرہ متغیر کر دیا تھا اس کو یقین ہو چلا تھا کہ آج اس کا یہاں آخری دن ہے، جاب کا یہ آخری آسرا بھی اس سے چھین جانے والا ہے اس کے پاس نہ تو پارلر کا سامان تھا اور نہ تعلیم کے اپنے بل بوتے پر کچھ کر پاتی، ابو کی پینشن سے صرف گھر کا کرایہ بجلی اور گیس کے بل ادا ہوتے تھے اس کی تنخواہ سے گھر کا راشن گڑیا اور اظہر کی فیسیں ادا ہوتی تھیں اس کے سامنے ضروریات

کی نہ ختم ہونے والی لسٹ منہ پھاڑے کھڑی تھی اور تنخواہ جو ملنے ہی والی تھی اب نہیں ملے گی، یہ سوچ کر ہی اس کا دل ڈوبنے لگتا تھا، وہ سیکنڈ فلور میں داخل ہو گئی تھی جوں جوں آگے بڑھ رہی تھی اتنے ہی ہاتھ پیر کپکپاتے جا رہے تھے، تھرڈ فلور میں داخل ہوتے ہی اس کے قدموں میں تیزی آ گئی تھی اس کا سیل مسلسل بج رہا تھا وہ جانتی تھی کہ سدرہ کا فون ہوگا، وہ دانش سیلون کے سامنے رکی، بھانت بھانت کی آوازوں نے اس کا استقبال کیا اس نے اندر جھانکا حسب معمول سب کام میں مشغول تھیں سامنے ہی دانی بیٹھا اپنا ہینڈی کیم چیک کر رہے تھے، اس نے شتر مرغ کی طرح گردن اونچی کر کے اندر جھانکا دل پسلیوں کے پنجرے کو توڑنے کی سر توڑ کوششوں میں سرگرداں تھا، اتنے میں رخ سر دانی نے اسی وقت دروازے کی جانب دیکھا اس نے سرعت سے سر پیچھے کیا، وہ اٹھ کر دروازے کی جانب آئے۔

''آؤ نالائق لڑکی میں تمہارا ہی انتظار کر رہا ہوں۔'' ان کا لہجہ بیگانہ اور سپاٹ تھا اس کے جسم سے جان نکلنے لگی تھی، ان کی پیشانی پر بکھرے ان گنت بلوں نے اس کی آنکھیں دھندلا دی تھیں۔

''اندر آؤ سلی گرل تمہارا سواگت کرنے کے لئے یہاں بیٹھا ہوں۔'' وہ سخت گیر لہجے میں کہتے ہوئے عین اس کے سامنے آ کر رکے۔

''سر السلام علیکم!'' اس نے ان کے بگڑے تیور پہلے ہی ملاحظہ کر لئے تھے اس لئے سرعت سے بولی۔

''وعلیکم السلام! کیا حال چال ہیں چائے پیو گی یا جوس منگواؤ۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولے۔

''اسٹاپ اٹ اندر چلو۔'' وہ تلملائے اور آگے بڑھے وہ ان کے پیچھے چلتی ہوئی ان کے آفس میں داخل ہو گئی تھی، صد شکر کہ کلائنٹ اور ورکرز کے سامنے انہوں نے اس کی کلاس نہیں لی تھی۔

''کیا حرکت کی ہے تم نے آج خود اپنے منہ سے بتاؤ جلدی۔'' انہوں نے ہینڈی کیم ٹیبل پر رکھا اور خود ایزی چیئر پر بیٹھ گئے۔

''سر وہ اصل میں سٹنیر زیادہ گرم ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے مسز انصاری کے کچھ بال برن ہو گئے۔'' اس نے سر جھکا کر کہا اس کی بات کے اختتام پر وہ چلائے۔

''کچھ بال یا بالوں کے گچھے تم نے جلائے ہیں اور کون سی ویکس کر کے آئی ہو کولا ویکس اوہ مائی گاڈ تم جانتی ہو وہ کون ہیں میرا یہ کاروبار ٹھپ کر سکتی ہیں اتنی پاور فل لیڈی ہیں، میری سب سے پرانی کلائنٹ ہیں اگر فریکچر نہ ہوتا ان کے پاؤں میں تو یہاں آ کر تمہاری ٹانگیں توڑ دیتی Now get out you are fire (اب یہاں سے دفع ہو جاؤ تم نوکری سے برخاست ہو) جاؤ یہاں سے ورنہ میرا دماغ اور گھوم جائے گا۔'' وہ اپنی چیئر سے اٹھتے ہوئے بولے تضحیک و توہین کے شدید احساس سے اس کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں، وہ آنکھیں جھپک جھپک کر آنسو پیچھے دھکیلنے لگی تھی۔

''سر میرا قصور نہیں ہے انہوں نے کہا تھا کہ انہیں ہوٹ ویکس سے لاسٹ ٹائم الرجی ہو گئی تھی تو میں نے سوچا کہ کولا کر دوں۔''

''اوہ تو آپ بھی سوچتی ہیں تمہاری اسی سوچ کی وجہ سے میں پچاس ہزار کا کلائنٹ چھوڑ کر ان کی دلجوائی کرنے جا رہا ہوں۔'' وہ اس کے مدمقابل آ کر بولے، اس کی آنکھوں سے آنسو اب تواتر سے بہنے لگے تھے۔

''ایک تو تم لڑکیاں واٹ ربش، جاؤ یہاں سے سدرہ کو بھیجو۔'' وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بولے۔

''جی سر۔'' وہ دروازے تک پہنچی جب اس کے عقب پر ان کی آواز آئی۔

''اور سنو روم نمبر پانچ میں جاؤ میمونہ اور سلمٰی کی مدد کرو۔'' اب کی بار لہجہ نرم تھا، بینش نے ان کی جانب مڑ کر ایسے دیکھا جیسے انہوں نے اچانک اس کو نئی زندگی کی نوید سنا دی ہو، جبکہ سر دانی ایک بار پھر سے اپنا ہینڈی کیم اٹھا چکے تھے۔

☆☆☆

اس کو گھر پہنچتے پہنچتے سات بج جاتے تھے وہ سر دانی کے سیلون سے ساڑھے چھ بجے فارغ ہوتی تھی سر دانی کے سیلون کا پوائنٹ سے فاصلہ بیس منٹ کا تھا جو کہ وہ آمنہ اور عالیہ کے ساتھ پیدل طے کرتی تھی، پوائنٹ پر آ کر لوکل بس کا انتظار عالیہ اور آمنہ کی بے سر و پا باتیں سنتے ہوئے کٹتا تھا، آمنہ اور عالیہ کے لئے پوائنٹ بہترین سپاٹ تھا جہاں وہ سر دانی کے غصے کلائنٹ کے تجزیے اور ان کی اداؤں کو زیر بحث لاتی تھیں، آج کل نئی ابھرتی فنکارہ اور ماڈل انعم کا بار بار سیلون پر آنا اور بات کرنے کے ساتھ ساتھ سر دانی پر فدا ہونا خاص ادا سے اپنے بالوں کو جھٹکنا اور اپنا ہاتھ بار بار دانی سر کے کندھے پر رکھنا وہ ان باتوں کو نہ صرف ڈسکس کر کے ہنس رہی تھیں بلکہ انجوائے بھی کر رہی تھیں، یہاں سال سے زیادہ کام کرتے ہوئے بینش کو اس بات کا اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا تھا مڈل کلاس کی ان لڑکیوں کے پاس ایک فارغ ٹائم میں ان باتوں کو انجوائے کرنا ایک واحد مشغلہ تھا، سارا دن کولہوں کے بیل کی طرح کمانے کے بعد یہ واحد تفریح تھی جس میں بس کا انتظار کرتے ہوئے وہ باتیں کرتی تھیں۔

آمنہ اور عالیہ نے اپنے اپنے گھروں میں کم اشیاء کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پارلر بنائے ہوئے تھے جب بھی وہ یہاں سے فارغ ہوتی تھیں تو اپنے پارلر پر کام کرتی تھیں آمنہ نے فیشل کے دو پیک لئے تھے اس کے علاوہ سٹیٹر ہیر ڈرائیر اپنے پیسے بچا بچا کر خریدے تھے مختلف کمپنیز اور ان کی کوالٹیز کو ڈسکس کرتی تھیں، عالیہ تو کافی بار سر دانی کے کلائنٹ پر بھی ہاتھ صاف کر جایا کرتی تھی کبھی کسی کلائنٹ کو باتوں باتوں میں اتنا متاثر کر دیتی کہ الٹرا ماڈرن لڑکیاں اس کو کچھ دے دیتی وہ تو وہ سرعت سے اپیرن کی جیب میں ڈال دیا کرتی تھی، ایسا واقعہ آج بینش کے ساتھ بھی ہوا، سر دانی نے مسز اعظم کا مساج کرنے کو کہا، ایزی چیئر پر لٹا کر جیسے ہی اس نے ان کا مساج شروع کیا اس کی انگلیوں کے پوروں کا جادو تھا کہ وہ سو گئی تھیں مساج کے اختتام پر اس نے یونہی فروٹ ماسک لگایا وہ ایکدم جاگی انہوں نے بغور خاص اس کو بلایا اور ہنستے ہوئے سر دانی سے بولی۔

''اس بچی نے ایسا مساج کیا ہے یقین کرو میں تو سو گئی تھی اتنی زبردست ڈیپ کلینزنگ شاید ہی کسی نے پہلے کی ہو گی امبر نے آ کر مجھے جگایا کہ میم آپ کی کلینزنگ ہو چکی ہے۔'' انہوں نے بات کرنے کے ساتھ پرس سے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

''لے لو یہ تمہارے لئے ہے تمہارا انعام۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں اس نے دانی سر کی جانب دیکھا دانی سر نے اثبات میں سر ہلا دیا، اس نے ہچکچاتے ہوئے پیسے لے لئے اور ان کے جانے کے بعد جیسے ہی اس نے وہ نوٹ سر دانی کو دیا تو وہ اپنی جگہ سے ایسے اچھلے جیسے اس نے کوئی سانپ بچھوان کی جانب بڑھا دیا ہو۔

''سر یہ وہ لیڈی۔''

''اوہ مائی گاڈ ڈفر لڑکی یہ تمہارے لئے ہے نہ میں اتنی چھوٹی سوچ کا مالک ہوں اور نہ ہی میرا دل اتنا چھوٹا ہے، اگر کوئی کلائنٹ اپنی مرضی سے میری کسی لڑکی کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے میرے سیلون میں کتنی ہی ایسی لڑکیاں ہیں جو میری نظروں کے پیچھے اور سامنے مجھ جل دیتی ہیں میری نگاہوں کے سامنے میرے کلائنٹ سے

ٹپ لیتی ہیں، میری غیر موجودگی میں دو ایک ایسی بھی ہیں جو سیلون کی اشیاء اپنے بیگز میں رکھ لیتی ہیں لوشن اور کریموں کی خالی بوتلیں سیلون کی پروڈکٹ سے بھرتی ہیں جب سی سی کیمرے آن ہو یا آف ہو، ان کو کسی سے ڈر نہیں لگتا نہ خود سے نہ اپنے ضمیر سے میں کچھ نہیں کہتا نہ جتلاتا ہوں نہ ان پر ظاہر ہونے دیتا ہوں کہ مجھے سب پتہ ہے، رزاق وہ ہے اس نے ہر انسان کی قسمت میں رزق لکھا ہے اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی قسمت میں لکھے ہوئے رزق کو خود کے لئے حلال کرتا ہے سہل کرتا ہے نیت بھری ہوئی ہو تو دو نوالوں سے پیٹ بھر جاتا ہے نیت میں کھوٹ ہو تو دو روٹیاں بھی پیٹ نہیں بھر سکتیں، ہماری نیت میں کھوٹ ہو تو منزل کے رستے ہم سے دور کر دیئے جاتے ہیں اس وقت پاکستان کے پانچ بڑے شہروں میں میرے سیلون کی شاخیں ہیں میں بیرون ملک اور اندرون ملک شوز کے لئے جاتا ہوں ایکٹرز میرے ساتھ کام کرنا پسند کرتی ہیں میرے تیار کردہ ہیر ایکسپرٹ مختلف چینلو پر نظر آتے ہیں ایک ایسا وقت بھی تھا جب میں تمہاری طرح ڈرا سہما یہیں کھڑا تھا تمہاری طرح آنکھیں پھیلائے تذبذب کا شکار حلال اور حرام کے درمیان الجھا ہوا اور تب میں نے ایمانداری کو چنا، وہی ایمانداری اس وقت میرے ساتھ تھی اب بھی میرے ساتھ ہے خون کے رشتے کب بچھڑے کب ملے خبر نہیں لیکن اس ایمانداری کا م سے لگن اور محنت نے مجھے سب کچھ دیا رزق بھی اطمینان بھی اللہ سے دوستی بھی، اوہ مائی گاڈ تین بج گئے جاؤ لڑکی تم یہاں ٹھہر کر اپنا اور میرا وقت برباد کر رہی ہو ناؤ گیٹ آؤٹ کام کرو اپنا۔"

ایکدم سے وہ دھاڑے تھے وہ جو محویت سے ان کی باتیں سن رہی تھی اپنی جگہ سے اچھل پڑی، روم میں آئی لڑکیاں ہنس پڑی تھیں، ان کے بقول بینش کو دیکھتے ہی سر دانی کو غصہ آنے لگتا ہے۔

"اوہ محترمہ وین آ گئی ہے چلو اب۔" آمنہ کے ٹھوکا دینے پر وہ ایکدم سے جاگی اور پھر سر جھٹک کر اس دھکم پیل کا حصہ بن گئی۔

☆☆☆

گھر پہنچتے پہنچتے اس کو نہ صرف شام ہو گئی تھی بلکہ وہ کافی تھک بھی چکی تھی گھر داخل ہوتے ہی اس کو غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا برآمدے میں رکھے مالٹوں اور آلو کی بوری نے اس کو احساس دلایا تھا کہ یقیناً پھپھو گاؤں سے آئی ہوئی ہیں، ایک خوشگوار حیرت نے اسے اپنے حصار میں لے لیا اس کی ساری تھکن پل بھر میں دور ہو گئی وہ جلدی سے اندر داخل ہوئی سامنے پلنگ پر پھپھو اماں کے پاس بیٹھی نظر آئیں ان کے ساتھ صفیہ بھی موجود تھی۔

"السلام علیکم!" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"میری بیٹی آ گئی ہے۔" وہ گلے ملتے ہوئے بولیں۔

"کیا پھپھو اتنے عرصے بعد آئی ہیں اور بتایا بھی نہیں مجھے آپ نے، میں جلدی آ جاتی۔" اس نے شکوہ کیا۔

"میری پیاری دھی اچانک سے آنا ہوا ہے صفیہ کی منگنی ہونے جا رہی ہے اس کا سامان لینا تھا ساجد کہنے لگا امی آپ جا رہی ہیں تو صفیہ کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں، اچھا اپنی مرضی سے شاپنگ کر لے گی۔" اس نے شرمائی بجھائی سی صفیہ کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا جس کا چہرہ اس کے اس طرح دیکھنے پر سرخ پڑ گیا تھا، ابو کی اچانک وفات کے بعد باقی عزیز رشتہ داروں کے برعکس واحد پھپھو تھیں جو ان کو نہیں بھولی تھیں ہر ماہ وہ گاؤں سے ساجد کے ہاتھ کوئی نہ کوئی سوغات بھیجتی تھیں اور اکثر خود بھی آ جایا کرتی تھیں ان کی لائی ہوئی اشیاء سے کئی دن تک راشن کا مسئلہ حل ہو جایا کرتا تھا ورنہ ابو کی پینشن میں صرف گھر کا کرایہ بجلی اور گیس کے بل ہی ادا ہو سکتے تھے۔

"ساجد کہاں ہے؟" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ اظہر کے ساتھ باہر گیا ہے اور تو سنا بھابھی نے بتایا تھا تو پارلر میں کام کرنے لگی ہے۔"

"جی پھپھو۔" اس نے سر جھکا لیا جانتی تھی پھپھو مذہبی خیالات کی حامل خاتون ہیں انہوں نے تو کبھی بال ہی نہیں کٹوائے تھے، کجا ایسی خرافات کو وہ کیونکر پسند کرتی، وہ جوان سے بہت کچھ سننے کی توقع کر رہی تھی ان کے اثبات میں سر ہلا کر چپ کر جانے پر حیران ہوئی، البتہ تسبیح کے دانے گراتی انگلیوں کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی لیکن زبان پر پڑ جانے والا قفل نہیں ٹوٹا تھا، اس نے ٹھنڈی سانس لی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پھپھو میں کپڑے تبدیل کر لوں۔"

"ہاں میرا بیٹا جاؤ اللہ ہمت دے۔" وہ آہستگی سے چلتی ہوئی کچن میں آ گئی، جہاں امی رات کا کھانا بنا رہی تھیں۔

"آ گئی تم۔" انہوں نے مصروف سے انداز میں اس کو دیکھا اور پھر سے اپنے کام میں مگن ہو گئیں۔

"امی کیا بنا رہی ہیں؟"

"چکن آلو بنا رہی ہوں، آپا کافی سامان لائی ہیں لیکن اچھا نہیں لگتا ان کی لائی چیزوں کو پکا کر ان کے سامنے رکھ دیتی۔"

"جی امی ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" اس نے پرس میں سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور ان کی جانب بڑھایا انہوں نے اچنبھے سے اس کی جانب دیکھا۔

"یہ کہاں سے آئے ہیں؟"

"ایک کلائنٹ نے دیئے ہیں۔"

"شکر ہے اللہ پاک کا بینش میرے پاس صرف سو روپے باقی بچے تھے اور میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ کل کھانے میں کیا پکاؤں گی، دیکھو اللہ کتنا مسبب الاسباب ہے پورا دن میں اسی نہج پر سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کرتی رہی ہوں کہ صبح ناشتے اور کل کھانے میں کیا کروں گی اور دیکھو اللہ پاک نے کیا سبب بنایا انسان بڑا ناشکرا اور جلد باز ہے اللہ پاک کی حکمت اور اس کی تدبیروں کو ہم جیسے ناقص انسان نہیں سمجھ سکتے۔"

"کیا باتیں ہو رہی ہیں ماں بیٹی میں؟" ساجد کی زندگی سے بھرپور آواز پر وہ دونوں چونکیں، اس نے ساجد کی جانب دیکھا جو پہلے سے کہیں زیادہ بہتر اور جاذب نظر ہو گیا تھا، کشادہ پیشانی پر آتے براؤن بال صبیح پیشانی گندمی رنگت وہ کہیں سے بھی گاؤں کا پروردہ نہیں لگتا تھا۔

"کچھ خاص نہیں تمہاری برائیاں کر رہے تھے ہم دونوں۔" بینش نے شرارت سے اس کی جانب دیکھا۔

"یعنی میں اتنا اہم ہوں کہ مس بینش قیوم مجھے یاد رکھتی ہیں میری باتیں کرتی ہیں ایسے تو حالات نہیں۔" آخری جملے اس نے دانستاً سرگوشی میں کہے لیکن سرگوشی اتنی بلند ضرور تھی کہ اس تک با آسانی پہنچ جائے اس نے گھور کر اس کی جانب دیکھا جو مسکراتی نگاہوں سے اسی کو دیکھ رہا تھا، امی سالن بھوننے میں مگن تھیں۔

"میں کپڑے تبدیل کر لوں۔" اس نے کنی کترانے کے انداز میں بات بدل دی ورنہ اس کی شوخ اور والہانہ بولتی نگاہوں کے عنوان کچھ اور ہی کہہ رہے تھے، وہ دونوں بازو لپیٹے ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے راستہ چاہیے ساجد۔" وہ منمنائی تھی۔

"لے لو رستہ میرے تمام رستے تمہارے ہی تو ہیں۔" وہ کہہ کر ایک طرف ہوا تھا وہ سرعت

سے اس کے پہلو سے ہوتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

"ارے تم سوئی نہیں ابھی تک؟" وہ باغیچے کے قریب کھڑی چائے پی رہی تھی اس کی نگاہیں باغیچے کے وسط میں اور دھیان کہیں اور تھا، پیچھے سے آتی آواز پر وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی ساتھ میں ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے کا کپ چھلک گیا تھا چائے چونکہ نیم گرم تھی اس لئے بچت ہو گئی تھی اس نے گھور کر مقابل کو دیکھا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔" اس کے چہرے پر حیرت عیاں تھی وہ اس کی یہاں موجودگی پر حیران تھی کیونکہ سب سو چکے تھے، پڑھتے پڑھتے وہ تھک گئی تو چائے کا کپ لے کر یہاں نیم اندھیرے میں آ کھڑی ہوئی تھی وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پہلو میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیسی ہے میری دوست کافی عرصہ ہو گیا تم سے رابطہ ہی نہیں کر سکا ماموں کی وفات کے بعد یہاں آتا رہا ہوں لیکن جب بھی آتا تھا تم گھر پر نہیں ہوتی تھیں اور مجھے واپس جانا ہوتا تھا بارہا دل نے چاہا کہ تم سے رابطہ کروں لیکن پھر گھر کے مسائل منہ پھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔" وہ ایک لمحے کو چپ ہوا، بینش نے تحیر آمیز آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

"کیسے مسائل ساجد، میں نہیں سمجھی۔"

"صائمہ روٹھ کر گھر آ بیٹھی تھی، دو ماہ لڑائی جھگڑوں کی نذر ہو گئے، ماجد بھائی سعودیہ جانا چاہ رہے تھے اور صائمہ اکیلے گاؤں میں رہنا نہیں چاہتی تھی لیکن آخر وہی ہوا دو ماہ روٹھ کر بٹھانے کے باوجود وہ سعودیہ چلے گئے اور صائمہ واپس سسرال چلی گئی، ابا جی بیمار پڑ گئے، صفدر بھائی علیحدہ ہو گئے ہیں میں اسی ٹینشن میں بی اے کے پیپرز نہیں دے سکا، مجھے ابا جی کی وجہ سے زمینوں کا کام سنبھالنا پڑا۔"

بینش کو اس پر بہت حیرت ہوئی وہ اتنے عرصے سے یہاں آتا رہا تھا لیکن اس نے ان مسائل کا ذکر تک کسی سے نہیں کیا جو سب اب اس کو بتا رہا تھا۔

"اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے ہمیں بتایا ہی نہیں ساجد۔" اس نے شکوہ کیا وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"کیسے بتاتا ماموں کی وفات کے بعد تم لوگ خود اپنے مسائل میں الجھ گئے تھے میرا اظہر سے رابطہ رہا ہے اسی نے بتایا تم نے سیلون میں کام شروع کر دیا ہے پڑھائی چھوڑ دی ہے اور لڑکیاں سکول جاتی ہیں۔"

بینش کو دھچکا سا لگا، اظہر ساجد سے رابطے میں تھا لیکن اس نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ اپنے عزیزوں میں سے کسی کے رابطے میں ہے۔

"صفیہ کے سامان کا تو ایک بہانہ ہے میں یہاں ایک اور کام سے آیا ہوں۔" اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا بینش کی تمام حسیات ایکدم سے بیدار ہوئی وہ انتہائی غور سے اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔

"کون سا کام ساجد؟" اس نے آئی بروا اچکا کر اس کی جانب دیکھا جو جیب سے لفافہ نکال چکا تھا اور اب اس کے آگے کر رہا تھا۔

"یہ کیا ہے ساجد؟"

"پلیز بینش وعدہ کرو انکار نہیں کرو گی، بینش تم نے ایف اے کے بعد تعلیم چھوڑ دی ہے یہ سن کر بالکل اچھا نہیں لگا، میں نے پتا کیا ہے گورنمنٹ ڈگری کالج میں ایڈمیشن اوپن ہیں تم بی اے میں ایڈمیشن لے لو بے شک کم کلاسز اٹینڈ کرنا لیکن ریگولر پڑھ لو ماموں کی بھی یہی خواہش تھی کہ تم ماسٹرز کرو اور میری بھی یہی خواہش ہے بینی۔" بینش نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا ہماری زندگی میں کتنے ہی ایسے لوگ آتے ہیں جو ہماری راہ میں بچھے کانٹوں کو اپنی پلکوں سے اٹھانے کی سعی کرتے ہیں اور کتنے ہی ایسے ملتے ہیں جو ہمہ وقت راہ میں کانٹے بچھانے کی تگ و دو میں رہتے ہیں اس کے لئے ساجد ہمیشہ ہی معاون اور ہمدرد رہا تھا، دور تھا لیکن بے خبر نہیں تھا اس سے متعلق وہ ہر بات سے آگاہی رکھتا تھا۔

"لیکن ساجد میں یہ نہیں لے سکتی پلیز تم اس کو رہنے دو میں کوشش کروں گی کہ بی اے ریگولر نہ سہی پرائیویٹ ہی کر لوں۔" وہ اپنے گالوں پہ پھیلے ہوئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"بینش اس میں صرف دس ہزار ہیں یہ اتنی بڑی رقم نہیں ہے اور اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ تم یہ رقم نہیں دے سکتیں نہ بحیثیت دوست کے اور نہ ہی بحیثیت کزن کے تو پھر تم اس رقم کو ادھار لے لو جب تمہارے پاس رقم آئے تو مجھے واپس کر دینا لیکن پلیز انکار نہ کرنا یہ تمہارے مستقبل کا سوال ہے۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لفافہ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا، وہ ابھی بھی تذبذب کا شکار تھی، اس نے منع کرنا چاہا لیکن ساجد نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

"بینش انا اور خود داری بہت اچھی چیز ہے لیکن یہ معاملہ میرا اور میری دوست کا ہے اور پلیز اب ہم اس موضوع پہ بات نہیں کریں گے۔" وہ موضوع تبدیل کر گیا تھا نہ چاہتے ہوئے اس کو بھی اپنا دھیان بٹانا پڑا۔

☆☆☆

اگلے دن ساجد، پھپھو اور صفیہ گاؤں چلے گئے تھے وہ چاہتے ہوئے بھی ان کو ٹائم نہیں دے پائی تھی سیلون میں بہت زیادہ کام تھا دوسرا سر دانی بھی موجود نہیں تھے ان کی موجودگی میں اکثر اوقات چھٹی مل جاتی تھی لیکن غیر موجودگی میں ان کی معاون سدرہ ان پر زیادہ سختی کرتی تھی، اسی وجہ سے اکثر لڑکیاں سدرہ کو نہ صرف ناپسند کرتی تھیں بلکہ اس پر طرح طرح کے لطیفے بناتی تھیں، جو کہ اس کی موجودگی میں اشاروں کنایوں میں ایک دوسرے کو سنائے جاتے تھے۔

"بینش سر دانی کا فون ہے تمہارے لئے، ان کے آفس جا کر بات کر لو۔" وہ ویکس کر رہی تھی جب امبر مصروف کے سے انداز میں ویکس روم میں داخل ہوئی، اس کے ساتھ چھ سات اور لڑکیاں وہاں موجود تھیں۔

"وہ میں ویکس کر رہی ہوں۔" اس نے مصروف و مگن انداز میں کہا۔

"میں کر دیتی ہوں تم جاؤ آفس میں جا کر ان کی بات سنو۔" وہ اپنے ہاتھوں سے گلوز اتارتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی پہلے پہل ویکس کرتے ہوئے لڑکیاں گلوز کا استعمال نہیں کرتی تھیں لیکن کچھ نک چڑھی ماڈلز کی وجہ سے دانی سر نے خاص ہدایت کی تھی کہ ویکس کرتے ہوئے گلوز کا استعمال لازمی کیا جائے وہ آفس روم میں آ گئی تھی، سدرہ وہاں بیٹھی فون پر بات کر رہی تھی۔

"جی سر آ گئی ہے بات کر لیں۔" اس نے فون اس کی جانب بڑھایا۔

"ہیلو السلام وعلیکم سر!"

"وعلیکم السلام کیسی ہو بینش۔"

"سر میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"الحمدللہ میں بھی ٹھیک ہوں، بینش آفس میں جو سینٹرل ٹیبل ہے اس کے دائیں جانب والی دراز کھولو۔"

"جی سر۔" وہ مستعدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے سینٹرل ٹیبل کے دائیں جانب والی دراز اوپن کی لیکن وہ اوپن نہیں ہوئی۔

"سر اوپن نہیں ہو رہی۔"

"ایسا کرو پہلے اپنی جانب کھینچو اور پھر واپس اندر کی جانب دھکیل کر کھولو۔" اس نے ویسا ہی کیا دراز کھل گئی۔

"سر کھل گئی ہے۔"

''اس میں دیکھو بلیک ڈائری کے نیچے ایک Envolop پڑا ہوگا وہ لے لینا تمہاری تنخواہ ہے میں دینا بھول گیا اور ہاں اپنا نمبر مجھے سینڈ کر دو۔''

''جی سر۔'' وہ فون بند کر چکے تھے، اس نے ان کو اپنا نمبر سینڈ کیا، دراز بند کی اور باہر نکل آئی، اس کو گونا گوں خوشی کا احساس ہو رہا تھا جو کہ اس کی رگ و جاں میں فرحت و تازگی کا باعث بن رہا تھا ابھی صبح ہی تو امی پوچھ رہی تھیں بینش تمہیں تنخواہ کب ملے گی راشن ختم ہوگیا ہے تمہاری تنخواہ آئے گی تو مہینے کا راشن ڈلوا لونگی اور آج وہ سدرہ سے بات کرنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ سر کا خود ہی فون آ گیا، اس کے دل میں سر دانی کے لئے عزت اور احترام اور زیادہ بڑھ گیا تھا، وہ دور بیٹھ کر بھی اپنے ورکرز کا اتنا خیال رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ سر دانی کے متعلق کبھی کسی نے ایسی ویسی بات نہیں کی تھی، سب دل سے ان کی عزت کرتی تھیں اور اب اس فہرست میں وہ بھی شامل ہوگئی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے سامنے بکس کھولے بیٹھی تھی ساجد کے بے حد اسرار پر اس نے نہ صرف ایڈمیشن فارم جمع کرا دیئے تھے بلکہ فیس کے واؤچر بھی سمٹ کر لئے تھے بکس خریدنے کے بعد وہ رات گئے ان کو پڑھتی اس کو اپنی لایعنی سوچوں سے چھٹکارہ مل گیا تھا، مستقبل کی فکروں اور اندیشوں نے اس کی جان چھوڑ دی تھی، سیلون سے آتے ہی وہ رات کے برتن دھوتی چائے بنا کر اپنے کمرے میں آ جاتی اور بکس کھول کر بیٹھ جاتی تھی، اس کا فون بج رہا تھا، اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا ان نون نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

دوبارہ مسلسل بیل آنے کے بعد بھی اس نے کال ریسیو نہیں کی تھی اب اسکرین پر ایس ایم ایس جگمگا رہا تھا، اس نے ایس ایم ایس اوپن کیا۔

''Receive my call, I am dani۔'' سر دانی کے میسجز دیکھ کر آنے والی کال ریسیو کی۔

''ہیلو السلام علیکم سوری سر، مجھے نہیں پتہ تھا یہ آپ کا نمبر ہے۔'' اس کا دل دھڑکنے لگا تھا شاید آج پھر اس نے کوئی غلطی کی ہوگی جبھی تو سری لنکا میں ہونے کے باوجود وہ اس کو کال کر رہے ہیں۔

''اٹس او کے کیا کر رہی ہو؟ کہیں میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا۔'' ان کے انداز کے ساتھ لہجے میں بھی تشویش تھا جو گواہی دے رہا تھا کہ آج اس نے کوئی گڑبڑ نہیں کی اس نے ٹھنڈا سانس لیا۔

''نہیں سر بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کیا میں چائے پی رہی ہوں۔''

''دیٹس گڈ کس نے بنائی ہے چائے؟'' ان کا پرسکون انداز اس کے لئے حیرت کا باعث تھا ورنہ وہ تو ہمہ وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے تھے۔

''سر میں نے خود بنائی ہے۔''

''ایک کپ مجھے بھی پلا دیتی لیزی گرل۔'' ان کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''سر یہ ٹیلی فونک چائے ہوگی جو میں ٹیلی فون سے بھیجونگی اور آپ سری لنکا میں بیٹھ کر پئیں گے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی اس کا ڈر خوف ایکدم سے اڑن چھو ہو گیا تھا۔

''تو کیا ہوا میں تمہاری چائے میں بھی شکر کی مٹھاس کو ابھی بھی اپنے حلق میں محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولے کچھ ایسا تھا ان کے لب و لہجے میں بدلے انداز و اطوار میں جو بینش کو ایکدم سے خاموش کر گیا تھا، اس کا دل یکبارگی عجیب سی لے میں دھڑکنے لگا۔

''موسم کیسا ہے پاکستان کا؟''

''سر ہلکی ہلکی ہوا چل رہی ہے نہ سردی ہے

نہ گرمی۔''

''یعنی بہار کا موسم ہے۔'' وہ بات کاٹ کر بولے۔

''جی سر!''

''تم مجھے سر نہ کہو دانی کہو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔'' ان کے الفاظوں پر وہ بھونچکی رہ گئی، ان کا متلون مزاج ہونا سب پر عیاں تھا سب جانتے تھے لیکن آج بطور خاص اس کو فون کر کے اس طرح کی گفتگو کرنا اس کے لئے باعث تشویش تھا۔

''چھوڑو سلی گرل تمہیں ایک بات بتاتا ہوں میں خود بھی اب تک حیران ہوں تمہیں اس کی بھی حیرت ہوگی، تھوڑی دیر پہلے میں شوٹ سے فارغ ہو کر نکلا یہاں اچھی خاصی سردی ہے بیچ راستے میں میری کیب خراب ہوگئی میں کیب سے باہر نکلا اور اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا جبکہ ڈرائیور ڈگی کھول کر کچھ چیک کر رہا تھا، تھکن سے میرا جسم چور تھا اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں، میری آنکھیں بند ہوگئی اور Can you imagive آنکھیں بند کرتے ہی تمہارا تصور ابھرا جب تم پہلی بار میرے سامنے میں آئی تھیں، میں تمہیں سوچنے لگا سوچتے سوچتے کتنا وقت گزر گیا پتہ بھی نہیں چلا چونکا تب جب ڈرائیور نے کہا کیب ٹھیک ہوگئی ہے، میں کیب میں بیٹھ چکا تھا لیکن سفر بدلے ہوئے دانش کے ساتھ ہم سفری رہی، کھڑکی کے شیشوں سے اندر آتی ہوا تمہاری یاد کو ساتھ لائی، میں تمہارے تصور میں اس قدر گم رہا کہ ہوٹل پہنچ کر کھانا کھانے کے دوران بھی اس تصور سے رہائی نہیں مل پائی۔'' ان کی آواز کٹ کٹ کر آنے لگی تھی اور پھر کال ڈسکنیکٹ ہو چکی تھی اس نے بے اختیار اپنے رخسار پر ہاتھ رکھا، وہ انگارے کی طرح دہک رہا تھا جبکہ اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے باہر نکل آئے گا، اگلے دن تک وہ دانش سر کی باتوں کے حصار میں رہی آمنہ نے بارہا پوچھا کہ کہاں کھوئی ہوئی ہو لیکن وہ ٹال گئی۔

''سر دانی کب آ رہے ہیں؟'' میم شانز نے سدرہ میم سے پوچھا، مساج کرتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک لمحے رکے تھے اس کی ساری سوئی ہوئی حیات سر دانی کے نام سے بیدار ہوگئی تھی۔

''نیکسٹ سنڈے تک آ جائیں گے۔'' وہ مگن کے سے انداز میں بولی تھیں ان کے جواب نے اس کے دل کے اندر ایک بار پھر سے محشر برپا کر دیا تھا۔

☆☆☆

''کیا کر رہی ہو؟'' اگلے دن رات کو پھر کال آئی اور دھیمے لہجے میں سوال کیا گیا۔

''پڑھ رہی ہوں؟'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''بی اے کر رہی ہو؟''

''جی سر!''

''اچھی بات ہے تمہیں پتہ ہے میری ایجوکیشن کتنی ہے تم یقین نہیں کرو گی بی اے ہاہاہا۔'' وہ قہقہہ بار ہوئے۔

''میں نے دو ماسٹرز کیے ہیں ماسٹر ان پولیٹیکل سائنس اور ماسٹر ان کمپیوٹر سائنس، کیوں لگتا نہیں ہوں۔''

''پتہ نہیں سر میں نے کبھی غور نہیں کیا۔''

''کمال ہے تم نے مجھ پر غور نہیں کیا حالانکہ میرا خیال تھا تمہیں مجھ پر غور کرنا چاہیے تھا، کیونکہ میں نے تم پر غور کیا ہے سب سے زیادہ اس وقت سے جب تمہیں پہلی بار دیکھا اور دل نے سگنل بجا دیئے تھے۔''

وہ بول رہے تھے اور وہ خاموشی سے سن رہی تھی جبکہ اس کا دل ہنوز بدگمان تھا اتنی ساری لڑکیوں میں انہوں نے اس کا انتخاب کیوں کیا، ٹائم پاس کرنے کے لئے، لیکن ٹائم پاس کرنے کے لئے ان کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا وہ کسی

بھی لڑکی کے ساتھ ٹائم پاس کر سکتے تھے، سلیون میں یہ بات مشہور تھی کہ سردانی پر لڑکیاں مکھیوں کی طرح گرتی ہیں اور پھر ان کا مغرورانہ انداز تخاطب اور متلون مزاجی ان لڑکیوں کو ان سے دور کر دیتی تھی۔

''کیا ہوا سو گئی ہو کیا؟''

''نن...... نہیں تو...... وہ سر آپ اور انعم۔''

اس سے آگے اس سے کچھ بولا نہیں گیا تھا اور نہ ہی اس سے آگے سوالات و جوابات کی ہمت تھی۔

''وہ اسٹوپڈ لڑکی میں نے ہزار بار اس کو سمجھایا کہ وہ میرے ٹائپ کی نہیں ہے، میں نے اس کو ایک دو ڈائریکٹرز سے انٹرڈیوس کرایا ہے لیکن وہ محترمہ تو میرے پیچھے ہی پڑ گئی، یہاں سری لنکا آ کر میری جان چھوٹی ہے ان سے، اوہ تو تم مجھ پر شک کر رہی ہو میں ایسا نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے اس طرح کی لڑکیوں میں کوئی انٹرسٹ ہے۔'' وہ اس کو وضاحت دے رہے تھے لیکن کیوں یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''Now forget it میں سری لنکا سے تمہارے لئے ایک زبردست فیشل پیک لا رہا ہوں ویسے لا تو میں سب کے لئے ہی کچھ نہ کچھ رہا ہوں لیکن تم اسپیشل ہو، اوہ ڈیم اٹ میری بیٹری لو ہو رہی ہے اوکے پھر بات ہو گی اوکے بائے۔'' حسب معمول وہ اپنی سنا کر فون بند کر چکے تھے اور اس کے دل کے تارکسی اور ہی الاپ پر مچلنے لگے تھے جس کو سوچ کر ہی وہ کپکپا جاتی تھی اس نے یہ سوال خود سے بارہا کیا تھا کہ کیا وہ سردانی سے محبت کرنے لگی ہے اور ہاں کے جواب پر اس کے رخساروں پر دوڑنے والی سرخی اور ان کے نام پر دھڑکنوں کے ارتعاش نے اس بات کا اثبات میں جواب دیا تھا وہ خوف زدہ ہو گئی تھی کیا وہ ان بے شمار لڑکیوں میں شامل ہو گئی ہے جن کا نام سردانی کے نام کے ساتھ جوڑا جاتا تھا اور جاتا ہے تو پھر اس میں اور باقی لڑکیوں میں کیا فرق رہ جائے گا، اس کی انا خود داری اور نسوانیت کا غرور اور اس کے سامنے ریزہ ریزہ ہونے لگا تھا اس کو بر وقت فیصلہ کرنا تھا چاہے وہ فیصلہ سردانی کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

☆☆☆

''تم صفیہ کی منگنی پر نہیں آ رہی ہو بینش؟''

ساجد کی آواز میں مایوسی تھی جس کو یہاں ٹھہر کر وہ محسوس کر سکتی تھی ابھی دو فیشل کر کے وہ اور آمنہ کھانا کھانے ورکر روم میں آئی تھیں جب لڑکیاں یہاں آ کر یونیفارم چینج کرتی تھیں اور کھانا کھاتی تھیں، وہ اور آمنہ بھی کھانا کھانے آ گئی تھیں اسی وقت اس کا موبائل بج اٹھا اور اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزا تھا لیکن سردانی کا فون نہ ہو یہ خیال ہی اس کو حواس باختہ کر دینے کو کافی تھا وہ آمنہ کے سامنے ان کی کال ریسو نہیں کر سکتی تھی لیکن فون پر نظر پڑتے ہی سارے خوف اندیشے بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔

''میں نہیں آ سکتی ساجد، یہاں بہت کام ہے۔''

''کافی دن ہو گئے تھے تمہیں دیکھے ہوئے تم سے بات کیے ہوئے۔'' اس کی آواز گمبھیر تھی اس نے کن اکھیوں سے کھانا کھاتی آمنہ کو دیکھا تھا جس کی سماعتیں اس کے فون کی جانب اور نظریں کھانے کی جانب مرکوز تھیں، وہ جانتی تھی شام کو سلیون کی ہر لڑکی اس کو پکڑ پکڑ کر پوچھے گی کہ یہ ساجد کون ہے؟ کزن ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ چکر کیا ہے، دونوں کی منگنی تو نہیں ہو رہی اور اس کے ساتھ ہی سوالات کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کو وہ روک نہیں پائے گی لیکن ساجد کے ساتھ انوالو ہونا سردانی کے ساتھ انوالو ہونے سے بہت بہتر تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کو سردانی کے ساتھ انوالو کیا جائے، سدرہ کی طرح اس کا مضائقہ اڑایا جائے اس کو لڑکیاں تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھیں اس کے نام کے لطیفے ایک دوسرے کو بھیجے اور اس کو دیکھ کر آپس میں اشاروں کنایوں میں باتیں کریں، اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ سردانی سے اب بات نہیں کرے گی ان کے دل میں کیا ہے اور کیا نہیں وہ نہیں جاننا چاہتی تھی، وہ اس طرح کا کوئی بھی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

''میں کوشش کروں گی آنے کی صفیہ کیسی ہے، شام کو میری اس سے بات کرانا، اظہر اور گڑیا تو آئیں گے میں کوشش کروں گی کہ آ جاؤں لیکن......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''پلیز آ جاؤ۔'' وہ لجاجت سے بولا۔

''اچھا ساجد میں کام کر لوں پھر بات ہو گی اللہ حافظ۔'' اس نے فون بند کر لیا تھا۔

''کس کا فون تھا بینش؟'' حسب توقع آمنہ کی آواز کی سوئی اٹک گئی تھی۔

''میرا کزن ساجد ہے، صفیہ کا بھائی، صفیہ کی منگنی ہو رہی ہے پوچھ رہا تھا کہ تم آؤ گی یا نہیں۔''

''پھر تم نے کیا کہا؟''

''میں نے کہا چھٹی نہیں ملے گی۔'' بینش نے کھانا کھاتے ہوئے مگن سے انداز میں کہا۔

''لو بھئی کی کیا بات ہے تم نے تو کب سے چھٹی نہیں لی میں سدرہ سے لے دیتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی بینش نے بارہا اس کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکی نہیں اور آخر اس کو دو دن کی چھٹی دلا ہی دی۔

☆☆☆

''تمہیں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم آ گئی ہو۔'' صفیہ کی پر جوش آواز پر وہ مسکرا دی پھر چمک کر بولی۔

''کیوں یقین کیوں نہیں آ رہا، اب تم بدلی بدلی لگتی ہو پہلی جیسی کوئی بات ہی نہیں رہی تم میں۔'' صفیہ نے شرارت سے گڑیا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا اور بینش کا دل خوف سے دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

''بدل کیسے گئی ہوں۔'' اس کی سانس حلق میں اٹکنے لگی تھیں اپنی آواز اس کو خود بھی اجنبی لگ رہی تھی۔

''میم جیسی لگنے لگی ہو، رنگت بھی ویسی ہو گئی ہے بال بھی ڈائی کرا لئے ہیں، ہم جیسی تو بالکل نہیں لگتیں اب۔'' اس کی بات کے اختتام پر اس کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔

''جی محترمہ آخر پارلر میں کام کرتی ہیں اور وہ بھی شہر کے سب سے بڑے پارلر میں لگنا تو چاہیے ناں۔'' وہ تفاخر سے گردن اکڑا کر بولی، ساتھ ہی صفیہ کا میک اپ کرتے ہاتھوں میں تیزی آ گئی تھی۔

''کتنی دیر ہے بینش اور یہ کیا تم نے خود تو کپڑے تبدیل ہی نہیں کیے لڑکے والے بس پہنچنے والے ہیں۔'' صائمہ آپی نے اندر آ کر پوچھا۔

''بس آپی یہ بالکل تیار ہے دوپٹہ سیٹ کرنا ہے اور میں نے کپڑے تبدیل کرنے ہیں۔''

''ارے واہ تم نے تو صفیہ کو بالکل ہی تبدیل کر دیا ہے بالکل۔'' صائمہ آپی کی ستائشی نگاہیں صفیہ کی بلائیں لینے لگی تھیں۔

''جی آپی اگر میں کچھ دن پہلے آ جاتی تو صفیہ کو مکمل تبدیل کر دیتی۔'' وہ اپنے کپڑے اٹھا کر اس کمرے سے ملحقہ کمرے میں جانے لگی کہ راستے میں صائمہ آپی کی آواز نے اس کو رکنے پر مجبور کر دیا۔

''یہ کام تم اس کی شادی پر کر لینا بلکہ اس کی شادی سے پہلے ہی تم یہاں موجود ہو گی۔'' وہ صفیہ کو دیکھ کر ذو معنی انداز میں بولی، دونوں بہنیں ہنسنے لگی تھیں۔

''کیا مطلب؟'' اس نے مڑ کر ان کے چہروں کی جانب دیکھا۔

''ان کو پتہ ہی نہیں میری بھولی کزن امی

جان نے مامی سے تمہارا ہاتھ مانگا ہے ساجد کے لئے۔'' وہ اس کے کندھے پر بازو رکھ کر اس کی ٹھوڑی تھامتے ہوئے بولی۔

یکا یک اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

''کیا؟''

''اچھا اب جاؤ کپڑے تبدیل کر لو دیر ہو رہی ہے۔'' وہ کہہ کر صفیہ کی جانب پلٹ گئی تھی اور اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا، جب تک وہ وہاں رہی ساجد بہانے بہانے سے اس کے قریب آتا رہا بار بار اس کا پوچھنا کچھ چاہیے تو نہیں، سخت زہر لگنے لگا تھا ایک بار تو وہ چڑ کر بولی۔

''ساجد کیا مسئلہ ہے، تمہارے ساتھ میں مہمان نہیں ہوں جو چاہیے ہوگا خود مانگ لوں گی۔''

''جانتا ہوں اور مہمان کیوں سمجھوں گا اس گھر کی ہونے والی مالکن ہو، لیکن سوچ رہا ہوں کہیں تکلف میں نہ پڑی رہو۔'' اس کے الفاظوں سے زیادہ اس کے لہجے اور انداز پر وہ ٹھٹکی تھی، امی کا اس پر صدقے واری جانا پھپھو کا سوٹ گفٹ کرنا اور امی کا منع کرنے کے بجائے لے لو یہ کہنا سب اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

جوں جوں وہ اس نہج پر سوچ رہی تھی اتنا ہی کڑھتی جا رہی تھی، واپسی پر ساجد خود ان کو بس اسٹینڈ تک چھوڑنے آیا وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کو ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی اس لئے بے نیازی کی دبیز چادر اوڑھے خود پر نو لفٹ کا بورڈ چسپاں کیے رہی، وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا جونہی وہ بس میں سوار ہونے لگے اس نے پکار لیا۔

''بینش بات سنو۔'' چاروناچار اس کو اس کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

''یہ میں نے تمہارے لئے خریدی ہیں۔'' اس نے ایک پیکٹ اس کے آگے بڑھایا یہ پیکٹ وہ کب سے اس کے ہاتھ میں دیکھ رہی تھی، لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس میں کیا ہے۔

''اس میں کیا ہے؟'' اس نے آئی برو اچکا کر پوچھا، اس کے ماتھے پر ان گنت بل پڑ گئے تھے جس کو چھپانے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

''اس میں کچھ بکس ہیں میرا دوست لاہور جا رہا تھا میں نے تمہارے لئے منگوائی ہیں جانتا ہوں میری طرح تمہیں بھی بکس پڑھنے کا بہت شوق ہے۔'' اس نے پیکٹ اس کی جانب بڑھایا جبکہ وہ ابھی بھی تذبذب کا شکار تھی۔

''چلو بھی بینش بس چلنے والی ہے۔'' اظہر کی آواز پر اس نے جلدی سے پیکٹ لے لیا اور بس میں سوار ہو گئی جبکہ ساجد وہیں کھڑا ان کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ سیلون گئی تو سر دانی موجود تھے۔

''کہاں تھیں تم اور یہ تمہارا سیل کیوں آف تھا، بندہ پوچھے کہ ایسی ٹیکنالوجی کا کیا فائدہ جب اس کا استعمال ہی نہ کیا جائے اپنا سیل نہیں پھینک دو یا پھر آمنہ کو دے دو اس کو اشد ضرورت ہے۔'' انہوں نے آمنہ پر چوٹ کی جس کا سارا وقت موبائل پر کال کرتے ہوئے گزرتا تھا اس کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

''سر وہ میری کزن کی منگنی تھی میں گاؤں گئی ہوئی تھی۔''

''اچھا میرے آفس میں پیکٹ رکھا ہوا ہے جاتے ہوئے وہ پیکٹ لے لینا۔'' وہ مصروف انداز میں کہہ کر دوسرے روم میں چلے گئے اور وہ مساج روم کی جانب بڑھ گئی۔

تین بجے دانی سر نے اس کو خود ہی اپنے روم میں بلا لیا۔

''او بے وفا لڑکی کیا حال چال ہے تمہارا میری کوئی کال ریسیو نہیں کی تم نے نہ خیریت معلوم کی نہ بتائی۔'' وہ شکوہ کناں لہجے میں بولے۔

''سر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں میں مڈل کلاس کی ایک عام سی لڑکی ہوں عام سی شکل و صورت کی حامل مجھ میں نہ کوئی قابلیت ہے نہ صلاحیت پھر آپ مجھے کیوں اہمیت دے رہے ہیں اگر یہ ٹائم پاس ہے تو میں آپ کا ٹائم پاس نہیں کر سکتی۔'' وہ بے خوف و نڈر لہجے میں بولی وہ خود بھی حیران تھی کہ اس میں اتنی جرأت کہاں سے آ گئی تھی۔

''واٹ ربش ختم ہو گئی تمہاری تقریر اب میری سنو، میں پندرہ سال کا تھا جب ایک دن میری حرکتوں سے تنگ آئے میرے باپ نے مجھے مار مار کر گھر سے نکال دیا وجہ یہ تھی کہ میں عام لڑکوں کی طرح نہ پڑھائی کرتا تھا اور نہ ہی کوئی کام کرتا تھا سکول سے بھاگ کر گھر آ جاتا تھا گھر پر بھی اپنی ماں کے میک اپ اور کپڑوں میں گھسا رہتا، جب میرے باپ نے مجھے مار کر گھر سے نکالا وہ جانتے تھے میں ہر بار کی طرح واپس آ جاؤں گا، لیکن میں نے سوچ لیا تھا اب کی بار اگر گھر سے نکلا تو کبھی قدم نہیں رکھوں گا میری ماں نے مجھے بچایا وہ میرے اور اپنے شوہر کے درمیان آ گئی اب کی بار خون میرے باپ پر سوار تھا اس لیے مجھ پر بھی وہ مجھے دھکے دیتے مارتے رہے اپنی ماں کے پٹنے کے بعد میں بیگ میں کپڑے بھرے گھر سے نکلا تو تین جوڑے اور ربر کی چپل میں تھا میرے ایک کلاس فیلو کی بہن کا بہت بڑا سیلون تھا ان کی منتیں ترلے کیے یہاں تک جھوٹ بول دیا کہ سوتیلے باپ نے مار کر گھر سے نکال دیا ہے رشتوں میں پیار محبت احساس مر جائیں تو پھر وہ سوتیلے ہی ہو جاتے ہیں جانتا تھا کہ میرے غائب ہونے کے بعد میرے ماں باپ نے بہن بھائیوں نے مجھے تلاش کیا ہوگا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ دوبارہ پھر ہفتے بعد پھر مار کھا کر گھر سے نکالا جاؤں کیونکہ باز آ جانا میری سرشت میں نہیں تھا جس کام کو کرنے کی ٹھان لیتا اس شے سے کام سے پیچھے ہٹنا میری فطرت نہیں تھی، سیلون کا کام سیکھنے کے دوران میں لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کا میک اپ کیا کرتا تھا مختلف پارٹیز میں ایونٹس میں جاتا تھا آہستہ آہستہ لوگ مجھے جاننے لگے تھے کافی عرصہ سر سجاد مشہور میک اپ آرٹسٹ ہیں ان کا اسسٹنٹ رہا ہوں میری لگن اور محنت دونوں سچی تھیں اس لئے منزل مل گئی ایک وہ وقت تھا جب میں گھر سے نکلا تو جیب میں پانچ روپے بھی نہیں تھے ربڑ کی چپل پہنے میں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جاؤں گا اور کیا کھاؤں گا، دوست کا خیال تو بہت بعد میں آیا اور آج جب میرے بغیر ٹی وی شوز نہیں ہوتے میں اندر سے ویسا ہی ہوں وہی سڑک چھاپ لڑکا، جو منزل کی تلاش میں سرگرداں در بدر بھٹک رہا ہے، تمہیں دیکھا تو لگا کہ میں نے اس بچے کو ڈھونڈ لیا ہے تم بالکل ویسی ہی لگی تھیں مجھے تمہاری لگن اور محنت نے مجھے تمہارے قریب کیا ہے، مجھے فلرٹ کرنا ہوتا تو یہاں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے ایک نظر ڈالنے کی دیر ہے بس فلرٹ ہر ایک سے ہو سکتا ہے لیکن گھر صرف ایک کے ساتھ ہی بسایا جاتا ہے گھر اس کے ساتھ بسایا جاتا ہے جو آپ کے دل کے ان خالی اندھیرے اور تعفن زدہ حصوں سے نہ صرف شناسائی رکھتی ہو بلکہ ان کی امین ہو، آپ کی زندگی کے خالی خانوں کو اپنی محنت سے محبت سے پر کر دے، میرا خیال ہے میں تمہارے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار سکتا ہوں میں دوستی کی نہیں فلرٹ کی نہیں افیئر کی نہیں شادی کی بات کر رہا ہوں تم جب کہو گی میں تمہاری والدہ سے بات کرنے آ جاؤں گا یا پھر اپنی آپی کو بلوا لیتا ہوں وہ بات کر لیں گی۔'' انہوں نے پیکٹ اس کی جانب بڑھایا وہ گومگو کی کیفیت میں کھڑی رہی۔

''میں کیا سمجھوں تمہاری خاموشی سے؟'' وہ اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا تھا، جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے انگوٹھی نکالی اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر انگلی میں ڈال دی اس ساری کاروائی میں وہ ہنکچو سی کھڑی رہی تھی چونکی تب جب وہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا چکا تھا۔

''اگر چاہو تو اتار کر واپس کر سکتی ہو۔'' انہوں نے ہاتھ اس کی جانب بڑھایا اس نے نفی میں سر ہلا دیا وہ بے ساختہ ہنس دیئے تھے۔

☆☆☆

زندگی ایکدم سے حسین ہو گئی تھی یا پھر اس کو لگنے لگی تھی ہر شے میں خوبصورتی اور رعنائی سی جھلکنے لگی تھی وہ اب مسکرانے لگی تھی پہلے تو وہ ایک سامع کا کردار ادا کرتی تھی ایک گروپ میں کھڑے رہنے کے باوجود بھی سب کو سنتے رہنا اس کا مشغلہ تھا اور اب ہنسنے لگی تھی باتیں کرنے لگی تھی خود پر توجہ دینے لگی تھی۔

''لگتا ہے بینش کی زندگی میں کوئی آ گیا ہے جبھی تو اب ہمہ وقت چہکتی رہتی ہے۔''

''آمنہ تم کہانیاں لکھنا شروع کر دو سچی ایکدم سپر ہٹ ہونگی تمہاری کہانیاں۔'' اس کی بے بر کیوں سے عاجز امبر نے لقمہ دیا وہ برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئی اس کے خاموش ہونے پر بینش نے شکر کیا، ورنہ اپنی ذات کو زیر بحث لانا اس کو سخت گراں گزرتا تھا۔

☆☆☆

وہ جونہی گھر میں داخل ہوئی پھپھو اور ساجد کو دیکھ کر چونک گئی ان کے ساتھ صائمہ اور صفیہ بھی آئی ہوئی تھیں، سب اس سے والہانہ انداز میں ملیں۔

''آ گئی ہے میری نہو (بہو)۔'' پھپھو نے بہت پیار سے اس کو اپنے ساتھ لپٹا لیا، وہ ان کے انداز سے زیادہ ان کے الفاظوں پر ٹھٹک گئی۔

''لیجئے آپا آ گئی ہے بینش جو کرنا ہے کر لیں۔'' امی خوشی خوشی کمرے میں داخل ہو کر بولیں۔

صائمہ باجی نے اس کو پکڑ کر پھپھو کے ساتھ بٹھایا پھپھو نے قریب رکھے شاپر میں سے سرخ دوپٹہ نکالا اس کو اوڑھایا وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا لیکن اسے پرواہ ہی کب تھی صائمہ آپی نے ہنستے ہوئے اس کو پھر بٹھا دیا، پھپھو نے بلیک ڈبیا کھولی اس میں سے انگوٹھی نکالی اور بینش کی انگلی میں ڈال دی، صائمہ آپی نے لپک جھپک کر مٹھائی اس کے منہ میں ڈالی اب وہ مٹھائی ساجد کو کھلا رہی تھیں وہ اس کی جانب دیکھ کر کچھ کہہ رہا تھا، صائمہ آپی نے اس کی جانب دیکھا اور بے اختیار ہنس دیں، اس نے دوپٹہ پرے اور پھینکا دوپٹہ اتارا اور کمرے سے چلی گئی صائمہ آپی نے ساجد کو گھورا ان کے مطابق اس کے دیکھنے اور شرمانے کی وجہ سے وہ اندر چلی گئی ہے جبکہ باقی سب نے اس کا چلے جانا اس کی شرم پر محمول کیا وہ کچھ دیر ہی رکے تھے ان کو واپس جانا تھا ان کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آئی امی اور گڑیا خوشی خوشی سامان سمیٹ رہی تھیں جو پھپھو ساتھ لائی تھیں۔

''امی یہ سب کیا ہے آپ نے مجھے بتایا نہیں مجھ سے پوچھا ہی نہیں۔''

''ارے تم سے کیا پوچھتی تمہارے باپ کی خواہش تھی بلکہ جب تم پیدا ہوئی تھیں تمہارے باپ نے تمہیں آپا کی گود میں ڈال دیا تھا میں تو کافی عرصے سے پریشان تھی کہ کہیں ساجد کا رشتہ اس کے ددھیال میں نہ کر دیں کتنے ہی لوگ ہیں جو اپنی بیٹیاں دینا چاہتے ہیں لیکن صفیہ کی منگنی پہ آپا نے صاف کہہ دیا کہ میری نہو (بہو) صرف بینش بنے گی، دیکھا نہیں سب کتنے خوش ہیں۔'' وہ خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔

''گڑیا یہ مٹھائی سائیڈ پہ رکھو میں حصے بناتی ہوں مٹھائی کے محلے والوں میں بانٹنے ہیں۔''

''امی میں ساجد سے شادی نہیں کرونگی۔'' وہ نڈر لہجے میں بولی۔

''کک...... کیا کہہ رہی ہو، ہوش میں ہو تم، کب سے دعائیں مانگ رہی ہوں میں، کتنے ہی وظیفے پڑھے ہیں منتیں مانی ہیں میں نے۔''

''امی میری بات غور سے سنیں میں ہرگز ہرگز ساجد سے شادی نہیں کرونگی میں...... میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔'' اس نے تھوک نگلنے کے سے انداز میں کہہ دیا یہ وہ بنولی تھی جو یقیناً امی کے حلق میں بھی اٹک گئی تھی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو تم دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اپنے منہ سے ایسے الفاظ بھی نہ نکالنا میں رشتہ دے چکی ہوں تمہارا، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''امی کچھ ہو یا نہ ہو میں سر دانی کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرونگی۔''

''کس سے، اس پارلر والے سے جبھی بھاگ بھاگ جاتی ہو اس کے پارلر میں اب کل سے تم وہاں نہیں جاؤ گی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا تمہیں پال لونگی گھر کا کام کرونگی لیکن اب تم نہیں جاؤ گی وہاں تمہیں وہاں بھیجا تھا اپنی غیرت نہیں بیچی تھی، دو وقت کی روٹی میں کھلا سکتی ہوں۔''

''آپ کچھ بھی کہیں میں ساجد سے شادی نہیں کرونگی سمجھی آپ۔'' وہ چلائی تھی، اس سے پہلے کہ امی کچھ بولتی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، جہاں وہ زار و قطار رونے لگی تھی پورا دن وہ اپنے کمرے میں بند رہی شام کے کھانے کے لئے بھی باہر نہیں نکلی تھی۔

گڑیا اس کو بلانے آئی لیکن اس نے منع کر دیا رات کو بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر باہر آئی امی کچن میں کھڑی تھیں اس کو دیکھ کر انہوں نے منہ پھیر لیا ایک گھونسا سا اس کے دل پر پڑا تھا، کیا وہ ساری عمر یہ بے رخی برداشت کر پائے گی، وہ خود پر بے نیازی کا خول برقرار رکھے چولہے کے قریب پہنچی چائے بنائی کھانا گرم کیا اور

اپنے کمرے میں آ گئی، اس کا فون مسلسل بج رہا تھا، ساجد کی کال آ رہی تھی وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی، لیکن اس کو بتانا بھی ضروری تھا۔

''ہیلو السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! کیسی ہو پڑھ تو نہیں رہی تھیں؟'' وہ فکر مندی سے بولا اس کی فکر مندی اس کو اس وقت سخت زہر لگی تھی۔

''تمہیں بڑی فکر ہے میری۔'' وہ چڑ کر بولی تھی، وہ قہقہہ بار ہوا۔

''فکر ہے تو پوچھ رہا ہوں اور ویسے بھی میں فکر نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا جانتی ہو جب تم چھوٹی سی تھیں، تب سے تمہیں دیکھتا تھا اس وقت جب تم ماموں کے ساتھ ہمارے گھر آتی اور بالوں کی دو چوٹیاں بنائے ہوئے صفیہ اور صائمہ کے ساتھ کھیلتی تھیں، میں چوری چوری تمہیں دیکھتا کیونکہ بہت چھوٹی عمر سے ہی امی نے میرے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ساجد کی شادی بینش سے ہوگی بڑا ہوتا گیا لیکن یہ بات ذہن میں پختہ ہوتی گئی حتیٰ کہ جب تم بڑی ہوئی تو بات نہیں کرتیں تھیں اجنبیت کی دیوار ہمارے درمیان حائل ہو گئی تھی تب بھی میں خود سے تم سے بات کرتا تھا اور جب نہ کر پاتا تو اظہر کو فون کرتا اس سے باتوں باتوں میں تمہارے مشاغل پوچھتا ماموں کی وفات کے بعد اس نے بتایا کہ تم نے پڑھائی چھوڑ دی ہے تو مانو کافی دن تک میں ڈسٹرب رہا میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خواب ادھورے رہ جائیں اس لئے میں نے امی سے صاف کہہ دیا ہے جب تک تم نہیں چاہو گی شادی کی بات نہ کریں البتہ نکاح پر وہ مصر ہیں اور میں بھی چاہتا ہوں کہ نکاح ہو جائے تمہارے سب اخراجات میں برداشت کروں۔'' درمیان میں ایک اور کال آ رہی تھی۔

''ساجد آواز کٹ رہی ہے، پھر بات کرتی ہوں۔'' اس نے فون بند کر دیا تھا، سردانی کی کال آ رہی تھی، اس نے کال اوکے کی۔

''کہاں بزی ہو سرکار؟''

''کہیں نہیں یہی ہوں۔''

''میرے پاس۔'' وہ شرارت سے بولے جبکہ وہ مسکرا بھی نہ سکی تھی زندگی عجیب دہرائے پر آ کھڑی ہوئی تھی ایک طرف مرے ہوئے باپ کی خواہش تھی تو دوسری جانب اس کے دل کی آرزو، جائے تو کہاں جائے، اس نے اِدھر اُدھر کی دو باتیں کر کے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ سوئی ہوئی تھی دروازے پر ہونے والی مسلسل دستک پر اس نے کسلمندی سے آنکھیں کھولیں۔

''کون ہے؟'' نیند میں ڈوبی آواز میں اس نے پوچھا۔

''آپی گڑیا ہوں امی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے جلدی آئیں۔'' اس کی آواز نے اس کے پیروں تلے سے زمین سرکا دی تھی وہ سرپٹ دوڑی دروازہ کھول کر بغیر دوپٹے اور جوتے کے امی کے کمرے میں گئی اظہر ان کو اٹھا کر جا رہا تھا۔

''تم دونوں دروازہ بند کر لو میں ہاشم (دوست) کے ساتھ ان کو ہاسپٹل لے جا رہا ہوں۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گیا، جبکہ بینش نے زارو قطار رونا شروع کر دیا تھا۔

''گڑیا کیا ہوا تھا امی کو؟''

''پتہ نہیں آپی میں امی کے لئے چائے بنانے گئی تھی کچن میں واپس آئی تو دیکھا امی مصلے پر اوندھی پڑی ہیں۔''

وہ جانتی تھی امی کی اس حالت کی ذمہ دار وہ تھی اس نے ان کو ٹینشن دی ہوئی تھی نہ وہ ان کو خودسری دکھاتی نہ وہ اس حال کو پہنچتی۔

''یا اللہ پاک میری ماں کو صحت دے زندگی دے ان کا سایہ میرے سر پر سلامت رکھ میرے مولا۔'' روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں، کتنا وقت گزرا کچھ احساس نہیں ہوا تھا

دونوں کی رات آنکھوں میں کٹی تھی، بینش کو جتنی دعائیں جتنے وظائف یاد تھے اس نے ایک ہی رات میں پڑھ ڈالے تھے، اگلا پورا دن وہ دونوں گھر میں رہی تھیں اس نے بارہا اظہر کو فون کیا لیکن اس کا موبائل آف آ رہا تھا ان کو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ امی کو کون سے ہاسپٹل میں لے کر گیا ہے ایک ہی دن میں چھوکر رہ گئی تھی اس کے سیلفون سے فون آیا اس نے مختصراً بتا دیا اس کے بعد کتنی ہی بار سردانی کے فون آتے رہے لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی مصلے پہ بیٹھے وہ روتے ہوئے اللہ سے اپنی ماں کی زندگی کی دعائیں کرتی رہی، اگلے دن اظہر ان کو لینے آ گیا۔

''بھیا امی کو کیا ہوا ہے۔'' گڑیا نے پوچھا جبکہ بینش میں تو اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ کچھ پوچھ سکتی۔

''نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے امی کا، اب بہتر ہیں کمرے میں شفٹ کر دیا ہے ان کو۔'' دونوں نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا، راستے میں اس نے سردانی کو ایس ایم ایس کر دیا تھا، وہ جیسے ہی ہاسپٹل پہنچی امی کو ہوش آ چکا تھا۔

''امی میری پیاری امی۔'' وہ ان سے لپٹ گئی۔

''امی کیا ہو گیا تھا آپ کو؟'' وہ زارو قطار روتے ہوئے بولی۔

''میں ٹھیک ہوں بینش۔'' امی کی نحیف سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، اظہر نے اس کو پیچھے کیا۔

''بینش سنبھالو خود کو، امی کو آرام کرنے دو، تم لوگوں نے کچھ کھایا ہے؟''

''نہیں۔''

''تم دونوں چلو میں کینٹین پر لے چلتا ہوں کچھ کھا لو امی آپ آرام کریں ہم ابھی آتے ہیں۔'' وہ تینوں کینٹین پر چلے گئے وہاں سے وہ لوگ ناشتہ کر کے آئیں تو سردانی کو امی کے پاس بیٹھا دیکھ کر وہ بھونچکی رہ گئی۔

''آؤ بینش وہاں کیوں کھڑی ہو اندر آؤ۔'' سردانی اس کو دیکھتے ہوئے بولے، وہ بوجھل قدموں سے اندر داخل ہوئی۔

''اوکے آنٹی میں چلتا ہوں پھر ملاقات ہو گی بلکہ اب تو بینش کی شادی پر آؤں گا تو آپ سے ملوں گا اور بینش کا میک اوور فری کروں گا میں، سلی گرل باہر چھوڑنے نہیں جاؤ گی کیا؟'' وہ اس کے قریب آ کر بولے، بینش کو ان کے لب و لہجے سے زیادہ ان کے انداز ٹھٹکا گئے تھے، وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آ گئی۔

''بینش تم ہفتے تک نہ آنا میں ہاسپٹل کے ڈیوز جمع کرا دوں گا اور ہاں بتانا بھول گیا اس ہفتے میں امریکہ جا رہا ہوں شوٹ ہے میرا اور سلی گرل تم نے بتایا ہی نہیں تمہاری منگنی ہو گئی ہے، تمہارے کزن سے۔'' وہ جتاتے ہوئے لہجے میں بولا، بینش نے سر جھکا لیا وہ کیا کہتی اب تو کچھ کہنے کو بچا ہی نہیں تھا وہ اپنی ماں کے لئے ہر رشتے کو قبول کرنے کو تیار تھی، سردانی نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما وہ اندر تک کانپ گئی اس نے انتہائی حیرت سے ان کی جانب دیکھا وہ لہولہو آنکھیں اس پر گاڑھے ہوئے تھے، سردانی کی پہنائی ہوئی رنگ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھی، انہوں نے آہستگی سے وہ رنگ اس کی انگلی سے نکال لی، اس کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں لیکن لبوں پر لگا ہوا قفل جوں کا توں برقرار تھا۔

''تمہاری آنکھوں میں لکھی تحریر میں پڑھ چکا ہوں، تم کبھی بھی ان کی ناراضگی کے ساتھ زندگی نہیں گزار پاؤ گی اور میں خود بھی نہیں چاہوں گا کہ تم ایسا کرو۔'' وہ آگے بڑھ گئے، شاید ان کی آنکھوں میں کچھ پڑ گیا تھا بینش نے حیرت سے آگے بڑھتے ہوئے اس شخص کو دیکھا جس کی شکستہ چال اور شکستہ دل ٹوٹے بکھرے اعصاب نے اس کو دکھی کر دیا تھا، اس کو بے اختیار کچھ یاد

احساس

عمارہ امداد



آیا۔

وہ تعلق توڑ کر مہربان کر گیا
ربط جو فانی تھا اس کو غیر فانی کر گیا
میں سمجھا تھا کہ مل کر داستان پوری ہوئی
وہ تو بچھڑ کر پھر بڑی لمبی کہانی کر گیا

☆☆☆

''مس بینش قیوم میں نے تمہیں سب بتایا اپنی زندگی کے حرف حرف سے تمہیں آشنائی کرائی لیکن اپنے دل کے ایک کونے سے تمہیں ناواقف رکھا، جانتی ہو وہ کیا؟'' وہ چلتے چلتے بڑبڑا رہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے ہر راہ چلتا ہوا شخص اس کو تحیر سے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ سر جھکائے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جا رہا تھا۔

''وہ بات یہ ہے مس بینش قیوم کہ میں وہ بد قسمت انسان رہا ہوں جس کو سب ملا زندگی میں لیکن محبت کبھی نہیں ملی I am a king of bad luck جس عمر میں بچے والدین کی محبت اور توجہ حاصل کرتے ہیں وہ عمر میں نے فٹ پاتھ پر گزار دی لوگوں کے چہروں کو سجانے سنوارنے میں گزار دی ان سے کام مانگتے ہوئے روٹی کے پیچھے بھاگتے ہوئے گزار دی ایک عرصے بعد میں نے اپنے خونی رشتوں کو ڈھونڈ لیا بھائی بہنیں ماں باپ لیکن محبت پھر بھی نہ ملی، میں نے خود کو دنیا میں اتنا گم کر لیا کہ محبت نام کے لہجے تک سے نا آشنائی رہی اور جب مجھے تم ملیں تو ایسا لگا کہ جیسے وہ خالی خانہ اب لبالب بھر جائے گا دانش تیمور کو اب ایسی محبت ملے گی جو پہلے کی گمشدہ اور شکستہ محبتوں کے منبروں پر اپنے نام کی تختی سجائے گی، لیکن اس بار پھر ایک ماں کی محبت آڑے آ گئی اس ماں کی آخری درخواست نے میرے قدموں میں زنجیریں ڈال دیں ہیں وہ اپنے مرحوم شوہر کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتی ہیں تمہیں اپنے رشتہ داروں سے منسوب کرنا چاہتی ہیں میں نے زندگی میں کسی کا دل نہیں توڑا کسی کو دکھ نہیں دیا تو ایک ماں کا دل کیسے توڑ سکتا ہوں جانتا ہوں، باقی عمر اس نارسائی میں گزر جائے گی لیکن میں نہیں چاہتا جو زندگی میں نے گزاری ہے تم گزارو۔'' وہ خود سے ہم کلام سڑک پر نکل آیا اس نے پیچھے مڑ کر ہاسپٹل کی عمارت کو دیکھا آنکھوں میں ایک بار پھر سے کچھ پڑ گیا تھا اس کا دل لہولہو ہو گیا تھا اسی وقت اس کا موبائل بجا اس نے فون آن کر [illegible]

''اوہ مائی گاڈ چڑیل لائبہ یہ تم ہو آج [illegible] یاد کیسے آ گئی مطلبی عورت تم سب عورتیں ایک [illegible] ہو جب [illegible] کو مجھ سے مطلب پڑتا ہے تب ہی میری یاد آ [illegible] بس رہنے دو۔'' دوسری جانب سے کچھ کہا گیا [illegible] وہ قہقہہ بار ہوا پھر بولا۔

''یار مجھے یہاں سے [illegible] کر لو، میں ہاسپٹل کے قریب کھڑا خوار ہو رہا ہوں، ارے فریکچر ہو میرے دشمنوں کو میں ہٹا کٹا یہاں کھڑا ہوں سلی گرل جلدی آؤ۔'' یہ ہنسنے کے انداز اس نے اسی زمانے سے ہی تو سیکھے تھے۔

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میری واقعات میں
میرا تو جرم تذکرہ عام ہے مگر
کچھ دھجیاں ہیں میری زلیخا کے ہاتھ میں

☆☆☆

لاؤنج میں پڑے تو سیٹر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے، ٹانگیں سامنے پڑی میز پر رکھے، گود میں لیپ ٹاپ دھرے، وہ کتنی ہی دیر سے اس کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، اس کے سامنے اپنی ٹائپ کردہ تحریر تھی، آدھی سے زیادہ تحریر لکھ چکی تھی، لیکن جب سابقہ تحریر پر نظریں دوڑائیں تو کچھ کمی سی محسوس ہوئی تھی۔ کیا؟ یہ سمجھ نہیں آرہی تھی اور یہی وہ الجھ گئی تھی کیونکہ اگر وہ اپنے لکھے سے مطمئن نہ ہوتی تو پھر مزید آگے بھی نہیں لکھا جاتا تھا اور اب بھی ایسی ہی کیفیت ہوگئی تھی کہ ذہن مزید ساتھ دینے سے ہی انکاری ہوا جارہا تھا۔

اس نے سامنے گھڑی پر نظر دوڑائی، دن کے بارہ بجنے والے تھے، دو بجے تک بچوں نے اسکول سے آجانا تھا پھر تو ان کے کاموں میں مصروف ہو کر اس سے بالکل بھی نہیں لکھا جانا تھا اور رات آٹھ بجے تک اسے اپنا کالم لازمی ای میل کرنا تھا، اس دفعہ اسے کالم بھیجنے میں پہلے ہی تاخیر ہوگئی تھی، اب مزید وقت نہیں بچا تھا۔

وہ ایک آن لائن جریدے میں ہفتہ وار کالم لکھا کرتی تھی، کل مئی کی پہلی تاریخ تھی اور اسی مناسبت سے اس دفعہ اس کا ارادہ ''یوم مزدور'' پر کالم لکھنے کا تھا، تین دن پہلے اس نے اس پر کام بھی کیا تھا لیکن تھوڑا سا ہی لکھ پائی تھی کہ اچانک اس کی نند کے آنے کا پروگرام بن گیا اور پھر مہمانوں کی مصروفیت میں وہ لکھ ہی نہ پائی تھی، ابھی کل شام ہی اس کی نند واپس گئی تھی اور آج کالم بھیجنے کی آخری تاریخ بھی آگئی، اس نے بڑے جوش و خروش سے بچوں اور شوہر کے جانے کے بعد جلدی جلدی گھر کا کام سمیٹا تھا، اتنے میں زرینہ آگئی تھی، وہ بغیر کہے ہی صفائی بہت اچھی کرتی تھی، اس لئے اس کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنے ادھورے کالم والی فائل کھولے اسے ٹائپ کرنے لگی تھی، آدھے سے زیادہ لکھ بھی چکی تھی، لیکن اس طرح نہیں لکھا جارہا تھا جیسے اس موضوع پر دل سے لکھنا چاہتی تھی، لکھاریوں کے ساتھ اکثر ایسی صورتحال پیش آتی رہتی ہے کہ بعض دفعہ چاہ کر بھی کچھ نہیں لکا جارہا ہوتا، اس کے ساتھ بھی ایسا ہو جاتا تھا لیکن آج ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، کہ آج اسے ہر حال میں اسے پورا کرنا تھا۔

''اللہ جی! میرے ذہن کی گرہ کھول دے تا کہ میں بہت اچھا لکھ سکوں۔'' اس نے بے بسی سے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو دیکھا تھا، تب ہی مکمل خاموش فضا میں زرینہ کے موبائل کی ٹون نے ارتعاش پیدا کیا تھا، اس نے چونک کر سامنے کچن کی طرف دیکھا، برتن دھوتی زرینہ نے جلدی سے دوپٹے کے پلو سے گیلے ہاتھ خشک کر کے شیلف پر پڑا اپنا موبائل اٹھا کر کان سے لگایا تھا، اس نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور نظریں دوبارہ لیپ ٹاپ پر مرکوز کر لیں۔

''تو نے کاکے کو دوائی تو دے دی تھی نا۔''

اس کی سماعتوں میں زرینہ کی پریشان سی آواز ابھری تھی، ایک تو پہلے ہی کچھ خاص نہیں لکھا جارہا تھا اور اس پر متزاد زرینہ کی قدرے بلند آواز، اسے جھنجھلاہٹ ہونے لگی، الجھا الجھا ذہن اب ایک دم سے کورے کاغذ کی طرح ہو گیا تھا، اس پر شدید غصہ آیا تھا۔

''اچھا حلوہ نہیں کھاتا تو یوں کر اسے چائے میں پاپے ڈبو کر کھلا دے۔'' اس نے دس سالہ بیٹی کو ہدایت دیتی اس کی نظر لاؤنج میں بیٹھی عفیرہ پر پڑی تھی، جس کے چہرے پر کوفت کے آثار نمایاں تھے۔

''عفیرہ باجی کا کام میرے بولنے کی وجہ سے نہیں ہو رہا۔'' یہ سوچتے ہی وہ فوراً کچن کے پچھلے صحن کی طرف کھلنے والے دروازے سے اس جانب چل دی۔

وہ جب کبھی بھی اس کے ہوتے ہوئے لکھ رہی ہوتی تو وہ اسے بالکل نہیں بلاتی تھی اور نہ ہی کام کے دوران زیادہ شور پیدا کرتی تھی، باجی جب کام کر رہی ہوتی ہیں تو مکمل خاموشی ہونی چاہیے، وہ اس بات کا خاص خیال رکھتی تھی۔

وہ تو اپنے تئیں پیچھے کی جانب چلی گئی تھی لیکن اب اس کی یکسوئی بالکل ختم ہوگئی تھی۔

''کچھ دیر اٹھ جاتی ہوں، چائے پیتی ہوں پھر لکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر کچن کی جانب چل دی، زرینہ کا سوچتے ہوئے اس نے دو کپ چائے کا پانی ساس پین میں ڈال کر برنر جلایا، چونکہ اب وہ کچن میں آگئی تھی، اس لئے کھڑکی کھلی ہونے کی وجہ سے اب اسے زرینہ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''تو زیادہ پریشان نہ ہو، کاکے کو تاپ چڑھا ہوا ہے اس لئے رو رہا ہے، ابھی تھوڑی دیر میں چپ کر جائے گا۔''

''اوہ! زرینہ کے بیٹے کو بخار ہے۔'' چائے ڈالنے کے لئے اسٹینڈ سے کپ اٹھاتے ہوئے اس نے سوچا۔

''نہیں، میں نہیں آسکتی، کل ہی باجی کے مہمان گئے ہیں، صفائی تو تھوڑی سی رہ گئی ہے لیکن استے دنوں کے کپڑے اکٹھے ہیں ابھی وہ بھی دھونے ہیں۔'' وہ اپنی بیٹی کو سمجھانے میں مصروف تھی۔

''تجھے کہہ دیا نا، کیوں ضد کرتی ہے، میں باجی سے چھٹی لے کر نہیں آسکتی، وہ آج اپنے کام میں مصروف ہے اور اوپر سے میں اس کا کام آدھا چھوڑ کر آجاؤں، میں اسے ناراض نہیں کر سکتی، اتنا خیال رکھتی ہے تو میں اسے کیوں تنگ کروں؟'' اب کی بار وہ ذرا سخت لہجے میں بولی تھی۔

''تو ابھی سکینہ خالہ کے گھر سے فون کر رہی ہے نا، تو ایسے کر، ابھی گھر چلی جا، کاکا زیادہ ستائے تو ادھر ان کے گھر آجانا یا سکینہ خالہ کو اپنے پاس بلا لینا، چل اب میں فون کرنے لگی ہوں۔'' بات ختم کر کے اب وہ کچن میں آگئی تھی۔

''تمہارے بیٹے کو بخار ہے؟ اب کیسی طبیعت ہے؟'' اسے چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''بس باجی، کل شام سے ہی بڑا بیمار ہے، دوائی تو دے دی ہے لیکن اب ذرا وقت لگ کے ہی ٹھیک ہوگا، گڑیا گھر میں اکیلی ہے، بچی ہے اس لئے جلدی ڈر جاتی ہے، ابھی ساتھ والوں کے گھر سے فون کر رہی تھی۔'' وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی، اس کے لہجے میں ممتا بھری تشویش تھی۔

سات مہینے کا بخار میں پھنکتا ہوا بچہ وہ کسی حوصلے سے دس سالہ بچی کے پاس چھوڑ آئی تھی۔

''تم آج چھٹی کر لیتی، پہلے چاہے تم اسے گڑیا کے پاس چھوڑ آتی ہو، لیکن بخار میں اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا، بڑا حوصلہ ہے تمہارا، اس کا باپ بھی گھر پر نہیں ہے کیا؟'' وہ بھی وہیں اس کے پاس چائے پینے لگی تھی۔

ہے کوئی کب کچھ

سماوار بھٹی



''اللہ کے آسرے چھوڑ آئی ہوں باجی، کیا کروں؟ مجبوریاں ہیں، مجبوری میں خود ہی دل بڑا کرنا پڑتا ہے، آپ کے گھر سے پہلے بھی دو گھروں کا کام کرکے آئی ہوں، نہ آئی تو سب گھروں سے چھٹی ہو جانی، اس کا باپ بھی گھر نہیں رہ سکتا، آج کل ایک گھر میں مزدوری کا کام ملا ہوا ہے، قسمت سے کام ملا ہے، چھٹی کرکے صاحب کو ناراض تو نہیں کر سکتا نا۔'' وہ بے چارگی سے اپنی مجبوریاں بتا رہی تھی اور اس کی آخری بات پر عفیرہ نے کچھ ٹھٹک کر پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا تھا، وہ اس سے بھی تو ڈرتے ہوئے چھٹی نہیں مانگ رہی تھی۔

''میں کیا لکھ رہی ہوں؟ یوم مزدور پر کالم، لفاظی سے بھرپور چند جملے لکھ کر اپنا فرض ادا کر دوں گی اور بس، مجھے کالم لکھ کر واہ واہ سمیٹنے کی اتنی فکر ہے کہ اس پریشانی میں، میں نے اپنی ملازمہ کی پریشانی کو بھی محسوس نہیں کیا، وہ جس کے حقوق کے بارے میں مجھے اللہ کے سامنے جواب دہ بھی ہونا ہے، اللہ نے اگر مجھے لکھنے کی صلاحیت دی ہے تو کیا ہی اچھا ہے اگر میں لکھ کر اپنا فرض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی اپنا فرض ادا کروں۔'' دل میں یکایک ایک اجلی سوچ نے انگڑائی لی تھی۔

''باقی کام رہنے دو، تم اب گھر جاؤ، تمہارا بیٹا بیمار ہے۔'' چائے ختم کرکے زرینہ نے کپ رکھا ہی تھا کہ اس نے کہا۔

اس کے چہرے پر یک لخت بے یقینی اور خوشی سے لبریز عکس ابھرا تھا۔

''لیکن باجی! آج تو کپڑے بھی دھونے ہیں اور ابھی پچھلے دو گھروں کی صفائی بھی رہتی ہے۔'' وہ کچھ ہچکچا کر بولی تھی۔

''کوئی بات نہیں، میں دیکھ لوں گی، تم جلدی سے جاؤ، تمہاری بیٹی پریشان ہو رہی ہوگی اور ہاں کل بھی انہیں آنا، میری طرف سے تمہیں چھٹی ہے اور باقی باجیاں جب پوچھیں تو کہنا، عفیرہ باجی نے چھٹی دی تھی۔'' اس نے ملائمت سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''کل کس بات کی چھٹی کروں۔''

''تمہارے نام پر ہم سب چھٹی کرتے ہیں تو تم کیوں نہ کرو؟'' اس کی بات پر اس نے نہ سمجھی سے سر ہلا دیا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اسے اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی، اسی لئے مسکرا کر پھر بولی۔

''کل سرکاری چھٹی ہے، تمام دفاتر اور اسکول بند ہونگے تو تم بھی چھٹی کر لینا۔''

''ٹھیک ہے باجی، میں کل نہیں آؤں گی لیکن آپ نے کپڑے نہیں دھونے، آپ بے فکر ہو کر اپنا لکھنے کا کام پورا کرنا میں پرسوں آکر دھو لوں گی۔'' اس کے سانولے چہرے پر بے تحاشا خوشی امڈ آئی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے، ایک دن سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس نے بھی مسکرا کر کہا۔

زرینہ کے جانے کے بعد وہ صوفے کی طرف بڑھی، چائے اس کے ساتھ باتوں کے دوران ہی پی لی تھی، اس لئے اب لیپ ٹاپ کھول کر لکھنے کا کام شروع کیا۔

''اے اللہ! میرا ذہن کھول دے اور میں بہت اچھا سا لکھ سکوں۔''

کچھ دیر پہلے یہیں بیٹھے ہوئے یہ الفاظ اس نے کئی بار دہرائے تھے لیکن اب اللہ کے نام سے شروع کرکے لکھنے کی ابتدا کی تو ایسا کچھ سوچنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی کہ اب اس کے ہاتھوں کی پوروں سے لفظ موتیوں کی صورت بکھرتے جا رہے تھے، اس نے خوشگوار حیرت سے اپنے ذہن کی گتھیوں کو سلجھتے دیکھا تھا اور اب وہ خوشبو بکھیرتے لفظوں سے اپنی تحریر کی مالا پرو رہی تھی۔

☆☆☆

سورج کی زردسی روشنی کو شام کے دھندلکوں نے دھیرے دھیرے اپنے پروں میں سمیٹنا شروع کیا تھا، فضا میں شام ہوتے ہی خنکی بڑھ جاتی تھی، سردیوں کے دن تو یوں بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔

راشدہ بیگم قدرے تیز تیز ہاتھ چلانے لگیں، ان کی بہو اندر کچن میں مصروف تھی، بیٹے نے آج خاص الخاص فرمائش کی تھی، مٹر گوشت کی وہ بیٹھی مٹر چھیل رہی تھیں، تب ہی بیرونی دروازے پر کھٹکا ہوا۔

قدرے چونک کر سامنے دیکھا جہاں غالباً نازیہ تھی، قریب آتے ہی سلام کیا، وہ بمشکل پہچانی جا رہی تھی۔

سلام کرتے اس کی آواز میں نقاہت محسوس ہو رہی تھی، مارے تحیر کے وہ جواب بھی نہ دے پائیں۔

بکھرے الجھے بال بے رونق اجڑا ہوا چہرہ تار تار دوپٹہ وہ بمشکل پہچانی جا رہی تھی، گہرے استعجاب سے وہ نازیہ کے ننگے پاؤں دیکھ رہی تھیں، وہ خاصی ابتر حالت میں ہی ان کے تخت پہ گر سی گئی۔

''یا اللہ خیر۔'' ان کے نرم دل نے تشویش زدہ ہو کر دعا کی۔

''نازیہ خیر تو ہے کیا ہوا ہے؟'' ان کے لہجے میں گہری تشویش تھی۔

''ہائے خالہ کیا بتاؤں، میں لٹ گئی برباد ہو گئی۔'' دہائی دی، ساتھ ہچکیاں بھر بھر کے رونے لگی۔

کچن میں کام کرتی صائمہ حیرانگی سے آوازوں کو سنتی باہر آئی اور خاصی حیرت سے تخت کی طرف دیکھا جہاں نازیہ رو رہی تھی، اماں کا تخت کچن کے ساتھ ہی نصب تھا سو آوازیں بخوبی سنائی دیتی تھیں، کوئی بھی بات کیے بغیر وہ واپس مڑی، کچن سے پانی کا گلاس بھر آئی تھی، اماں کو دیا جو روتی ہوئی نازیہ کو بمشکل سنبھال پا رہی تھیں۔

''شاباش میری بچی پانی پی لے۔'' انہوں نے پیار سے پچکارا۔

پھٹے پرانے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کیے دوسرے ہاتھ سے گلاس تھاما اس کے ہاتھوں میں واضح لرزش تھی، گلاس منہ سے لگایا تو کچھ پانی چھلک پڑا۔

''آرام سے پیو۔'' کب سے خاموش کھڑی صائمہ بولی۔

پانی پی کر قدرے پرسکون ہو گئی، چند لمحے یونہی خاموشی سے گزر گئے، پھر راشدہ بیگم نے ہی اس خوفناک خاموشی کو توڑا۔

''اب تحمل سے بتاؤ کیا ہوا ہے یہ سب۔'' انہوں نے گہری نظروں سے اس کے سراپے کو دیکھا۔

صائمہ بھی بغور نازیہ کا حلیہ دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر چوٹوں کے نشان ثبت تھے، یہی نہیں بلکہ بازو پر بھی نیل پڑ گئے تھے شاید، صائمہ تخت پر ٹک گئی، اس کی سوالیہ نظریں نازیہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، اس کے چہرے پر دکھ رقم تھا۔

''کیا بتاؤں راشدہ خالہ۔'' وہ پھر سسک اٹھی، راشدہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، وہ دل گرفتہ ہو گئی تھیں، نازیہ کی ماں کے پاس آسیہ ہی پہلی بار لے کر گئی تھی، نازیہ منجھلے بہنوں میں سے تیسرے نمبر پر تھی، چھ میں سے چار بہنیں اپنے گھر بار کی ہو چکی تھیں، اس کی بیوہ ماں نے بمشکل اپنی بیٹیوں کے لئے اچھے بر تلاش کیے تھے، نازیہ کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے وہ ان کے گھر اپنی سہیلی آسیہ کے ساتھ گئی تو انہوں نے

ہی بتایا۔

آسیہ ہی نے اپنے بیٹے رضوان کے لئے نازیہ کو پسند کیا تھا، کم گو سی نازیہ انہیں بھی اچھی لگی، پھر نازیہ بہو بن کر ان کی سہیلی آسیہ کے گھر آ گئی۔

جب تک راشدہ بیگم پرانے محلے میں رہیں چکر لگاتی تھیں، مگر اب اکثر پرانے محلے میں جانے سے اجتناب کرتیں (نجانے کیوں) پچھلے دنوں آسیہ آئی تو خاصی دیر تک رہی، اس نے ہی بتایا تھا کہ رضوان کی بچی ماشاء اللہ سے تین ماہ کی ہونے والی ہے۔

''تم لے آتی نازیہ اور بچی کو۔''

''واہ اچھی بات کہی راشدہ! بچی کے بعد ایک دفعہ ہی تو آئی ہو، اب اتنا بھی دور نہیں پرانا محلہ۔'' اس نے اپنائیت سے گلہ کیا، وہ بس مسکرا کر رہ گئیں، دفعتاً وہ اپنے خیالوں سے چونکیں، نازیہ یہ کہہ رہی تھی۔

''خالہ! آپ نہیں جانتیں میں کتنی اذیت میں رہی ہوں۔'' وہ آبدیدہ ہوئی پھر مزید بولی۔

''مجھے پتا ہے میں نے ان لمحوں میں کتنی تکلیفیں اور درد سہے ہیں، ہر کام میں نقص، طعنے تشنے...'' گہرا سانس بھرتی وہ خاموش ہو گئی، قدرے توقف کے بعد دوبارہ بولی۔

''گھر میں سب کے جھگڑے ہوتے ہیں، بھلا اپنی بہو بیٹیوں کو یوں کون نکالتا ہے، ان کے چہروں پر ذرا بھی ملال و تاسف نہیں تھا، کم از کم انسان اپنے کیے پر شرمندہ تو ہو۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہی تھی۔

''اور یہی نہیں ظالموں نے میری معصوم بچی چھین لی۔'' رقت آمیز لہجے میں بولی۔

''میں روتی رہی کرلاتی رہی مگر...... اللہ

پوچھے گا ان ظالموں کو۔" آنسو اس کے چہرے کو بھگونے لگے تو وہ پھر خاموش ہوگئی، تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

راشدہ بیگم کے اشارے پر صائمہ اندر چلی گئی واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں چادر اور جوتوں کی جوڑی تھی، اظہار تشکر سے نازیہ کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"شکریہ خالہ! میں آپ کے گھر آئی بھی اس لئے تھی کہ چادر وغیرہ......"

"ارے کوئی بات نہیں بیٹا۔" انہوں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"نازیہ! کچھ دیر تک ٹھہر جاؤ تو علی آتا ہے تو میں اسے تمہارے ساتھ......"

"نہیں خالہ! ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی میں چلی جاؤں گی، رات ہونے سے پہلے امی کے گھر پہنچ جاؤں گی۔" الوداع کرتے وہ چادر پہنتی مڑی۔

"ٹھہرو، نازیہ مجھے تو خیال ہی نہیں آیا، ایسے کیلئے جاؤ گی۔" راشدہ بیگم نے جلدی سے قریب رکھا پرس اٹھایا، چند نوٹ ہزار کے اسے تھمائے، وہ شرمساری نظر آنے لگی۔

"آپ مجھے احسان مند کر رہی ہیں۔"

"ارے تم تو میری بیٹی ہو۔" انہوں نے پچکارا تو وہ ایک بار پھر ان کے گلے لگ گئی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ خاصی الجھی ہوئی سی تھیں، ساری رات سر درد سے سو نہیں پائیں۔

صائمہ تیل کی شیشی پکڑے ان کے سر میں مالش کرنے لگی، راشدہ بیگم کے جب بھی سر میں درد ہوتا اس تیل سے فوراً افاقہ ہو جاتا۔

مگر......آج وہ ابھی تک الجھی ہوئی تھیں۔

"آسیہ سے اس رویے کی توقع نہیں تھی، مانا وہ زبان کی قدرے تیز تھی، لیکن اتنی ظالم تو کبھی نہیں تھی، کم از کم بچی کو تو ماں سے نہ چھینتے۔" وہ نئے سرے سے دکھی ہوگئیں، صائمہ نے انہیں ٹوکا۔

"آپ پریشان نہ ہوں، آپ کی طبیعت پھر خراب ہو جائے گی، اللہ بہتری کرے گا، درگزر کرنا ہی پڑے گا دونوں کو۔"

"ہاں، صحیح کہہ رہی ہو۔"

"اسلامی اخلاقی اقدار میں درگزر ہی تو آپس کے تنازعوں کو صلح و امن کی راہ دکھاتا ہے۔"

راشدہ بیگم فلسفیانہ انداز میں گویا ہوئیں، آسیہ کے اس طرح کے طرز عمل سے بہر حال وہ شاکڈ تھیں۔

☆☆☆

چاولوں کی پرات لئے وہ تخت پر آ بیٹھیں، سردیوں کی میٹھی میٹھی دھوپ میں بیٹھنا ہمیشہ راشدہ بیگم کو اچھا لگتا تھا، وہ چاولوں سے کنکر وغیرہ صاف کرنے میں مگن تھیں، انہماک اتنا تھا کہ کسی کے قدموں کی آواز بھی نہیں آئی، وہ تو آسیہ نے کھنکارا تو انہوں نے سر اٹھا کر آنے والی کو دیکھا۔

"السلام علیکم!" گرمجوشی سے سلام جھاڑا۔

قدرے حیرت سے انہوں نے آسیہ کو دیکھا، سر ہلا کر جواب دیا، چادر اتار کر وہ وہیں ان کے تخت پر بیٹھ گئی۔

"کیا حال ہے؟"

"اور سناؤ، یہ تمہاری بہو صائمہ نظر نہیں آ رہی؟" انہوں نے ایک ہی نظر میں اِدھر اُدھر دیکھ کر کئی سوال کر ڈالے۔

"بہو؟" لفظ پر راشدہ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"اندر شاید مصروف ہے۔"

"صائمہ!" انہوں نے صائمہ کو آواز لگائی۔

"تم سناؤ کیسے آنا ہوا؟"

"کیا بتاؤں؟" ایک گہرا سانس لے کر وہ صائمہ کو دیکھنے لگیں، جوان کے لئے جھٹ سے چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"جیتی رہو۔" انہوں نے صائمہ سے چائے لے کر اس کا حال احوال دریافت کیا، پھر راشدہ بیگم کی سمت متوجہ ہوئیں۔

"بہن راشدہ بہو کے معاملے میں تم خوش نصیب ہو۔" ان کے لہجے میں رشک تھا، راشدہ بیگم استہزائیہ انداز میں مسکرائیں۔

"کیوں تمہاری بہو نازیہ بھی تو بہت اچھی ہے۔"

"کیا بتاؤں؟"

"اونہہ، نازیہ وہ تو صائمہ کے پائے کی بھی نہیں۔" سنجیدگی سے بولیں تو راشدہ بیگم خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔

"ایسا کیا کیا ہے؟" قدرے چبھتے ہوئے انداز میں بولیں۔

"ہک ہاہ۔" آسیہ نے گہرا سانس خارج کیا۔

"اب تم سے کیا چھپانا، نازیہ کم بخت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا، لوگوں نے کتنا کہا ہمیں سمجھایا مگر ہم نے یتیم سمجھ کر سر پر ہاتھ رکھا، ہم سمجھے اپنی بڑی بہن جیسی ہوگی مگر......"

"میری ہی مت ماری گئی جو اس ناگن سے اپنے لائق فائق بیٹے سے رشتہ طے کیا۔"

"گھریلو جھگڑے سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے مگر منحوس گھر بسانا ہی نہیں چاہتی تھی، رضوان نے لاکھ کوشش کی شروع ہی سے نباہ نہیں کرنا چاہتی تھی، ہم اپنا تماشہ نہیں بنوانا چاہتے تھے، سو خاموش رہے، بچی سمجھ کر یہ غلطی نظر انداز کی کہ شاید وقت گزرنے کے بعد ٹھیک ہو جائے گی، میرے بیٹے نے خوش رکھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔" وہ غمگین سی ہو کر خاموش ہوگئیں، پھر بولیں۔

"چند ہفتے پہلے تمام زیور رقم لے کر بھاگنے کا پلان بنا رہی تھی فون پر اپنے کسی آشنا کے ساتھ، وہ تو اللہ کا شکر ہے رضوان نے خود سنا، اب غیرت تو سب مردوں میں اس وقت جاگ جاتی ہے، بھلا کوئی کتنا ایسی عورت کو برداشت کرتا ہے، اس دن غصے میں آکر خوب لڑا جھگڑا، نازیہ منحوس اسی وقت ننگے پاؤں گھر سے چلی گئی، میں اس کے پیچھے بھاگی کہ کم بخت بچی کو ہی ساتھ لے جائے مگر......" وہ آگے بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر راشدہ بیگم انکشافات سے گویا سن ہوگئیں تھیں، ان کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا، ایک جملہ بار بار ان کے دماغ میں کھٹک رہا تھا۔

"ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ۔"

☆☆☆



جگنوؤں کا سفر

خدیجہ اسحٰق

آج مطلع صاف تھا عدن نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کھڑکیوں کے پردے پیچھے کیے پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا سرد ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی جیسے ہی وہ مڑی اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، شارفہ اپنے بیڈ پر موجود نہیں تھی ابھی وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں ہو گی کہ اسے واش روم سے شارفہ کے گنگنانے کی آواز آئی، عدن کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی، کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے جانے کے لئے قدم بڑھائے ہی تھے کہ شارفہ دروازہ دھکیلتی باہر آ گئی۔

"عدن تم اتنی صبح یہاں خیریت؟" شارفہ حیران ہوتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی وہ شیشے سے ہی پیچھے کھڑی اپنی بہن کا عکس دیکھ رہی تھی۔

"تم اتنی جلدی کیسے اٹھ گئی؟ وہ بھی کسی کے

ناولٹ

بنا اٹھائے؟" عدن نے الٹا سوال کیا عدن ابھی تک حیران تھی، کیونکہ گھر میں صرف وہی تھی جو سب سے لیٹ اٹھتی تھی۔

"تم بھول گئی آج میرا یونیورسٹی کا پہلا دن ہے؟" شارفہ نے اپنی پوری آنکھیں کھولتے ہوئے مڑ کر عدن کو دیکھا۔

"میں کیسے بھول سکتی ہوں؟" عدن چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

"مجھے لگا کہ آج بھی مجھے ہی تمہیں آ کر اٹھانا پڑے گا۔" اس نے پیار سے شارفہ کے گال کو چھوا۔

"خوشی کے مارے تو مجھے پوری رات نیند ہی نہیں آئی۔" کہتے ہوئے شارفہ کی نظر اس کے ہاتھوں میں موجود ڈبے پر پڑی تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔



''یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''

''تمہارا یونیورٹی میں ایڈمشن ہوا ہے تو اسی خوشی میں، میں تمہارے لئے یہ گفٹ لائی ہوں۔'' عدن نے آئی فون کا ڈبہ اس کے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

''ریئلی۔'' شارفہ نے بے یقینی سے پوچھا تو عدن نے اثبات میں سر ہلا دیا شارفہ خوشی سے عدن کے گلے لگ گئی۔

''اب میں چلتی ہوں ہاسپٹل سے دیر نہ ہو جائے۔'' عدن نے پیار سے اسے خود سے الگ کیا۔

''تھینکس عدن!''

عدن، شارفہ سے پورے پانچ سال بڑی تھی، لیکن وہ اسے آپی کہنے کا تکلف نہیں کرتی تھی عدن کے جانے کے بعد شارفہ نے اپنی سم نئے فون میں ڈالی اور تیار ہو کر کمرے سے باہر آ گئی۔

''سلام ماما۔'' وہ سیدھا کچن میں آئی تھی۔

''وعلیکم السلام! تیار ہو گئی میری بیٹی؟'' طیبہ بیگم نے فریج بند کرتے ہوئے ایک نظر تک تک سک سی تیار کھڑی شارفہ پہ ڈالی۔

''جی، پاپا کدھر ہیں؟'' وہ بہ عجلت بولی۔

''وہ تو آفس چلے گئے ان کی میٹنگ تھی تمہیں کوئی کام تھا؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''کام تو تھا خیر چھوڑیں اب میں چلتی ہوں اللہ حافظ۔'' کہہ کر وہ کچن سے باہر نکل گئی۔

''شارفہ ناشتہ تو کر لو۔'' طیبہ بیگم بھی کچن سے باہر آ گئیں۔

''ماما میں یونیورسٹی میں کچھ کھا لوں گی۔'' وہ غیر سنجیدگی سے بولی۔

''ولید جلدی اٹھو اور مجھے یونیورسٹی ڈراپ کر دو۔'' شارفہ نے ناشتہ کرتے اپنے بھائی کو مخاطب کیا۔

''شارفہ آرام سے بیٹھ کر ناشتہ کرو، ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار نہ رہا کرو۔'' اس سے پہلے کہ ولید کوئی جواب دیتا طیبہ بیگم ذرا خفگی سے بولیں، چار و ناچار اسے بیٹھنا پڑا، جلدی سے ناشتہ کر کے وہ یونیورسٹی پہنچی تھی، جہاں اس کی دوست عنایہ پہلے سے ہی اس کی منتظر تھی۔

''ذرا جلدی نہیں آ سکتی تھی؟ کب سے ویٹ کر رہی ہوں؟'' شارفہ کے آتے ہی عنایہ اس پر چڑھ دوڑی۔

''ولید کی وجہ سے دیر ہو گئی۔'' شارفہ نے وضاحت دیتے ہوئے کہا، پھر وہ دونوں کچھ دیر کی تگ و دو کے بعد نوٹس بورڈ تک پہنچ گئی تھیں اب اگلا کام کلاس ڈھونڈنے کا تھا۔

''ایکسکیوز می۔'' جب کافی دیر بعد بھی ان دونوں کو کلاس نہیں ملی تو عنایہ نے ایک لڑکی کو روک کر اس سے مطلوبہ کلاس کے بارے میں پوچھا۔

''نیو ایڈمیشن؟'' اس لڑکی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا عنایہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اوپر جا کر سیکنڈ کاریڈور میں فرسٹ کلاس روم۔'' عجیب سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ لڑکی وہاں سے چلی گئی تھی، ان دونوں نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اوپر چل دیں۔

''یہ فون تم نے کب لیا؟'' عنایہ نے اس کے ہاتھ میں موجود نئے فون کی طرف اشارہ کیا جواب میں شارفہ نے اسے پوری بات بتا دی، وہ دونوں کلاس روم کے باہر پہنچ چکی تھیں لیکن کلاس کے دروازے پہ ایک لڑکا ان کی طرف پشت کیے اس انداز میں کھڑا تھا کہ وہ اندر نہیں جا سکتی تھیں۔

''آپ سائیڈ پر ہو جائیں ہمیں اندر جانا ہے۔'' شارفہ نے اس لڑکے کو مخاطب کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا تھا، جیسے سنا ہی نہ ہو، شارفہ کو سبکی محسوس ہوئی۔

''ہیلو مسٹر میں آپ سے بات کر رہی ہوں؟'' شارفہ ذرا غصے سے بولی ارد گرد اور بھی سٹوڈنٹس تھے جو اس کی آواز سن کر متوجہ ہوئے تھے تبھی اس لڑکے نے مڑ کر شارفہ کو دیکھا اور پیچھے ہوتے ہوئے اسے اندر جانے کا راستہ دیا، شارفہ نے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی، شارفہ اوندھے منہ زمین پر گری تھی، سارے سٹوڈنٹس دل کھول کر ہنسے تھے، زمین پر اس لڑکے نے کوکنگ آئل گرایا تھا اور اب محظوظ ہوتے ہوئے اس ساری صورتحال کو دیکھ رہا تھا، عنایہ نے آگے بڑھ کر فوراً شارفہ کو اٹھایا اور اس کے کپڑوں پر مختلف جگہ آئل لگا تھا، شارفہ نے اپنے فون کی طرف دیکھا جس کی سکرین تقریباً ٹوٹ چکی تھی، شرمندگی کے باعث اس سے پلکیں اٹھانا مشکل ہو گیا۔

''مس آپ کو لگی تو نہیں؟'' وہ لڑکا دوستانہ انداز میں تمسخرانہ ہنسی چہرے پر سجائے شارفہ سے مخاطب ہوا اس کی بات پر اس کے دوستوں نے جاندار قہقہہ لگایا تھا، غصے کی زیادتی سے شارفہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس لڑکے کے منہ پر دے مارا وہاں ایک دم ہی خاموشی چھا گئی جیسے یہاں کوئی ذی روح موجود ہی نہ ہو۔

''مسٹر آپ کو لگی تو نہیں؟'' اس کی آنکھوں میں بے خوفی سے دیکھتی وہ اسی ٹون میں بولی، وہ لڑکا اس تھپڑ کے لئے بالکل تیار نہیں تھا وہ بنا پلک جھپکے شارفہ کو دیکھ رہا تھا، بے یقینی سی بے یقینی تھی، شارفہ غصے سے پاؤں پٹختی عنایہ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

''اس نے زین کو تھپڑ مارا، زین قریشی کو؟'' اسے اپنے پیچھے ایسی بہت سی آوازیں سننے کو ملی تھیں۔

☆☆☆

شارفہ کو یونیورسٹی جاتے ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہو گیا تھا لیکن وہ ابھی تک اپنا پہلا دن نہیں بھولی تھی، یونی میں اسے زین قریشی کئی جگہوں پر نظر آیا تھا مگر وہ ہمیشہ اسے نظر انداز کرتی اس کے پاس سے گزر گئی تھی لیکن شاید آج اس کے ستارے گردش میں تھے، وہ لائبریری سے باہر نکل کر کلاس لینے جا رہی تھی، جب وہ اچانک اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے؟'' گرے شرٹ وائٹ جینز، براؤن آنکھیں اور کھڑی ہوئی ناک کے ساتھ وہ مغرور لگ رہا تھا۔

''لیکن مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' شارفہ کے چہرے پر ناگواری صاف واضح ہو رہی تھی۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' وہ سپاٹ انداز میں بولا۔

''پہلی ملاقات بھول گئے ہو، یا وہ تھپڑ بھی یاد نہیں رہا؟'' شارفہ نے طنز کیا۔

''اس تھپڑ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں؟'' سنجیدگی سے کہتا سر جھٹک کر وہ ہنس دیا تھا۔

''بھولنا بھی مت آئندہ زندگی میں کام آئے گا۔''

''کیا ہم بیٹھ کر اس غلط فہمی کو دور نہیں کر سکتے؟'' زین نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں اور آئندہ میرا راستہ مت روکنا ورنہ

انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گئے۔" شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے وہ وہاں سے چلی گئی تھی جبکہ زین قریشی بس مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا، دوپہر میں گھر آ کر شارفہ کھانا کھا کر سو گئی تھی، جب اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اس نے اٹھ کر کھڑکیوں کے پٹ وا کیے، نرم ہوا پورے کمرے میں پھیل گئی تھی، تبھی اس کی نظر سامنے لان پر پڑی، جہاں سب خوشگوار ماحول میں چائے پی رہے تھے شارفہ بھی فریش ہو کر سیدھا لان میں آئی تھی اور اپنے پاپا کے ساتھ پڑی خالی کرسی پر بیٹھ گئی، اس کے بیٹھتے ہی طیبہ بیگم نے اس کے لئے بھی چائے بنانا شروع کر دی۔

"سٹڈی کیسی جا رہی ہے؟" کچھ دیر بعد احسان صاحب نے شارفہ سے سرسری سا استفسار کیا۔

"بالکل ٹھیک۔" شارفہ نے طیبہ بیگم سے چائے کا گرم کپ پکڑا۔

"گڈ۔" پھر کچھ یاد آنے پر احسان صاحب نے اپنا دایاں ہاتھ کورٹ کو جیب میں ڈالا اور ایک چابی نکال کر شارفہ کی طرف بڑھائی، شارفہ نے ناسمجھی اپنے پاپا کو دیکھا۔

"تمہاری ماما نے بتایا تھا کہ تمہیں پک اینڈ ڈراپ کا بہت پرابلم ہوتا ہے تو میں نے سوچا تمہارا یہ پرابلم بھی حل ہو جانا چاہیے۔" احسان صاحب نے کار کی چابی شارفہ کے ہاتھ میں تھمائی۔

"تھینکس پاپا؟" شارفہ اٹھ کر اپنے پاپا کے گلے لگ گئی۔

"ویسے پاپا میری کار کا بھی ماڈل کافی پرانا ہو گیا ہے؟" ولید نے کان پر کھجلی کرتے ہوئے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم بھی تو کافی پرانے ہو گئے ہو۔" جواب شارفہ کی طرف سے آیا تھا سب اس کی بات سے محظوظ ہوئے تھے سوائے ولید کے۔

احسان صاحب کے تین بچے تھے، دو بیٹیاں عدن، شارفہ اور ایک بیٹا ولید تھا، عدن سب سے بڑی تھی، جو ڈاکٹر بننے کے بعد اپنی ہاؤس جاب کمپلیٹ کر رہی تھی جبکہ ولید انجینئرنگ کے تیسرے سال میں تھا اور شارفہ سب سے چھوٹی تھی جس نے بی ایس (آنرز) میں ایڈمیشن لیا تھا، عدن اور ولید اپنی ماما کے قریب تھے جبکہ شارفہ اپنے پاپا کے زیادہ قریب تھی۔

"شارفہ اپنی کار میرے ساتھ ایکسچینج کر لو۔" ولید نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"پاپا یہ لڑکا کون ہے؟" شارفہ نے اپنے لہجے میں مصنوعی اجنبیت سموتے ہوئے اپنے پاپا کو مخاطب کیا۔

"مجھے نہیں معلوم تمہاری ماما نے ہی اس غریب کو ملازمت پر رکھا ہوا ہے۔" احسان صاحب نے بھی شارفہ کا بھرپور ساتھ دیا جبکہ طیبہ بیگم ان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"اب آپ ایک معمولی سی کار کے لئے اپنے بیٹے کو پہچاننے سے انکاری ہیں۔" ولید تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔

"آئی پرامس میں تمہیں اپنی کار دے دوں گی۔" شارفہ کی بات سنتے ہی ولید کا چہرہ کھل اٹھا۔

"لیکن صرف سروس کروانے کے لئے۔" اگلی بات سنتے ہی ولید کا حلق تک کڑوا ہو گیا وہ احتجاجاً وہاں سے واک آؤٹ کر گیا، جبکہ سب بے اختیار مسکرا اٹھے تھے، ایک خوبصورت شام کا اختتام ہوا تھا۔

☆☆☆

آج کا دن خاصا مصروف گزرا تھا شارفہ اور عنایہ نے فری پیریڈ میں اپنے نوٹس تیار کیے تھے، جب وہ گھر آئی تو کافی تھک چکی تھی لیکن نیند ابھی بھی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ اپنے موبائل کے ساتھ مصروف تھی جب اس کی ماما کمرے میں آئیں۔

"میں اور تمہارے پاپا عرفان صاحب کے گھر ڈنر پر جا رہے ہیں اگر تم فری ہو تو ہمارے ساتھ آ جاؤ۔"

"ماما بھی بہت تھک گئی ہوں آپ ولید یا عدن میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔" شارفہ معذرت خواہانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"عدن ہاسپٹل ہے اور ولید کمبائن سٹڈی کے لئے اپنے دوستوں کی طرف گیا ہوا ہے۔" انہوں نے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے کمرے کا جائزہ لیا، ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی ان کے تینوں بچے نفاست پسند تھے، ان کی خواہش تھی کہ شارفہ بھی عدن اور ولید کی طرح ڈاکٹر یا انجینئر بنے مگر اس کا انٹرسٹ کمپیوٹر میں تھا اور وہ اسی میں بی ایس کر رہی تھی، طیبہ بیگم نے بھی اس کی خواہش کا احترام کیا تھا۔

"تمہارے تایا کی کال آئی تھی وہ عدن اور فیضان کی شادی کی بات کر رہے تھے۔" انہوں نے اطلاع دی، عدن اپنے تایا زاد فیضان کے ساتھ منسوب تھی، ان کی منگنی کو ایک سال ہونے کو تھا۔

فیضان بھی فوج میں ڈاکٹر تھا ان کے تایا کا گھر لاہور میں تھا جبکہ وہ خود اسلام آباد میں رہتے تھے۔

"رئیلی! پھر آپ نے کیا جواب دیا؟" شارفہ یکدم ہی پرجوش ہو گئی۔

"میں نے کہا جیسے ہی عدن کی ہاؤس جاب کمپلیٹ ہو گی آپ اپنی امانت لے جایئے گا۔"

"یعنی چھ ماہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔" وہ افسردگی سے بولی، تبھی ملازمہ ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔

"بیگم صاحبہ آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" طیبہ بیگم نے اسے جانے کو کہا وہ اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی۔

"کھانا یاد سے کھا لینا ویسے ہی مت سو جانا اور ولید آئے تو اسے بھی کھانا گرم کر کے دے دینا۔" وہ جاتے ہوئے اسے ہدایت دے رہی تھیں، شارفہ نے ہلکی سی سر کو جنبش دی، طیبہ بیگم سوشل ہونے کے باوجود اپنے گھر اور بچوں کا اچھے طریقے سے خیال رکھتی تھی ان کے جانے کے بعد شارفہ نے کھانا کھایا اور ولید کا کھانا نکال کر فریج میں رکھ دیا، رات گہری ہوتی جا رہی تھی، بوریت دور کرنے کے لئے اس نے فلم دیکھنا شروع کر دی، جب آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئی، وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی جب اس کے موبائل پر رنگ ہوئی، اس نے نمبر دیکھے بنا کال پک کی اور فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔" اس کی بھاری آواز اس کے سونے کا پتہ دے رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" ایک اجنبی آواز شارفہ کی سماعتوں سے ٹکرائی گہری نیند میں ہونے کی وجہ سے اس نے زیادہ غور نہیں کیا۔

"ولید میں نے کھانا نکال کر فریج میں رکھ دیا ہے تم بس اسے اوون میں گرم کر لینا۔" وہ اپنے ہی دھیان میں بول گئی۔

"کون ولید؟" دوسری طرف وہ حیرت

سے بولا شارفہ نے پٹ سے اپنی پوری آنکھیں کھولیں اور کان سے موبائل الگ کر کے دیکھا ایک انجان نمبر سکرین پر جگمگا رہا تھا۔

''اوہ خدایا۔'' کہہ کر اس نے فون فوراً کان سے لگایا۔

''سوری رانگ نمبر۔'' کہہ کر وہ فون رکھنے ہی والی تھی کہ دوسری طرف سے وہ تیزی سے بولا۔

''لگتا ہے میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔'' شارفہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔

''آپ نے شاید غلط نمبر پر کال کر لی ہے میں .....'' شارفہ کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اس نے اس کی بات کاٹی۔

''میں زین قریشی بات کر رہا ہوں۔'' اس کا نام سن کر وہ بری طرح چونکی تھی چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد وہ درشتی سے بولی۔

''تمہیں میرا نمبر کہاں سے ملا؟''

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے یہ تو پھر تمہارا نمبر تھا۔'' وہ اطمینان سے کہتا اس کا سکون غارت کر رہا تھا۔

''آئندہ مجھے فون مت کرنا۔'' وہ غصے سے بولی۔

''ایم سوری میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔'' وہ فوراً بولا مبادا وہ فون ہی نا بند کر دے۔

''ہونا بھی چاہیے۔'' وہ دوبدو بولی۔

''کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو؟'' وہ مزید گویا ہوا۔

''ہاں لیکن ایک شرط پر؟'' شارفہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''کیسی شرط؟'' وہ حیران ہوا۔

''آئندہ مجھے فون مت کرنا۔'' وہ بنا کسی لحاظ کے بولی، دوسری طرف وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

''اوکے۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا، مزید کوئی بھی بات کہے بغیر شارفہ نے فون بند کر دیا، رات کے ایک بجے اس کا فون شارفہ کو بری طرح کھٹکا تھا، اسے زین سے جھٹکتی وہ دوبارہ سونے کے لئے لیٹ گئی۔

☆☆☆

آج سورج بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، شارفہ ولید کے ساتھ مارکیٹ اپنی کچھ چیزیں لینے آئی تھی، انہیں شاپنگ کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی کہ اچانک ولید اکتا کر بولا۔

''شارفہ اب بس کرو اور کتنی شاپنگ کرو گی؟ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔''

''ایک منٹ میں ذرا دیکھ لوں کچھ رہ تو نہیں گیا۔'' شارفہ نے اپنے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگز کو ایک ایک کر کے چیک کیا اور جب تسلی ہو گئی تو ولید کے ساتھ مال سے باہر آ گئی۔

''اب مجھے اچھا سا لنچ کرواؤ۔'' ولید شاپنگ بیگز کار میں رکھتے ہوئے مان سے بولا۔

''ضرور میرے بھائی میں ابھی گھر فون کر کے تمہارے لئے دال چاول بنانے کا کہتی ہوں۔''

''واٹ؟'' ولید چیخ ہی تو پڑا۔

''میں اپنا سنڈے برباد کر کے تمہارے ساتھ شاپنگ پر آیا ہوں اور تم مجھے ایک لنچ نہیں کروا سکتی؟ لیکن غلطی میری ہی ہے میں کیسے بھول گیا کہ میرے سامنے عدن نہیں بلکہ شارفہ احسان ہے۔'' ولید نے جذباتی تقریر کی۔

''اب میں اتنی بھی خود غرض نہیں ہوں کہ تمہیں دال چاول کھلاؤں اور عدن سے یاد آیا اسے بھی ہاسپٹل سے پک کر لیتے ہیں اسی بہانے آج اکٹھے لنچ بھی کر لیں گے۔'' شارفہ پر ولید کی جذباتی تقریر کا خاصا اثر ہوا تھا، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے شارفہ نے عدن کو میسج کر دیا، ولید نے کوئی بھی بات کیے بنا کار ہاسپٹل کے راستے پر ڈال دی، کچھ ہی دیر بعد وہ ہسپتال کے مین گیٹ پر کھڑے عدن کا انتظار کر رہے تھے جب کافی دیر گزرنے کے بعد بھی وہ نہ آئی تو چارو ناچار شارفہ کو اندر جانا پڑا۔

''ڈاکٹر عدن اس وقت کہاں ملیں گی؟'' وہ سیدھا ریسپشن پر آئی۔

''وہ کانفرنس روم میں ہیں۔'' ریسپشن پر موجود خوبصورت لڑکی پیشہ وارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس سے کچھ اور بھی کہنے والی تھی کہ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی وہ معذرت کرتی فون کی طرف متوجہ ہو گئی شارفہ سر کو خم دے کر آگے بڑھ گئی کچھ دیر رائٹ لیفٹ و دو کے بعد وہ کانفرنس روم کے باہر موجود تھی۔

''عدن ہم کب سے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں اب جلدی اٹھو میرا بھوک سے برا حال ہوا جا رہا ہے۔'' وہ اپنے ہی دھیان میں میٹنگ روم میں آ گئی تھی، لیکن اندر آ کر اس کی زبان کو خود بخود بریک لگ گیا، دس بارہ ڈاکٹرز چیئرز پر بیٹھے تھے جبکہ ایک ڈاکٹر میز کے پاس کھڑا ہو کر بات کرتے کرتے اچانک چپ ہو گیا، اسے اپنی غلطی کا فوراً احساس ہوا، عدن اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سوری میں نے ڈسٹرب کر دیا۔'' بلیو شرٹ وائٹ کیپری شانے پر لاپرواہی سے جھولتا دوپٹہ اور بالوں کی پونی کیے وہ معصومیت سے بولتی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''ڈاکٹر عدن آپ باہر جا سکتی ہیں۔'' ڈاکٹر حاشر ناگواری سے بولے، اقامتی قد کالی آنکھیں، براؤن بال، ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ چہرے پر سنجیدگی سجائے وہ بہت باوقار لگ رہے تھے۔

''سوری سر!'' عدن نے سر جھکا لیا۔

''اس میں سر جھکانے والی کون سی بات ہے؟ غلطی سے روم میں آئی ہوں پاک انڈیا بارڈر پر نہیں۔'' شارفہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا وہاں اب شرمندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔

''شارفہ تم گھر جاؤ میں شام کو آ کر تم سے بات کرتی ہوں۔'' مارے خفت کے عدن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''اوکے جا رہی ہوں ویسے تم ایک بہت اچھا لنچ مس کر دو گی۔'' کہہ کر شارفہ نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

''اور ہاں فائزہ کافی دن ہوئے تم نے چکر نہیں لگایا، ماما بھی تمہارا پوچھ رہی تھیں ایسا کرنا شام کو عدن کے ساتھ ہی آ جانا۔'' کچھ یاد آنے پر شارفہ جاتے جاتے مڑی تھی اور ایسے بے تکلفی سے بات کر رہی تھی جیسے اپنے گھر میں موجود ہو، عدن نے اپنا سر پکڑ لیا، تقریباً سب ہی ڈاکٹرز عدن کی عمر کے تھے اور بہ مشکل اپنی ہنسی کنٹرول کر رہے تھے، جاتے ہوتے شارفہ ایک سرد نظر ڈاکٹر حاشر پر ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

''ڈاکٹر عدن آپ میٹنگ کے بعد میرے روم میں آیئے گا۔'' ڈاکٹر حاشر سنجیدگی سے بولے، عدن نے اثبات میں سر ہلا دیا، میٹنگ کے بعد وہ ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر حاشر کے پاس گئی تھی اور اس کی توقع کے عین مطابق انہوں نے اسے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔

☆☆☆

عدن جب شام کو گھر آئی تو اس کا موڈ کافی خراب تھا، طیبہ بیگم کے بہت اصرار کرنے پر اس نے پوری بات بتا دی تھی اور ساتھ ہی ان کو منع بھی کیا تھا کہ وہ شارفہ سے کوئی بات نہ کریں وہ خود ہی اسے سمجھا دے گی، مگر ناشتے کی ٹیبل پر طیبہ بیگم نے شارفہ کی ہلکی سی سرزنش کی تھی، شارفہ نے شکایتی نظروں سے عدن کو دیکھا اور کچھ بھی کہے بنا ناشتہ ادھورا چھوڑ کر یونیورسٹی چلی گئی عدن نے خشمگیں نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا اور خاموشی سے ناشتہ کرنے لگی، شارفہ اپنی کلاس لینے جا رہی تھی کہ ایک لڑکی نے آ کر اسے ایک خوبصورت پھولوں کا گلدستہ دیا شارفہ نے حیران ہوتے ہوئے اس سے گلدستہ پکڑا اور اندر موجود ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا تب تک وہ لڑکی جا چکی تھی، شارفہ نے کارڈ کھول کر اسے پڑھا۔

''ایم رئیلی سوری۔'' اس کارڈ پر بس یہ تین لفظ تحریر تھے شارفہ کے ذہن میں جھماکا ہوا، ایسی حرکت صرف زین قریشی ہی کر سکتا تھا، اس کے تو سر پر لگی تلووں پہ بجھی، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی اسے تلاش کر رہی تھی اور آخر کار وہ اسے گراؤنڈ میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا نظر آ گیا وہ تیز تیز چلتی اس کی جانب آئی اور پھولوں کا گلدستہ زین قریشی کے منہ پر دے مارا، وہ جو اپنے دوستوں کی باتوں پر مسکرا رہا تھا بھونچکا کر رہ گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔

''اور جو حرکتیں تم کرتے پھر رہے ہو وہ کس زمرے میں آتی ہیں؟'' وہ بے خوف سی بولی۔

''کبھی آنچل گراتے ہو، کبھی راستہ روکتے ہو اور کبھی آدھی رات کو فون کر کے تنگ کرتے ہو، یہ سب کیا کم تھا جو تم نے یہ پھول بھی مجھے بھیج دیئے۔'' وہ غراتے ہوئے اپنا صبح والا غصہ بھی اسی پر نکال رہی تھی۔

''میں نے کوئی پھول نہیں بھیجے۔'' وہ دو ٹوک انداز میں گویا ہوا۔

''آہ؟ تم نے کہا اور میں نے یقین کر لیا ایسی باتیں ان سے جا کر کرو جو تمہیں جانتا نہ ہو۔'' وہ طنز کرتی ہوئی پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی جبکہ وہ خفگی سے اس کو جاتا دیکھتا رہا۔

''تم کہاں چلی گئی تھی میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔'' عنایہ نے اسے جیسے ہی دیکھا بھاگتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

''ابھی بے عزتی کر کے آئی ہوں میں اس زین قریشی کی سمجھتا کیا ہے وہ خود کو؟'' شارفہ کا غصہ پھر عود آیا۔

''اب کیا کر دیا اس نے؟'' عنایہ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولی، شارفہ نے اسے پوری بات بتا دی۔

''واٹ؟'' عنایہ نے بے یقینی سے شارفہ کو دیکھا۔

''وہ پھول زین نے نہیں بلکہ عدن آپی نے تمہارے لئے بھجوائے تھے۔''

''تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ تیزی سے بولی۔

''شکل دیکھی تھی اپنی؟ ایسے لگ رہا تھا آج کسی کا قتل ضرور کرو گی اسی لئے میں خود پھول لے کر نہیں آئی عدن آپی نے اسپیشل فون کر کے مجھے پھول دینے کو کہا تھا۔'' عنایہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''میں نے تو اپنا سارا غصہ اس زین پر نکال دیا اب میں کیا کروں؟'' شارفہ فکرمندی سے گویا ہوئی۔

''سوری کہو جا کر اسے اور کیا کرنا ہے؟''

''اس کے سارے دوست وہاں موجود ہیں میں کیسے جا کر معافی مانگوں؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''جب تم نے پھول اس کے منہ پر دے مارے تھے تو کیا اس کے سارے دوستوں نے سلیمانی ٹوپی پہن لی تھی؟'' عنایہ زچ ہوئی۔

''ایک تو میں پہلے ہی پریشان ہوں اوپر سے تمہارے طنز ختم نہیں ہو رہے؟'' شارفہ خفگی سے بولی، عنایہ نے کوئی جواب نہ دیا، شارفہ اپنی حرکت پر شرمندہ تھی، رات کو اس نے اپنے موبائل سے زین کا نمبر ڈھونڈا جس سے اس نے فون کیا تھا اور پھر ہمت کر کے اس کا نمبر ملایا اس نے تیسری ہی بیل پر فون اٹھا لیا تھا۔

''ہیلو۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی مگر دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔

''میں شارفہ بات کر رہی ہوں۔'' اسے لگا کہ شاید وہ اسے پہچانا نہ ہو۔

''جانتا ہوں۔'' وہ سرد لہجے میں بولا تو شارفہ پل بھر کو خاموش ہو گئی۔

''اب کل کو آ کر مجھے پوری کلاس کے سامنے بے عزت کر دینا کہ تمہیں رات کو فون کر کے تنگ کیا تھا۔'' وہ طنز کرتا کاٹ دار لہجے میں بولا۔

''ایم سوری مجھے مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔'' شارفہ اس کا طنز نظر انداز کر گئی۔

''اٹس اوکے۔'' چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

''رئیلی؟'' وہ جو بہت کچھ برا بھلا سننے کو تیار تھی اس کے جواب پر بے اختیار ہی بول اٹھی پھر ذرا سنبھل کر بولی۔

''تھینکس۔''

''اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''پوچھو۔'' شارفہ اتنی بھی بے مروت نہیں تھی۔

''تمہیں وہ پھول کس نے بھیجے تھے؟'' وہ متجسس ہوا۔

''میری سسٹر عدن نے بھیجے تھے۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''اوکے۔'' دوسری جانب وہ بولا، شارفہ نے بھی بات کو طول دینے کی بجائے فون بند کر دیا، ایک عجیب سا بوجھ اس کے کندھوں سے سرک گیا تھا، رات گہری ہوتی جا رہی تھی، مختلف سوچیں سوچتی نا جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

''ہیلو شارفہ کیسی ہو؟'' شارفہ اور عدن کافی دنوں بعد اکٹھے ڈنر کرنے ریسٹورنٹ آئی تھیں، وہ دونوں مزے سے کھانا کھاتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھیں کہ شارفہ اپنا نام سن کر چونکی اس نے گردن اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے زین قریشی کو دیکھا۔

''ہائے۔'' شارفہ بدقت بولی، عدن نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔

''یہ زین ہے، زین قریشی میرا یونیورسٹی فیلو، مجھ سے دو سال سینئر ہے اور یہ میری سسٹر عدن ہے۔'' شارفہ نے ان دونوں کا فارمل سا تعارف کروایا۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' زین نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی! آپ بھی ہمیں جوائن کریں؟'' عدن نے فوراً پیشکش کر ڈالی، شارفہ حیرت سے عدن کو دیکھتی رہ گئی مگر بولی کچھ نہیں۔

''بہت شکریہ؟ مگر میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"ہم ڈسٹرب نہیں ہوں گے بلکہ مجھے تو خوشی ہو گی اگر آپ ہمیں جوائن کریں گے۔"
عدن کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔

"عدن اگر اس کا دل نہیں چاہ رہا بیٹھنے کو تو تم فورس مت کرو۔" شارفہ فوراً بولی، مبادا وہ بیٹھ ہی نہ جائے، عدن نے اسے ایک گھوری ڈالی۔

"اگر آپ اتنا فورس کر رہی ہیں تو میں بیٹھ جاتا ہوں۔" وہ شارفہ کی بات سنی ان سنی کرتا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، شارفہ لب بھینچ کر بس خاموش رہ گئی، زین نے اپنے لئے کافی آرڈر کی تھی۔

"سٹڈی کے بعد کہاں جاب کرنے کا ارادہ ہے؟" کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد عدن نے سرسری سا پوچھا۔

"فی الحال تو جاب کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، میری سٹڈی جیسے ہی کمپلیٹ ہو گی میں اپنی فیملی کے پاس ابروڈ چلا جاؤں گا۔" ویٹر نے کافی سرو کی۔

"تو تم یہاں کس کے ساتھ رہتے ہو؟" شارفہ بے اختیار بول اٹھی۔

"ظاہر سی بات ہے اکیلا رہتا ہوں بھائی بہن تو میرا کوئی ہے نہیں، اسی لئے ویکیشنز پر کبھی بھی مام ڈیڈ کے پاس چلا جاتا ہوں یا کبھی وہ مجھ سے ملنے پاکستان آ جاتے ہیں۔" وہ بڑی محبت سے ان کا ذکر کر رہا تھا۔

"بائی دا وے آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟" اس نے باتوں کا رخ عدن کی جانب موڑا۔

"فی الحال تو اپنی ہاؤس جاب کمپلیٹ کر رہی ہوں۔" وہ دونوں شارفہ کو نظر انداز کرتے باتوں میں مگن تھے۔

"یعنی میں اگر کبھی بیمار ہوا تو آپ کے پاس آ سکتا ہوں؟" وہ بے تکلفی سے گویا ہوا۔

"عدن ہارٹ اسپیشلسٹ ہے سائیکاٹرسٹ نہیں۔" شارفہ نے دل جلانے والے انداز میں کہا، اس نے رخ موڑ کر شارفہ کو دیکھا۔

"اگر ایسا ہے تو آپ کو تو بہت پرابلم ہوتا ہو گا۔" زین نے بھی حساب چکتا کیا شارفہ بس دانت پیس کر رہ گئی۔

"آپ شارفہ سے کافی ڈفرنٹ ہیں مینز آپ کافی سویٹ نیچر کی ہیں۔" زین اپنی باتوں سے شارفہ کو مسلسل زچ کر رہا تھا۔

"عدن جلدی اٹھو ولید بس آنے والا ہو گا۔"

عدن نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ شارفہ بول اٹھی۔

"ولید کون ہے؟" زین بے اختیار بولا۔

"تم تو [illegible] تفصیل ایسے پوچھ رہے ہو جیسے رشتہ کروانے والی آنٹی ہو۔" شارفہ نے اس پر چوٹ کی۔

"ولید ہمارا بھائی ہے۔" عدن نے شارفہ کی بات کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔

"اوہ۔" اس نے او کی شکل میں ہونٹ سکیڑے۔

"اب یہ مت پوچھ لینا کہ وہ کرتا کیا ہے؟ کھاتا پیتا کہاں سے ہے اور سوتا کب ہے؟" شارفہ نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا، عدن نے اسے ایک گھوری ڈالی جسے وہ بڑے آرام سے نظر انداز کر گئی جیسے دیکھا ہی نہ ہو جبکہ زین قریشی زیر لب مسکرا دیا۔

"نہیں پوچھتا، آپ کو جان لیا یہی بہت ہے۔" وہ نرمی سے بولا، شارفہ نے کوئی جواب نہ دیا اور جلدی جلدی کا شور مچاتی عدن کے ساتھ ریسٹورنٹ سے باہر آ گئی جہاں ڈرائیور کار لئے ان کا ہی منتظر تھا۔

"تم نے آج کافی روڈ بی ہیو کیا ہے اس

کے ساتھ۔" عدن گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم دونوں تو جیسے میری پوجا کر رہے تھے اور ویسے بھی کیا ضرورت تھی اس کو ساتھ بٹھانے کی؟ دیکھا نہیں تھا کیسے فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔" شارفہ منہ بنا کر بولی۔

"جو بھی ہے تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" عدن نے اسے سمجھانا چاہا مگر شارفہ ہمیشہ کی طرح سنی ان سنی کرتی موبائل کے ساتھ مصروف ہو گئی، عدن بھی سر جھٹکتی کھڑکیوں سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

عدن کی ہاؤس جاب کمپلیٹ ہونے میں دو ہفتے رہ گئے تھے اور پورے ایک ماہ بعد اس کی شادی کی تاریخ طے پا گئی تھی، شارفہ پورے زور و شور سے شادی کی شاپنگ کرنے میں مصروف تھی ابھی بھی وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد فریش ہو کر ہسپتال چلی گئی تا کہ عدن ڈاکٹر فائزہ کے ساتھ شاپنگ پر جا سکے۔

"جب تک ڈاکٹر کریم نہیں آ جاتے تب تک ہم دونوں [illegible] ساتھ نہیں جا سکتیں؟" عدن نے سہولت سے [illegible] سے انکار کیا۔

"تم ہمیشہ ہی ایسے کیا [illegible] میرے ساتھ؟ تمہاری شادی کو دن ہی کتنے رہ گئے ہیں؟" شارفہ آف موڈ کے ساتھ بولی۔

"اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم تو خود تیار تھے شاپنگ پر جانے کے لئے مگر ڈاکٹر حاشر نے سختی سے جانے سے منع کیا ہے۔" فائزہ نے اپنی صفائی پیش کی۔

"ایک تو تمہارے یہ ڈاکٹر حاشر پتہ نہیں سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو کب کا انہیں فٹ بال بنا کر مریخ پر بھیج چکی ہوتی۔" شارفہ جل کر بولی، ان دونوں کو نا چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

"تم دونوں میری ایک بات کان کھول کر سن لو اگر تمہاری شادی تک میری شاپنگ کمپلیٹ نہ ہوئی تو میں نے تمہارے ڈاکٹر حاشر پر کیس فائل کروا دینا ہے۔" شارفہ اردگرد سے بے نیاز ہو کر بول رہی تھی، دفعتاً ان دونوں کو خاموشی سے اپنے پیچھے دیکھتا پا کر اس نے بھی مڑ کر دیکھا اور پھر پلٹنا بھول گئی، اس کے بالکل پیچھے ڈاکٹر حاشر سپاٹ چہرہ لئے کھڑے تھے۔

"ڈاکٹر حاشر آپ کو کوئی کام تھا؟" عدن بدقت بولی۔

"جی؟" چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد وہ گویا ہوئے۔

"آپ کی بہن نے جو کیس فائل کروانا ہے اگر وہ آپ کی شادی پہلے کروا لیں تو بہتر ہو گا کیونکہ اس کے بعد مجھے ملک سے باہر جانا ہے۔" وہ سرد نظروں سے شارفہ کو دیکھتے عدن سے مخاطب ہوئے عدن اور فائزہ نے تھوک نگلا۔

"آپ فکر مت کریں میں یہ کام بھی جلد مکمل کر لوں گی۔" شارفہ سنبھلتے ہوئے بے خوفی سے بولی۔

"شارفہ؟" عدن دبی آواز میں چلائی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں میں، انہیں معلوم ہے کہ تمہاری شادی ہونے والی ہے لڑکیوں کو ہزار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اب تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی تو کیا ان کے ساتھ جاؤں گی۔" شارفہ ڈاکٹر حاشر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اپنا غصہ نکال رہی تھی، عدن اور فائزہ دم سادھے سب کچھ سن رہی تھیں، ڈاکٹر حاشر نے گہری نظروں سے شارفہ کو دیکھا اور پل بھر کی خاموشی کے بعد گویا ہوئے۔

"میں اتنی خوفناک چیزیں ساتھ لے کر نہیں

گھومتا۔“ شارفہ سن کر ششدر رہ گئی جبکہ فائزہ اور عدن حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

”ڈاکٹر کریم آ گئے ہیں اب آپ دونوں جا سکتی ہیں۔“ ڈاکٹر حاشر شارفہ کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے اپنی بات کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔

”ہونہہ، خود تو جیسے چاکلیٹ ہیرو ہیں؟“ شارفہ جل کر بولی، عدن اور فائزہ نے ایک طویل سانس ہوا کے سپرد کی۔

”شارفہ تمہیں کب عقل آئے گی؟ مانا کہ وہ عمر میں ہم سے بس تین چار سال بڑے ہیں مگر ان کا شمار سینئرز ڈاکٹرز میں ہوتا ہے۔“ عدن اس پر چڑھ دوڑی۔

”وہ سینئر تمہارے ہیں میرے نہیں اور ویسے بھی انہوں نے کچھ کم بدتمیزی نہیں کی میرے ساتھ جو تم ان کی سائیڈ لے رہی ہو۔“ شارفہ نے دوٹوک جواب دیا۔

عدن کچھ بھی بولے بغیر اس کے ساتھ شاپنگ پر چلی گئی۔

☆☆☆

ایک مہینہ پر لگا کر اڑ گیا تھا، آج عدن کی مہندی پر شارفہ دل لگا کر تیار ہوئی تھی اس نے گولڈن اور بلیک کلر کے امتزاج کا لہنگا پہنا تھا، مہندی گھر کے وسیع لان میں ہی منعقد کی گئی تھی، شارفہ نے اپنے بہت سے دوستوں کے ساتھ زین قریشی کو بھی انوائٹ کیا تھا، ان دونوں کے درمیان اب پہلے جیسی اجنبیت کی دیوار نہیں رہی تھی، عدن نے اپنی فرینڈز کے علاوہ ہسپتال کے کچھ ڈاکٹرز کو بھی اپنی شادی پر بلایا تھا شارفہ اپنے دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی جب زین قریشی بھی وہاں آن موجود ہوا کچھ ہی دیر بعد اس کے سارے دوست غیر محسوس طریقے سے ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے، اب بس وہ دونوں ہی وہاں موجود تھے۔

”بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔“ زین کھنکتی آواز میں بولا۔

”تھینکس۔“ زین کی بات پر شارفہ سے پلکیں اٹھانا مشکل ہو گیا۔

”دل تو کر رہا ہے کہ مام ڈیڈ کو پاکستان بلا کر اپنی شادی کی ڈیٹ بھی ابھی فکس کروالوں۔“ وہ بے پناہ محبت لہجے میں سموئے اسے حیران کر رہا تھا کیونکہ آج سے پہلے اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی شارفہ کا دل زور سے دھڑکا تھا اس نے پلکیں اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے زین قریشی کو دیکھا۔

”میں تم سے کب سے اپنے دل کی بات کرنا چاہتا تھا مگر آج تک کہہ نہیں پایا۔“ وہ پل بھر کو خاموش ہوا۔

”میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں مجھے نہیں معلوم کب سے؟ مگر اب میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“ وہ محبت سے چور لہجے میں بولا۔

”اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اپنے پیرنٹس کو تمہارے گھر بھیج دوں؟“ وہ بے تابی سے کہتا گہری نظروں سے شارفہ کو دیکھ رہا تھا مارے شرم کے شارفہ کے گال دہکنے لگے، شارفہ گھبرا کر کوئی بھی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلی گئی، زین قریشی دلکشی سے مسکرا دیا، شارفہ کا دل عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا، اپنی حالت پر حیران ہوتے ہوئے تیز تیز چلتی وہ بری طرح کسی سے ٹکرائی تھی۔

”یار سوری؟“ شارفہ کو یہ آواز جانی پہچانی لگی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا سامنے ڈاکٹر حاشر کھڑے تھے وہ سنبھل کر کھڑے ہوتے ہوئے دو قدم پیچھے ہو گئی اور کوئی بھی بات کیے بغیر وہاں سے چلی گئی پورے فنکشن میں اسے اپنے اوپر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا تھا مگر اس نے اپنا وہم جان کر ذہن سے جھٹک دیا، اس بات سے بے خبر کہ وہ زین قریشی کے علاوہ کسی اور کی نظروں کے حصار میں بھی آ چکی ہے۔

☆☆☆

زین قریشی کے اظہار محبت نے شارفہ کے دل کی دنیا میں اودھم مچا دیا تھا، وہ شارفہ کے لئے اپنے جذبات کا اظہار پہلے بھی ڈھکے چھپے الفاظ میں کئی بار کر چکا تھا، مگر شادی کی بات اس نے پہلی بار واضح طور پر کہی تھی، شارفہ کا دل اس کی طرف خود بخود مائل ہونا شروع ہو گیا، وہ یونیورسٹی میں ہر وقت اس کے ساتھ سائے کی طرح رہنے لگا تھا کسی بھی لڑکے کو شارفہ سے دو منٹ سے زیادہ بات نہیں کرنے دیتا تھا، وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی خیال رکھتا تھا، وہ آہستہ آہستہ اس کے دل میں اپنے لئے جگہ بنانے لگا، شارفہ اپنے دل کی بات عدن کو بتانا چاہتی تھی مگر وہ اپنی نئی شادی شدہ زندگی میں بہت مصروف تھی، شارفہ نے زین کے متعلق ایسا کبھی نہیں سوچا تھا مگر اب وہ اسے بڑی خوشی سے گھنٹوں سوچتی تھی اس کا خیال ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ لے آتا تھا، دو تین بار اس نے شارفہ کو اپنے گھر پارٹی پر بھی انوائٹ کیا اور وہ خوشی خوشی اس کے گھر گئی تھی، اب وہ دونوں تقریباً ہر جگہ ساتھ ہوتے تھے، زین قریشی کا شارفہ کی طرف جھکاؤ یونیورسٹی کی بہت سی لڑکیوں کو کھٹکنے لگا تھا شارفہ بھی اس کی سنگت میں بہت خوش رہنے لگی تھی مگر یہ خوشی زیادہ دیر کی نہیں تھی زین کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی اور اب وہ پہلے کی طرح روز یونیورسٹی نہیں آتا تھا، شارفہ کو اس کی بہت کمی محسوس ہوئی، وہ آج کل بہت اداس رہنے لگی تھی، زین قریشی اگلے ہفتے اپنی فیملی کے پاس لندن شفٹ ہونے والا تھا، اس نے شارفہ کو یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ بہت جلد اپنی فیملی کے ساتھ واپس پاکستان آ کر شارفہ کے پیرنٹس سے بات کرے گا، مگر اس کے جانے کا غم پر خوشی پر بھاری تھا، ابھی بھی وہ اپنے بیڈ روم میں اداس بیٹھی اسی کے متعلق سوچ رہی تھی جب طیبہ بیگم اس کے کمرے میں آئیں اور بیڈ پر اس کے سامنے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئیں۔

”میں تم سے ایک خاص بات کرنے آئی ہوں۔“ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اصل مدعے پر آئیں، شارفہ کی چھٹی حس نے فوراً خطرے کی گھنٹی بجائی وہ ہمہ تن گوش ہو کر ان کو سن رہی تھی۔

”میں اور تمہارے پاپا چاہتے ہیں کہ ولید کے ساتھ تمہاری بھی شادی کر دیں تا کہ تم دونوں کے فرض اسے اکٹھے سبکدوش ہو سکیں۔“ وہ اس کے جذبات سے بے خبر بول رہی تھیں۔

”اب میں تمہارے ماموں کو مزید انتظار نہیں کروانا چاہتی اور اب تو ویسے بھی ولید ماشاء اللہ برسر روزگار ہو گیا ہے۔“ شدت ضبط کے باوجود شارفہ کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

”تمہارے لئے دو پرپوزل آئے ہیں، ایک طرف تمہارے پاپا کے دوست کا بیٹا ہے تو دوسری طرف ڈاکٹر حاشر ہیں، ہم دونوں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے اس لئے تمہیں فیصلے کا اختیار دیا ہے۔“ وہ پل بھر کو خاموش ہوئیں۔

”تم ان دونوں کے متعلق اچھی طرح سوچ بچار کر لو اور پھر جو فیصلہ تمہارا ہو گا وہ ہمیں بھی منظور ہو گا۔“ وہ اس پر بم پھوڑ کر خود چلی گئیں تھیں، شارفہ کو محسوس ہوا جیسے زندگی اس پر تنگ ہو

رہی ہے، مگر ابھی نہیں فیصلے کا اختیار اب بھی اس کے پاس تھا وہ پوری رات ۔بے چین رہی اور ایک پل کو بھی نہ سوئی تھی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ جب ماما اس سے بات کریں گی تو وہ جھٹ سے انکار کر دے گی جبکہ اس کے گھر سے کوسوں دور زین قریشی اپنے بیڈروم میں بیٹھ کر اپنے دوست نوید سے شارفہ کے متعلق ہی بات کر رہا تھا۔

''زین مجھے تو تمہاری سمجھ نہیں آئی کہ آخر تم چاہتے کیا ہو؟ ایک طرف تم ہمیشہ کے لئے لندن جا رہے ہو اور دوسری طرف تم شارفہ کو شادی کی امید دلا رہے ہو۔'' نوید الجھ کر بولا زین نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔

''تمہیں سچ میں لگتا ہے کہ میں شارفہ سے شادی کروں گا؟'' زین نے حقارت سے کہا۔

''تو پھر تم شارفہ کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟'' نوید تجسس سے گویا ہوا۔

''میں اس کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا وہ بڑی مشکلوں سے سیٹ ہوئی ہے۔'' زین بے باکی سے بولا۔

''ویسے تم اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔'' نوید نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''میں زیادتی کر رہا ہوں؟'' زین نے حیرت سے اپنی پوری آنکھیں کھولیں۔

''تم بھول گئے اس نے کیسے سب کے سامنے مجھے تھپڑ مارا تھا یہ بھی اس محترمہ کو کم لگا تو آ کر میرے منہ پر پھول بھی دے مارے۔'' وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''تم اتنی سی بات ابھی تک دل میں لئے بیٹھے ہو؟'' نوید حیران ہوا۔

''یہ اتنی سی بات ہی دل کو جا لگی میرے دوست؟''

''تو اب تم اس کے ساتھ کیا کرو گے۔'' نوید مزے سے بولا۔

''لندن جانے سے پہلے ایک پارٹی ارینج کروں گا اس میں اپنے سارے دوستوں کو بلاؤں گا۔'' زین پل بھر کو خاموش ہوا۔

''پھر سب کے سامنے شارفہ سے اعتراف محبت کرواؤں گا اور اسے ٹھکرا کر ویسے ہی بے عزت کروں گا جیسے اس نے تھپڑ مار کر مجھے کیا تھا۔'' زین زہریلے لہجے میں بولا۔

''وہ تو جیسے تیار کھڑی ہے اعتراف محبت کرنے کا؟'' نوید نے طنز کیا۔

''وہ تو میرے لئے مرنے کو تیار ہے یہ پیار ہوتا ہی ایسا ہے میرے دوست اس میں بہت طاقت ہوتی ہے اچھے اچھوں کو اندھا کر دیتا ہے۔'' اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''کل اس کا سارا غرور خاک میں ملا دوں گا۔'' سفاکی سے کہتے زین قریشی کو بے صبری سے کل کا انتظار تھا۔

☆☆☆

سورج طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد شارفہ بھی نیند سے بیدار ہو گئی تھی، عام دنوں کی نسبت وہ آج خاصی سنجیدہ تھی وہ معمول کے مطابق یونیورسٹی گئی تھی مگر اس نے کوئی کلاس اٹینڈ نہیں کی تھی، وہ مسلسل زین کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ اچانک فون کی رنگ ٹون اسے ماضی سے حال میں لائی، ایک انجانا نمبر سکرین پر جگمگا رہا تھا اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کال ریسیو کی۔

''ہیلو'' ایک انجانی آواز شارفہ کی سماعتوں سے ٹکرائی اسے وہ رات یاد آئی جب زین قریشی نے اسے پہلی دفعہ فون کیا تھا۔

''ہیلو، شارفہ آپ مجھے سن رہی ہیں؟'' شارفہ کو مسلسل خاموش پا کر دوسری جانب وہ

دوبارہ بولا۔

''جی سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟'' شارفہ ذرا سنبھل کر بولی۔

''میں حاشر محمود بات کر رہا ہوں۔''

''سن رہی ہوں۔'' شارفہ نے سپاٹ انداز میں کہا۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے کیا ہم مل سکتے ہیں۔'' وہ سیدھا مطلب کی بات پر آیا۔

''بات تو فون پر بھی ہو سکتی ہے۔'' شارفہ کا ابھی کسی سے بھی ملنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''مگر میں فیس ٹو فیس بات کرنا چاہتا ہوں میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔''

''اوکے، کہاں ملنا ہے؟'' شارفہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، حاشر نے اسے کافی شاپ کا ایڈریس سینڈ کر دیا تھا، شارفہ پورے پندرہ منٹ بعد کیفے پہنچی تھی جہاں وہ پہلے سے ہی اس کا منتظر تھا۔

''شکریہ آنے کے لئے۔'' اس کے بیٹھتے ہی وہ بولا۔

''کہیے کیا کہنا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''مجھے لگتا ہے آپ کو کافی جلدی ہے جانے کی؟'' وہ دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے آرڈر نوٹ کروانے لگا۔

''اب بچپن کی دوستی تو ہے نہیں ہم دونوں کی کہ میں گھنٹوں آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کروں اور ہماری چند ایک ملاقاتیں بھی کچھ ایسی خوشگوار نہیں رہیں۔'' وہ سادگی سے کہتے ہوئے بھی طنز کر گئی، حاشر محمود کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''ویل یہ تو آپ نے ٹھیک کہا؟'' ویٹر نے دو کپ کافی کے سرو کیے۔

''میں نے اپنی ممی کو آپ کے گھر بھیجا تھا، لیکن ابھی تک آپ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔'' وہ بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''ممی نے طیبہ آنٹی کو کال کی تھی تو انہوں نے کہا کہ ایک پرپوزل تمہارے لئے آیا ہوا ہے، انہوں نے فیصلے کا اختیار تمہیں دیا ہے اب جو فیصلہ تمہارا ہوگا وہ انہیں بھی منظور ہوگا۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔

''ان ساری باتوں کا مقصد جان سکتی ہوں؟'' شارفہ گلا کھنکار کر گویا ہوئی۔

''میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اچھی طرح سوچ بچار کر لیں اور کوشش کریں کہ فیصلہ میرے حق میں دیں۔'' اس نے کافی کا کپ لبوں سے لگایا۔

''اور میں کیا سوچ کر آپ کے حق میں فیصلہ دوں؟'' شارفہ نے الٹا سوال کیا۔

''مس شارفہ! اب میں آپ سے محبت کے جھوٹے دعوے تو نہیں کروں گا بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اچھی لگنے لگی ہیں۔'' کہہ کر وہ دوبارہ خاموش ہو گیا شارفہ کے اندر ایک عجیب سی جنگ چھڑ گئی تھی اس نے خود کو کمپوز کیا اور کچھ دیر بعد بولی۔

''اگر میں آپ کے حق میں فیصلہ نہ دوں تو؟'' اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تو میں آپ کے فیصلے کی ریسپیکٹ کروں گا۔'' وہ اطمینان سے گویا ہوا، شارفہ کو بہت کچھ یاد آنے لگا تھا، اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی وہ اس نمی کو چھپائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اب میں چلتی ہوں۔'' وہ تیزی سے جانے کے لئے مڑی جب وہ فوراً بولا۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا وہ پوری اس کی طرف گھومی۔

”بہت شکریہ میں خود چلی جاؤں گی۔“

”تھینکس شارفہ آپ نے مجھے وقت دیا۔“ وہ ممنون ہو کر بولا، شارفہ نے ہلکی سی سر کو جنبش دی اور کچھ بھی بولے بغیر آگے بڑھ گئی گھر پہنچنے تک وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

زین نے اپنے گھر ایک پارٹی ارینج کی تھی اور شارفہ کو خاص طور پر انوائٹ کیا تھا شارفہ جانے کے لئے خوشی خوشی رضا مند ہو گئی تھی اس پارٹی کے لئے اس نے نیا ڈریس بھی خریدا تھا اب اسے بے تابی سے رات کا انتظار تھا جیسے ہی شام کے سائے گہرے ہوئے اس نے اپنی تیاری شروع کر دی، ٹھیک آدھے گھنٹے بعد تیار ہو کر وہ گھر سے نکل گئی تھی، ایک دوکان کے آگے گاڑی روک کر اس نے پھولوں کا گلدستہ لیا ٹھیک آٹھ بجے وہ زین کے گھر کے دروازے پر کھڑی تھی، گھنٹی بجانے کے کچھ دیر بعد دروازہ زین نے کھولا تھا، زین نے بڑے والہانہ انداز میں اس کا استقبال کیا تھا، شارفہ کو لاؤنج میں بیٹھا کر خود وہ کچن میں چلا گیا، لاؤنج میں زین کے اور بھی دوست موجود تھے جو اسے معنی خیز نظروں سے گھور رہے تھے کم از کم شارفہ کو تو ایسا ہی محسوس ہوا تھا کچھ دیر بعد جب زین کچن سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں سوفٹ ڈرنک کا گلاس تھا جو اس نے شارفہ کی طرف بڑھایا شارفہ نے مسکراتے ہوئے گلاس پکڑ لیا، بیک گراؤنڈ میں ہلکا ہلکا میوزک چل رہا تھا، کچھ دیر بعد زین نے اونچی آواز میں سب کو اپنی جانب متوجہ کیا براؤن ٹی شرٹ بلیک پینٹ اور کھڑی ہوئی ناک کے ساتھ وہ بہت ہینڈسم اور مغرور لگ رہا تھا۔

”آپ سب کا شکریہ کہ آپ لوگ یہاں آئے۔“ زین اپنا شو شروع کر چکا تھا۔

”اور میں شارفہ کا بے حد ممنون ہوں کہ اس نے یہاں آ کر میرے دن کو اور خاص بنایا۔“ سب اسے خاموشی سے سن رہے تھے۔

”جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میری اور شارفہ کی پہلی ملاقات کچھ خوشگوار نہیں رہی تھی لیکن اس سب کے باوجود ہماری دوستی ہونا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔“ اپنی نظریں شارفہ پر جمائے وہ بول رہا تھا جبکہ شارفہ سپاٹ چہرہ لئے اس کو دیکھ رہی تھی۔

”کہتے ہیں ہر پیار کی شروعات نفرت سے ہوتی ہے تو بس کچھ ایسا ہی سین ہم دونوں کے درمیان بھی ہوا ہے۔“ وہ شوخی سے بول رہا تھا سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی، شارفہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔

”اب ہم دونوں کا پیار تو کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ شارفہ اپنی فیلینگز ہم سب کے ساتھ شیئر کرے۔“ اس نے بڑی خوبصورتی سے گیند شارفہ کے کورٹ میں ڈالی سب کی نظریں شارفہ کی جانب اٹھیں بہت سے لڑکوں نے سیٹیاں بجائیں جبکہ لڑکیوں نے تالی بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی سب کی نظریں اپنے اوپر پا کر شارفہ پزل ہو گئی تھی، زین بھی شیطانی ہنسی ہنستا اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔

”تم کس پیار کی بات کر رہے ہو؟“ شارفہ نے سپاٹ انداز میں کہا سب کے چہروں سے مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔

”Dont be shy۔“ زین ذرا سنبھل کر مسکرایا۔

”میں انیسویں صدی کی لڑکی نہیں ہوں جو بے وجہ سے شرماتی پھروں؟“ شارفہ نے غصے سے کہا ماحول میں یک دم سناٹا چھا گیا۔

”اور زین قریشی میں نے تم سے کب کہا کہ

میں تم سے محبت کرتی ہوں؟“ شارفہ کہتے ہوئے سب کو حیران کر رہی تھی جبکہ زین قریشی کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا۔

”شارفہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ زین کو اپنا پلان خراب ہوتا محسوس ہوا۔

”تمہیں کیا ہو گیا ہے زین؟ تم کس دور میں جی رہے ہو؟ میں نے ہنس کر دو باتیں کیا کر لیں تم نے تو اسے پیار کا ہی رنگ دے دیا۔“ حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولتے ہوئے اس نے بازی ہی پلٹ دی تھی۔

”میں کس دور میں جی رہا ہوں؟“ زین بے یقینی سے بولا۔

”اگر ایک لڑکا اور لڑکی روز ملیں، گھنٹوں فون پر باتیں کریں، ہر جگہ اکٹھے ساتھ ہوں، اگر ایک کو تکلیف ہو تو دوسرے کو بھی اتنا ہی درد محسوس ہو تو میرے دور میں اسے محبت ہی کہتے ہیں۔“ شارفہ چند ثانیے اسے خاموشی سے دیکھنے کے بعد گویا ہوئی۔

”یہ محبت نہیں بلکہ تمہارے دماغ کا فتور ہے اور میں نے کبھی آ کر تم سے محبت کا اظہار کیا؟ کبھی کہا کہ زین قریشی میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی؟ نہیں نا؟ کیونکہ میں صرف تمہیں اپنا ایک اچھا دوست سمجھتی ہوں اور کچھ نہیں۔“ وہ سرد لہجے میں کہتی ہوئی زین قریشی کو لاجواب کر گئی۔

”تم مجھ سے ناراض ہو؟ تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہے؟“ زین کسی طور ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔

”میں تم سے کیوں ناراض ہوں گی اور ویسے بھی ناراض ان سے ہوا جاتا ہے جو دل کے بہت قریب ہوں اور تم بس میرے اچھے دوست ہو۔“ وہ سکون سے کہتی زین قریشی کو بے سکون کر گئی۔

”ضرور تمہیں کسی نے میرے خلاف بھڑکایا ہے، تم ان کی باتوں میں نہ آنا میں آج ہی اپنے پیرنٹس سے ہم دونوں کی شادی کی بات کرتا ہوں۔“ زین نے ایک اور چال چلنے کی کوشش کی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے اپنے پیرنٹس سے بات کرنے کی۔“ شارفہ نے زین کی ایک اور چال ناکام بنا دی۔

”ایک دو دن میں میرا رشتہ فائنل ہونے والا ہے اسی لئے بہتر ہو گا کہ تم یہ پیار محبت کی باتیں اپنے ذہن سے نکال دو۔“ وہ تیکھے لہجے میں بولی جبکہ زین کی حالت ”کاٹو تو بدن میں لہو نہیں“ کے مترادف تھی، وہ شاکی نظروں سے شارفہ کو گھور رہا تھا اسے ماحول سے عجیب سی وحشت محسوس ہوئی۔

”اب میں چلتی ہوں۔“

”Have a nice day۔“ ایک نظر سب پر ڈالتی فلیٹ سے باہر نکل گئی جبکہ زین ساکت کھڑا اس کو جاتا دیکھتا رہا اس کا خاص دن بہت بری طرح برباد ہوا تھا، ایک ایک کر کے اس کے سارے دوست بھی وہاں سے چلے گئے تھے، شارفہ کی باتیں ہتھوڑے کی طرح اس پر برس رہی تھیں، اس کا بنا بنایا پلان خراب ہو گیا تھا، ایک اچھے دن کا بڑی بدصورتی سے اختتام ہوا تھا۔

☆☆☆

دو سال بعد ہاں پورے دو سال بعد وہ اس کو مال میں ملی تھی وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے کھڑی ہے سب ایک خواب سا لگ رہا تھا اگر یہ خواب تھا تو بہت حسین خواب تھا، وہ اپنی پلک تک نہیں جھپک رہا تھا کہ کہیں یہ خواب نہ ٹوٹ جائے، مگر نہیں وہ خواب نہیں

حقیقت تھا، اس نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا، اسے ڈھونڈنے کے لئے پاگلوں کی طرح وہ جگہ جگہ مارا پھرا تھا مگر وہ اسے نہیں ملی تھی، ان دو سالوں میں وہ اسے اتنی بار اپنے روبرو خوابوں میں دیکھ چکا تھا کہ اب تو اسے گنتی بھی یاد نہیں رہی تھی، مگر اب وہ حقیقت میں اس کے سامنے موجود تھی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے قریب پہنچا، یہ چند قدم کا فاصلہ اسے صدیوں پر محیط محسوس ہوا تھا۔

''شارفہ!'' وہ اس کے کان کے قریب آ کر آہستگی سے بولا، یکدم اس نے یک سہم کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر پلکیں جھپکنا بھول گئی اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول اس کے سامنے کھڑی تھی، چہرے کے تاثرات یکسر تبدیل ہوئے مسکراہٹ کی جگہ غصے نے لے لی۔

''زین قریشی؟'' اس نے زیر لب اس کا نام دہرایا، بہت سے زخم تازہ ہونے لگے تھے۔

''مائی گاڈ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم میرے سامنے موجود ہو۔'' وہ اردگرد سے بے نیاز حیرت سے بولا، شارفہ نے کوئی جواب نہ دیا بس لب بھینچے کھڑی رہی۔

''میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا کتنی بار تمہیں فون کیا، تم نے مجھ سے کانٹیکٹ کیوں؟ نہیں پہلے تم مجھے یہ بتاؤ تم اتنا عرصہ کہاں غائب رہی ہو؟'' زین حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کی وجہ سے بے ربطگی سے بول رہا تھا۔

''بس کچھ مصروفیات تھیں۔'' شارفہ مسکرا بھی نہ سکی۔

''خیر اب تو تم مجھے مل گئی ہو اتنی آسانی سے تمہیں جانے نہیں دوں گا۔'' وہ بڑے مان سے بول رہا تھا۔

''میں نے تمہیں ڈھیر ساری باتیں بتاتی ہیں ہم کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' زین نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر شارفہ دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی زین تو سبکی کا احساس ہوا۔

''جو کہنا ہے یہیں کہہ لو میں ذرا جلدی میں ہوں۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھی زین نے بغور اس کو دیکھا وہ ان دو سالوں میں بہت بدل گئی تھی۔

''لندن جا کر میں نے تمہیں کافی میلو کی تھیں تم نے ان کا جواب کیوں نہیں دیا؟'' وہ شکایتی انداز میں بولا۔

''کیوں جواب دیتی تا کہ تمہارے ہاتھ ایک اور موقع آ جاتا مجھے ذلیل کرنے کا؟'' شارفہ پھٹ پڑی تھی زین نے سخت شاکی نظروں سے شارفہ کو دیکھا۔

''میں تمہیں کیوں ذلیل کروں گا میں تو تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''بند کرو اپنی یہ جھوٹی بکواس۔'' شارفہ اردگرد سے بے نیاز اونچی آواز میں بولی، دو چار لوگوں نے اسے رک کر دیکھا پھر آگے بڑھ گئے۔

''تمہیں ہر بار یہ کیوں لگتا ہے کہ میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں؟'' زین گلوگیر لہجے میں بولا۔

''کیونکہ تم ہو ہی ایک نمبر کے جھوٹے۔'' وہ بنا لحاظ کیے بولی زین بے اختیار مسکرا اٹھا۔

''میں ایسا کیا کروں کہ تمہاری ناراضگی ختم ہو جائے۔'' اس نے پیار سے شارفہ کو دیکھتے ہوئے بڑے مان سے کہا۔

''یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ مجھے کبھی اپنی شکل مت دکھانا۔'' وہ سفاکی سے گویا ہوئی۔

''پچھلے دو سالوں سے میں تمہیں پاگلوں کی طرح چاہ رہا ہوں ایک پل بھی سکون کا نصیب

نہیں ہوا اور تم مجھے کہہ رہی ہو کہ آئندہ اپنی شکل مت دکھانا۔'' زین تڑپ اٹھا۔

''یہ جو محبت ہوتی ہے نہ زین قریشی اس میں بہت طاقت ہوتی ہے اچھے اچھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔'' چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ سجائے وہ بولی جبکہ زین نے پہلے نا سمجھی سے شارفہ کو دیکھا پھر فوراً اس کے ذہن میں جھماکا ہوا یہ اسی کے کہے الفاظ تھے، زین کو اپنے الفاظ کی بازگشت کا اب احساس ہو رہا تھا شارفہ کو وہ دن آج بھی یاد تھا جب وہ اپنے پرپوزل کے بارے میں زین کو بتانے اس کے گھر گئی تھی گھر کا دروازہ کھلا پا کر جھجکتی ہوئی وہ اندر آ گئی اس سے پہلے کہ وہ کمرے میں داخل ہوتی اپنا نام سن کر وہ چونکی اپنے متعلق زین کے خیالات جان کر وہ ساکت رہ گئی تھی، وہ بہ مشکل خود کو گھسیٹتی واپس گھر آئی تھی اور اس نے اگلے دن اس نے زین کے بتائے پلان کی بازی ہی پلٹ دی تھی۔

''میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں کیا تم میری ایک غلطی معاف نہیں کر سکتی؟ تم تو مجھ سے محبت کرتی تھی۔'' وہ شرمندہ ہوتے ہوئے اسے اپنی محبت کا یقین دلا دیا تھا۔

''وہ محبت نہیں تھی اٹریکشن تھی زین قریشی، جو کبھی بھی عام انسان کو دوسرے انسان سے ہو جاتی ہے۔''

''تم پلیز مجھے ایک موقع اور دے دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ہر آزمائش پر پورا اتروں گا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولا۔

''تم نے بہت دیر کر دی۔'' شارفہ طنزیہ ہنسی نہیں دی، تبھی اسے اپنے بائیں کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا اور اس نے مڑ کر دیکھا اور دلکشی سے مسکرا دی، جبکہ زین نے پہلے ناگواری پھر غصے سے اس کے پیچھے کھڑے شخص کو دیکھا۔

''اگر تمہاری شاپنگ کمپلیٹ ہو گئی ہے تو پلیز یار اس کو پکڑ لو۔'' اس شخص نے ایک سال کا بچہ شارفہ کو پکڑایا جو اس کی گود میں آتے ہی خوش ہو گیا تھا، زین قریشی حیرانگی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، پھر اس شخص نے زین کو دیکھا اور پھر شارفہ کو جیسے پوچھ رہا ہو۔

''یہ کون ہے؟''

''یہ میرا یونیورسٹی فیلو تھا زین قریشی۔'' شارفہ بدقت مسکرائی۔

''اور زین یہ میرے ہزبینڈ ہیں ڈاکٹر حاشر محمود اور یہ میرا بیٹا داؤد ہے۔'' زین کو لگا پورا شاپنگ مال اس کے سر پر آن گرا ہے، وہ بے یقینی سے کبھی شارفہ اور کبھی اس کے ساتھ کھڑے حاشر محمود کو دیکھ رہا تھا، بے یقینی سی بے یقینی تھی، شارفہ نے اسے ایک لفظ بھی بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''اچھا لگا آپ سے مل کر۔'' حاشر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے زین نے بدقت تھاما، شارفہ نے سرد نظروں سے زین کو دیکھا اور حاشر سے کو لئے آگے بڑھ گئی، اپنے ساتھ چلتے حاشر محمود کو دیکھ کر اس نے اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا جبکہ زین قریشی بے بسی سے اس کو جاتا دیکھ رہا تھا، وہ قسمت کی ستم ظریفی پر ابھی تک حیران تھا، وہ خالی نگاہوں سے اسے ہمیشہ کے لئے اپنے سے دور جاتا دیکھ رہا تھا، وہ اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا اور جانتا تھا اسے اس پچھتاوے کی آگ میں زندگی بھر جلنا ہے۔

محبت مل نہیں سکتی؛ مجھے معلوم ہے لیکن
تبھی خاموش رہتا ہوں محبت کر جو بیٹھا ہوں

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

فرمان رسولؐ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''لوگو! میری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے آگ جلائی اور جب آس پاس کا ماحول اس کی روشنی سے چمک اٹھا تو کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کیڑوں پتنگوں کو روکتا ہے لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوشش ناکام بنائے دے رہے ہیں اور آگ میں گھسے پڑ رہے ہیں، اسی طرح میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے پڑ رہے ہو۔''

فرح راؤ، کینٹ

حضرت محمد ﷺ کی ازواج مطہرات

(1) حضرت خدیجہؓ:۔ یہ رسول اکرمؐ کی سب سے پہلی بیوی ہیں، نکاح کے وقت آپ کی عمر چالیس برس جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس برس تھی، آپ کے پہلے شوہر کا نام ''ابو ہالہ تمیمی'' تھا۔

(2) حضرت سودہؓ:۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں، آپ کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا۔

(3) حضرت عائشہؓ:۔ آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت آپ کنواری تھیں اور ازواج مطہرات میں سب سے کم عمر بھی آپ ہی تھیں۔

(4) حضرت حفصہؓ:۔ آپ حضرت عمرؓ کی بیٹی ہیں، آپ بہت سخی اور عبادت گزار خاتون تھیں۔

(5) حضرت زینب بنت خزیمہؓ:۔ آپ بہت سخی اور نہایت عبادت گزار خاتون تھیں، آپ غریبوں کی ماں کے نام سے بھی مشہور تھیں، آپ کے پہلے شوہر کا نام عبداللہ بن جحشؓ تھا۔

(6) حضرت ام سلمہؓ:۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی غریب محتاج کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتیں، آپ کے پہلے شوہر کا نام ابوسلیمہؓ تھا۔

(7) حضرت زینب بنت جحشؓ:۔ آپ بہت مالدار خاتون تھیں، آپ کا پہلا نکاح حضرت زیدؓ سے ہوا تھا، پردے کا پہلا حکم ان کی شادی پر ہی آیا تھا۔

(8) حضرت اُم حبیبہؓ:۔ ہجرت مدینہ میں یہ بھی شامل تھیں اور حبشہ گئی تھیں، حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نصرانی سے مسلمان ہونے کے بعد آپ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پیام دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبول کرنے پر نکاح کا بندوبست بھی خود نجاشی نے کیا۔

(9) حضرت جویریہؓ:۔ یہ ایک لڑائی میں جو (بنی معطلق کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے) میں قید ہو کر آئی تھیں، حضرت جویریہؓ کے پہلے شوہر کا نام مسافع بن صفوان تھا۔

(10) حضرت میمونہؓ:۔ ان کے پہلے شوہر کا نام خویطب تھا۔

(11) حضرت صفیہؓ:۔ یہ ایک لڑائی میں قید ہو کر آئی تھیں اور ایک صحابیؓ کے حصے میں دی گئی تھیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مول لے کر آزاد کر دیا اور پھر نکاح فرمایا، یہ حضرت ہارون کی اولاد میں سے ہیں، ان کے پہلے شوہر کا نام کنانہ بن ابی الحقیق تھا، یہ پہلے یہودی تھیں۔

زرین اطہر صدیقی، راولپنڈی

مسکرائی کرنیں

☆ علم کے پیالے کو اپنے ہونٹوں سے لگا لو جوں جوں علم کے قطرے تمہارے جسم میں پہنچیں گے تمہارے دل و دماغ روشن ہو جائیں گے یہ ہی وہ روشنی ہو گی جو تمہیں منزل مقصود تک پہنچائے گی ڈھونڈ ڈھونڈ کر تاریکی کو علم کی روشنی سے روشن کرو پاکستان کو شمع علم سے جگمگاؤ۔

☆ سب سے اچھا کام وہ ہے جو دوسروں کے لئے کیا جائے۔

☆ علم کو دوسروں تک پہنچانا بھی نیکی ہے۔

☆ جو شخص علم کو پھیلاتا ہے وہ صدقہ دیتا ہے۔

☆ جو شخص اخلاق سے محروم ہے وہ اچھا مسلمان نہیں ہے۔

کاشف نصیر گوہل

عظمت کی باتیں

1 احسان کرو خواہ ناشکرے پر کیونکہ وہ میزان میں شکر گزار کے احسان سے عاری ہے۔ (حضرت علیؓ)

2 نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک اٹھائی نہ جائے۔ (بوعلی سینا)

3 کامیابی کا زینہ ناکامیوں کی بہت سی سیڑھیوں سے بنتا ہے۔ (ارسطو)

4 اس چھوٹی سی دنیا میں نفرتوں سے بچو اس لئے کہ زندگی کم بلکہ بہت کم ہے۔ (سقراط)

5 مصیبت میں آرام کی تلاش مصیبت کو اور بڑھا دیتی ہے۔ (حضرت امام جعفر صادقؓ)

سباس گل، رحیم یار خان

باتوں سے خوشبو آئے

O زندگی میں اگر ایک دوست مل گیا تو بہت ہے دو مل گئے تو بہت زیادہ ہیں تین مل ہی نہیں سکتے۔

O سچی محبت نایاب ہے اور دوستی اس اس سے بھی نایاب ہے۔

O محبت ایک جادو ہے جو وجود کو سحر زدہ کر دیتی ہے۔

O محبت ایک ایسا آئینہ ہے کہ ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے۔

O محبت کا لطف محبت کرنے میں ہے۔

مہناز کوثر سومرو، رحیم یار خان

صدقہ

اپنے بھائی کو دیکھ کر تو متبسم ہوتا ہے تو یہ صدقہ ہے۔

لوگوں کو نیکی کی طرف بلانا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔

کسی بھٹکے کو سیدھا راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔

کانٹا یا پتھر وغیرہ کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

اپنے ڈول میں پانی بھر کر اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔

فریدہ خانم، لاہور

اے دوست تیری دوستی

دوستی کیا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں دوستی وفا کا نام ہے، کچھ کا خیال ہے دوستی دھوکا، فریب، نفرت کا نام ہے اور کچھ اسے محبت کے ترازو میں تولتے ہیں۔

محبتوں کا گلدستہ اپنی تمام تر رعنائی اور خوشبو لئے زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، دوستی روح کی شاعری ہے، جس کا ایک مصرعہ آپ لکھتے ہیں

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

زرین اطہر صدیقی ---- راولپنڈی
دل کی گلیوں کے سبھی راستے ازبرا ہیں ہمیں
اک ذرا نظر کی چوکھٹ سے پرے آنے دے
ہم تیرے نام پہ لکھ دیں گے زندگانی اجر
بس وہ اک لمحہ اظہار وفا آنے دے

....

ہم بھی اتریں گے تیرے دل پہ وحی کی صورت
گماں کی تپتی میں عہد یقین کی صورت

....

ہم نے جن سے پیار کیا اور جن کے ناز اٹھائے
ان لوگوں نے شیشے گھر پر پتھر ہی برسائے
سپاس گل ---- رحیم یار خان
جب سے اترا ہے وہ آسیب کی مانند مجھ میں
جوگی بن کر ہیں کئی خواہشیں محو رقصاں

....

بڑھے ہی آ رہے ہیں پھر کسی طوفان کی صورت
لگا کر ہی یہ دم لیں گے ٹھکانے آشیاں میرا
بہت سا گولہ و بارود بھی ہمراہ لائے ہیں
چلے ہیں پھر یاروں جلانے آشیاں میرا

....

خودی کے ساتھ زندہ ہوں ابھی تک اس لئے یارو
کسی کو بھی میرا یہ بانکپن اچھا نہیں لگتا
کریں گے موسم گل میں چمن زاروں کو ویرانے
چمن والوں کو شاید اب چمن اچھا نہیں لگتا
مہناز کوثر سومرو ---- رحیم یار خان
مجھے اس کا غم نہیں کہ بدل گیا زمانہ
میری زندگی تم سے ہے کہیں تم بدل نہ جانا

....

بڑا کٹھن ہے راستہ جو آ سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی کا فاصلہ مٹا سکو تو ساتھ دو
بڑے فریب کھاؤ گے بڑے ستم اٹھاؤ گے
یہ عمر کا ساتھ ہے نباہ سکو تو ساتھ دو

....

ملے وہ زخم کہ کوشش سے بھی چھپا نہ سکے
کہ اب کے سال تو جبراً بھی مسکرا نہ سکے
یہاں تو لوگ عجیب نفرتوں میں زندہ ہیں
ہمیں تو پیار کے لمحے بھی راس آ نہ سکے
رابعہ اسلم ---- رحیم یار خان
درد انعام میں بخشا ہے تیری یادوں نے
ڈوبتے دل کو دیا جب بھی سہارا اس نے

....

کچھ بات ہے تیری باتوں میں
یہ بات کہاں تک آ پہنچی
ہم دل سے گئے دل ہم سے گیا
یہ بات کہاں تک آ پہنچی

....

کبھی سائباں نہ تھا بہم کبھی کہکشاں تھی قدم قدم
کبھی بے مکاں کبھی لامکاں میری آدھی عمر گزر گئی
اسے پالیا اسے کھو دیا کبھی ہنس دیا کبھی رو دیا
بڑی مختصر ہے یہ داستاں میری آدھی عمر گزر گئی
کاشف نصیر کومل ---- ضلع لیہ
اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

....

خامشی جرم ہے جب منہ میں زبان ہو اکبر
کچھ نہ کہنا بھی ہے ظالم کی حمایت کرنا
مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

....

خطہ ارضی کو خود جنت بنا سکتے ہیں ہم
دلولہ دل میں امنگوں کا اگر پیدا کریں
محمد سعید نوئی ---- عارف والا
شعلہ حسن سے جل جائے نہ چہرے کا نقاب
اپنے رخسار سے پردے کو ہٹائے رکھنا

....

چہرہ ہر صورت کو اپنی شکل میں ڈھال گیا ہے
شہر کے آئینوں سے باقی سارے عکس نکال گیا ہے
اب تو شاید دکھ وفا سن کر بھی میرا دل نہ دھڑکا
یاد کا جھونکا پھر اس پھول میں خوشبو ڈال گیا ہے

....

فراق یار کے لمحے گزر ہی جائیں گے
چڑھے ہوئے دریا اتر ہی جائیں گے
تو میرے حال پریشاں کا کچھ خیال نہ کر
جو زخم تو نے لگائے ہیں بھر ہی جائیں گے
حنا ناز ---- ننڈ داد خان
یہ دو دلوں کی میت کہانی ہے
پیا نے یہ میرا بھی نام لکھنا ہے
سجاؤں گی جب میں چوڑیاں ہاتھوں میں
مہندی میں سجناں تیرا نام لکھنا ہے

....

وہ داستان محبت کرنے کے ہاں ہنر جانتا تھا
اس لئے لوگ آج اسے بڑا کہانی جانتے ہیں

....

کل تو کسی سے کہہ رہا تھا
ہوا بہت خنک ہے آج دوست
تجھے کب معلوم ہوا تھا کہ
شامل اس میں میرے چند آنسو بھی ہیں
ڈاکٹر واجد نگینوی ---- کراچی
اوراق پریشاں کے شعلوں کے دہکنے سے
پھولوں کے مہکنے سے چڑیوں کے چہکنے سے
ذہن کے گلستاں میں یہ بات ہے آئی
شاید کہ بادصبا نے لی ہے انگڑائی

....

جو یادگار پل ہمارے سنگ گزرے ہیں
کبھی تو کسی موڑ پر ہم تمہیں یاد آئیں گے
اچھا لگتا نہیں مجھ کو ہم نام تیرا
کوئی تجھ سا ہو تو نام بھی تجھ سا رکھے

....

بیٹھے سوچتے ہیں مگر کچھ یاد نہیں آتا
جانے کب سے آباد تو دل کے نگر میں ہے
کوئی تصویر نہ ابھری تیری تصویر کے بعد
ذہن خالی ہی رہا کاسہ سائل کی طرح
حنا محمد حنیف میمن ---- کراچی
جھیل سی اپنی طبیعت ہے ذرا سی بات پر
ذہن میں الفاظ جم جاتے ہیں کائی کی طرح

....

جانے کیوں یہ گماں رہتا ہے
کہ وہ نظر آئے گا سرراہ چلتے وقت
خدا لکھ دے گا اسے میری قسمت میں
کسی قبولیت کی گھڑی میں شام ڈھلتے وقت

....

کس طرح مجھے ہوتا گماں ترک وفا کا
آواز میں ٹھہراؤ تھا لہجے میں روانی
بہت کم لوگ واقف ہیں سخن آثار لمحوں سے
جسے محسوس کرتے ہیں اسے لکھا نہیں جاتا
رضوانہ گوریجہ ---- لاہور
ہو لاکھ کوئی شور مچاتا ہوا موسم
دل چپ ہو تو باہر کی فضا کچھ نہیں کہتی

حنا کی محفل

عین غین

محمد بلال فیاض ---- ملتان

س: عین غین جی آپ کی محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کررہا ہوں؟

ج: خوش آمدید۔

س: ارے...... ارے پریشان کیوں ہوگئے؟

ج: کہ اب تم پاس آکر بات کرتے ہوئے جو تھوک کی بوچھاڑ کرو گے وہ ناقابل برداشت ہے۔

س: یہ تمہاری ٹانگیں کیوں کانپ رہی ہیں؟

ج: اس کے ساتھ سر بھی چکرا رہا ہے تمہیں دیکھ کر۔

س: منہ تو بند کرلو، مکھی چلی جائے گی؟

ج: تمہارے منہ سے اڑے گی تو کہیں جائے گی۔

س: اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی تیار رہنا؟

ج: اگلے ماہ پھر......

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: آج کل وہ میرے خواب میں بہت آتے ہیں، کیوں؟

ج: ڈرانے کے لئے۔

س: عین غین جی زندگی کن چیزوں کے بغیر ادھوری لگتی ہے؟

ج: جو خواب میں آتی ہوں۔

س: اس نے کہا آپ کی آنکھیں ریاضی کے سوالوں کی طرح ہیں کیا آپ کو لگتی ہیں؟

ج: مجھے تو جیومیٹری کی شکلوں کی طرح لگتی ہیں۔

س: محبت مختصر کیوں ہوتی ہے؟

ج: اس کے لئے کہ ہجر کے لمحات بہت طویل ہوتے ہیں۔

س: عین غین جی آپ کی مرغی لنگڑی کیوں؟

ج: اس لئے کہ اس کی دوسری ٹانگ آپ نے ہضم کرلی تھی۔

محمد ظفر اللہ ضیاء ---- کمالیہ

س: دھنک کے تو سات رنگ ہوتے ہیں لیکن شادی کے بعد ایک خاتون کے چہرے پر کتنے رنگ ہوتے ہیں؟

ج: ایک ہی رنگ ہوتا ہے فخر کا۔

س: جھوٹ اور سفید جھوٹ میں کیا فرق ہے؟

ج: جھوٹ آپ خبرنامہ میں سنتے ہیں اور سفید جھوٹ سرکاری ترجمان کے بیان میں ہوتا ہے۔

حنا اسلام ---- فیصل آباد

س: عین غین حنا کی محفل میں میاؤں میاؤں (میں آؤں)؟

ج: ٹھہر جاؤ پہلے دودھ سنبھال لیں۔

س: ع سے آپ عاجز اور غ سے غافل ہو، سچ کہاں ناں؟

ج: تم اور سچ......

س: ع سے عقل اور غ سے غائب؟

ج: کس کی...... تمہاری؟

س: دولت ہاتھ کی میل ہے پھر اس کو کوئی اتارتا کیوں نہیں؟

ج: ہاتھ سے اتار کر جیب میں نہیں رکھتے کیا۔

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

شہر

ایک دیہاتی شخص نے اپنے دوست سے کہا۔

"چلو یار شہر کی سیر کر کے آتے ہیں؟"

دوسرا شخص۔

"نہیں میں ایک بار شہر گیا تھا لیکن اب دوبارہ نہیں جاؤں گا۔"

پہلا شخص۔

"کیوں بھلا ایسی کیا بات ہوگئی؟"

دوسرا شخص۔

"شہر میں جگہ جگہ جو ہدایات لکھی ہوتی ہیں ان پر عمل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، پچھلی بار میں شہر گیا تو ایک جگہ تحریر تھا، "یہاں مت تھوکئے" مجھے مجبوراً وہاں تھوکنا پڑا، آگے بڑھا تو لکھا ہوا تھا "ردی کاغذ اس میں ڈالئے" میں نے سڑک سے ردی کاغذ اٹھا کر ڈال دیئے آگے اور جگہ لکھا ہوا تھا "رفتار چالیس میل فی گھنٹہ" اب تم ہی بتاؤ مجھ جیسا بوڑھا آدمی اتنا تیز کیسے دوڑ سکتا ہے مگر کیا کرتا میں نے دوڑ لگا دی اور پھر شہر جانے سے توبہ کرلی۔"

رمشا حیدر، کینٹ

بہت ہے

خطا تو ہوگئی پر آپ سے کہنا
ذرا سی بات پر ڈانٹا بہت ہے
کلاشنکوف سے تو مت ڈراؤ
مجھے تو ایک ہی چانٹا بہت ہے

سباس گل، رحیم یار خان

چلو اب مسکراؤ

ایک کاہل شخص کے مکان میں آگ لگ گئی، لوگ بجھانے دوڑے لیکن وہ مزے سے بیٹھا رہا، اس پر ایک شخص نے کہا۔

"تعجب ہے تمہارے گھر میں آگ لگ گئی ہے اور تم آرام سے بیٹھے ہو۔"

کاہل آدمی نے اطمینان سے کہا۔

"آرام سے کہاں بیٹھا ہوں بارش کے لئے دعا کررہا ہوں۔"

☆☆☆

ڈاکٹر۔

"آپ اچھے ہو جائیں گے لیکن مجمع میں جانے سے پرہیز کیجئے۔"

مریض۔

"لیکن میں اپنے پیشے سے مجبور ہوں۔"

ڈاکٹر۔

"پیشہ کیا ہے؟"

مریض۔

"جیب تراشی۔"

☆☆☆

استاد کلاس کو بجلی کے بارے میں پڑھا رہا تھا۔

"فرض کرو کہ میں پنکھے کا بٹن آن کروں اور پنکھا نہ چلے تو اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"یہ کہ آپ نے بجلی کا بل ادا نہیں کیا۔"

شاگرد نے معصومیت سے جواب دیا۔

محمد سعید نوئی، عارف والا

ہنسنا منع ہے

ایک آدمی اپنے گدھے کو نہلا رہا تھا، دوسرے نے پوچھا۔

''ارے بھئی آج گدھے کو کس خوشی میں نہلا رہے ہو؟''

پہلے نے کہا۔

''آج گدھے کی شادی ہے۔''

دوسرے نے کہا۔

''ہمیں اس خوشی میں کیا کھلاؤ گے؟''

''جو دولہا کھائے گا وہی تم بھی کھا لینا۔''

راشد ترین، مظفر گڑھ

رنگ حنا

سجناں رات اندھیری ہے
سکھیاں بھی بیتری ہیں
بس کمی اک تیری ہے

....

تو اک ایسا لٹیرا ہے
میرے دل میں ٹھہرا ہے
اعتبار بھی بس تیرا ہے

حنا ناز، پنڈ دادنخان

ہنی مون

شادی کے بعد میاں بیوی ایک صحت افزا پہاڑی مقام پر ہنی مون پر گئے تو ہوٹل کے منیجر نے نام پوچھے بغیر اندراج کر لیا یہ دیکھ کر بیوی حیران رہ گئی اور کہنے لگی۔

''منیجر صاحب! آپ کو میرے شوہر کا نام کیسے معلوم ہے؟''

منیجر بولا۔

''آپ کے شوہر ہر سال ہمارے ہوٹل میں ہنی مون مناتے ہیں۔''

مہناز کوثر سومرو، رحیم یار خان

بہت خوب

بیوی بہت تیزی سے گاڑی چلا رہی تھی، شوہر نے اس سے کہا۔

''تم تیزی سے گاڑی کو موڑتی ہو تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔''

بیوی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے تم بھی موڑ پر میری طرح آنکھیں بند کر لیا کرو۔''

کاشف نصیر گوندل، ضلع لیہ

دور اندیشی

ایک صاحب اپنے دوست کے سامنے اپنی بیگم کے خلاف دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔

''کبھی کبھی اس کی اوٹ پٹانگ باتیں سن کر میرا دل چاہتا ہے کہ اسے اٹھا کر اوپر کی منزل سے نیچے پھینک دوں، مگر مصیبت یہ ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''کیوں؟''

دوست نے کہا۔

''یقیناً اس کا وزن زیادہ ہوگا۔''

''نہیں۔''

ان صاحب نے چڑ کر کہا۔

''سوچتا ہوں اگر وہ بچ گئی تو میرا کیا ہو گا؟''

فرح راؤ، کینٹ

یقین

اگر آپ کے ریڈیو کی باریک سی سوئی رات کی تاریکی میں ہزاروں میل دور کی آواز آپ تک پہنچا سکتی ہے اور اگر سارنگی کے میٹھے سر سمندروں، پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور پرشور شہروں سے پرے پہنچ سکتے ہیں تو پھر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا کہ خدا بھی تو آپ کی دعا سن سکتا ہے۔

پلوشہ خان، چارسدہ

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

عائشہ شمس: کی ڈائری سے ایک غزل

محبت اک ادھورا سا خواب ہے
جو نہ دکھا تو نصیب ہے جو دکھ گیا تو کمال ہے
محبت اک انوکھا سا کھیل ہے
گر پا لیا تو فتح ہوئی جو نہ پا سکے تو زوال ہے
محبت اک ادھوری سی بات ہے
جو نہ کہہ سکے تو ادب میں صرف گر جو کہہ دیا تو مجال ہے
محبت اک ادھوری برسات ہے
جو جھڑی لگی تو لگی رہی جو رک گئی تو مثال ہے
محبت اک انوکھا سا طلسم ہے
جو طاری ہوا تو یوں ہوا مزار یار پہ دھمال ہے

[illegible]: کی ڈائری سے ایک نظم

تمہیں جاناں اجازت ہے
کہ ان تاریک راہوں پر
تھکن سی خود میں پاؤ تو
اندھیروں نے کبھی دل [illegible] جائے تو
میرے جلتے ہوئے لمحوں
میرے کنگال ہاتھوں سے چھڑا کے اپنے ہاتھوں کو
فضا کی نغمگی سے تم نئے گیتوں کو چن لینا
[illegible] پلکوں کی نوکوں پر نئے کچھ خواب [illegible] لینا
کوئی گر پوچھ لے میرا تو اس سے ذکر مت کرنا
میرے بیتے [illegible] دوپہر سے بے غرض ہو کر
تم اپنی چاندنی راتوں [illegible] جگنو پالتے رہنا
میری تنہائیوں کی وحشتوں [illegible] مت کرنا
تمہیں یہ بھی اجازت ہے
میری ہر یاد کو دل سے کھرچنا اور مٹا دینا
کہ جب چاہو بھلا دینا
مگر اتنی گزارش ہے
اگر ایسا نہ ہو جاناں
تو اچھا ہے

فرواز بیر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

اگر ہو ممکن
کبھی جو آؤ
تو میرے کمرے
کی سب کتابیں
الٹ پلٹ کر تلاش کرنا
مری پرانی سی ڈائری میں
ورق ورق پہ لکھا ہے
وہ نام تیرا!!
اگر ہو ممکن
تو اس حقیقت کی آگہی پہ
یقین رکھنا کہ خواہشوں کو
جو میں نے حرفوں میں ڈھال رکھا
محبتوں میں کمال رکھا
تمہیں اجازت ہے
مرے حرفوں کے سب صحیفے
وہ ہجر لمحوں کے نقش سارے
جو لکھ چکا ہوں
جلا کے رکھ دو، یا پھاڑ ڈالو
تمہیں یہ حق ہے
میں آخری حرف وقت آخر
جو لکھ رہا ہوں
مری نگاہوں کے زرد آنسو
گواہی دیں گے

کہ میں نے کتنی اذیتوں سے
یہ دن گزارے
مگر حقیقت تو یہ ہے جاناں
کہ میری چاہت کو تم بھی بالکل سمجھ نہ پائی
یہی کہوں گا
مری صداقت اسی میں ہے
کہ
مجھے محبت تمہی سے ہے
نومیہ وقاص: کی ڈائری سے ایک غزل
چھوڑ کر تجھ کو گیا وہ بھی کہ جس پر مان تھا
کیوں مکیں کہتے ہو اس کو وہ تو اک مہمان تھا
وہ تو شہرت کے حوالے سے تھا حاتم طائی سا
لوٹنا اس آدمی کو کس قدر آسان تھا
کہتے ہیں کہ بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں
جس نے مسلی ہیں یہ کلیاں وہ ایک شیطان تھا
کس لئے پھرتی ہے صحراؤں میں بل کھاتی ہوئی
دھوپ جو دے کر گیا تجھ کو وہ سائبان تھا
دل سے کچے گھر کو وہ اشکوں کی بارش دے گیا
جو میرا دل تھا میری آنکھیں تھا میری جان تھا
لے گیا جذبوں کی پونجی اور دعا دے کر گیا
روتی ہے اس کے لئے کیوں وہ تو اک نادان تھا
روح میں خانم سکوں کا اک خزانہ آ گیا
سایہ ہے جس کا تیرے دل پر وہ اک قرآن تھا
محمد سعید نوئی: کی ڈائری سے خوبصورت غزل
نئے رستوں پہ چلنا چاہتا ہوں
ہوا کا رخ بدلنا چاہتا ہوں
نہ کرو مجھ پہ اندھیروں کو مسلط
میں سورج ہوں نکلنا چاہتا ہوں
کسی کے تجربوں کا کیا بھروسہ
میں خود کو تو بدل سکتا نہیں ہوں
میں خود کو بدلنا چاہتا ہوں
زمانے کو بدلنا چاہتا ہوں
پہن رکھا ہے کانٹوں کا لبادہ
مگر پھولوں پہ چلنا چاہتا ہوں
میں ہوں فیضان لفظوں کا سمندر
خزانوں کو اگلنا چاہتا ہوں
حنا ناز: کی ڈائری سے ایک نظم
"کونج"
میرے دل کی ڈوری تھام کہ
میں چلی پل صراط پر
میرے آس پاس اندھیرا ہے
ہر جانب سایہ تیرا ہے
مجھے خبر نہ رہی درد کی
آنکھوں میں بنی تتلیاں درد کی
میری سانجھ سوئی شام سے
آ تو بھی دل کی دوری تھام لے
تو بدل دے رنگ جدائیوں کے
آ ملن کے لمحے
سنگ میرے گزار دے
شحرش خان: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
"اعتبار"
اک اداس کمرے میں
رات کے اندھیرے میں
سوچ کے دریچوں میں
یاد کے جھروکوں میں
اک دیا سا جلتا ہے
سوچتا ہوں کس طرح
اس نے زندگانی کو
دکھ بھری کہانی کو
معتبر بنایا ہے
مختصر بنایا ہے
پھر تمام سوچوں کی
کرچیاں سمٹ گئیں
فاصلوں میں بٹ گئیں

اس لئے تو کہتا ہوں
پیار سے جدائی میں
فنا کا شوق ہے تو پھر
مے کشی ضروری ہے
خودکشی ضروری ہے
قضا سے خوف ہے تو پھر
کبھی کسی کی چاہت پہ
اعتبار مت کرنا
اور
پیار مت کرنا
رابعہ اسلم: کی ڈائری سے ایک نظم
اذیتوں کے تمام نشتر
میری رگوں میں
اتار کر
وہ بڑی محبت سے پوچھتا ہے
تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟
ایچ ثمینہ ناز: کی ڈائری سے ایک نظم
میں زندگی کی اداس وسعتوں میں الجھ گیا ہوں
میں لمحہ لمحہ بکھر گیا ہوں
میرے لہو میں سمٹ جانے کی اک خواہش
سی اک رہی ہے
یہ اک تمنا سلگ رہی ہے
تمہیں شریک سفر بنا لوں
لیکن میں دنیا کو جانتا ہوں
کہ میری سوچیں حقیقتوں کے
لہو سمندر میں نہا چکی ہے
میں سوچتا ہوں
تیرے سارے
خواب ریشمی ہیں
تو میرا کھدر رفاقتوں کا
بھرم کہیں بھی نہ رکھ سکے گا
مہناز کوثر: کی ڈائری سے ایک نظم
"تمہی تو ہو"
تنہائی میں جس کی خاطر روئے
وہ حسین یاد تم ہی تو ہو
محفل میں ہنسے جس کی خاطر
وہ خوبصورت بات تم ہی تو ہو
جس کے پیچھے بھاگے عمر بھر
وہ حسین خواب تمہی ہی تو ہو
جس خواہش کے لئے بھٹکے دربدر
وہ دلفریب تعبیر تم ہی تو ہو
کیا کہوں تم میرے لئے کیا ہو
میری زندگی، میری ہر خوشی تم ہی تو ہو
سباس گل: کی ڈائری سے ایک غزل
محبتیں بے حساب دینا
کبھی تو خط کا جواب دینا
پہلے قربتوں سے نہال کرنا
پھر دوریوں کے عذاب دینا
وہ بے وفائی میں باوفا ہے
کوئی تو اس کو خطاب دینا
وہ لاکھ دشمن جاں بنے
تم نہ دشمنوں سا جواب دینا
وہ سنگ ہاتھوں میں لے کے آئے
تم تب بھی اس کو گلاب دینا
جو نفرتوں کے امین ٹھہرے
انہیں چاہتوں کے سراب دینا
اتنا آساں نہیں ہے گل
بے خواب آنکھوں کو خواب دینا

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

پیچ ٹو پڈ پنیر سلاد

اشیاء

آڑو	دو عدد گول
ایپل جام	ایک کھانے کا چمچہ
مکس ڈرائی فروٹ	نصف کپ
کریم	ایک کھانے کا چمچہ
چینی	پانچ کھانے کے چمچ
پنیر	ڈیڑھ کپ

ترکیب

آڑو کے چار پیس کر لیں، ایک دیگچی لیں اس میں چار چمچے چینی اور چار چمچے پانی ڈال کر چولہے پر رکھ کر ایک ابال دلائیں، اس کے بعد اس میں آڑو ڈال کر پکا لیں، احتیاط سے کہ آڑو ٹوٹنے نہ پائیں، جب چینی کا پانی خشک ہو جائے تو دیگچی چولہے سے نیچے اتار لیں۔

ایک پیالی لیں اس میں کریم ایک چمچہ چینی، پنیر اور جام ڈال کر ساتھ ہی ڈرائی فروٹ بھی ڈال دیں پھر ان سب کو آپس میں مکس کر لیں، آڑو ٹھنڈے ہو جائیں تو انہیں ایک باؤل میں رکھ کر اس میں کریم اور پنیر کا آمیزہ اس طرح بھریں کہ وہ چوٹی کی طرح ہو جائے، لذیز پیچ ٹو پڈ پنیر تیار ہے۔

مزے دار سلاد

اشیاء

کاہو (سلاد کا پودا)	ایک پھول
شملہ مرچ	ایک عدد
ٹماٹر	تین عدد
پنیر	آدھا پاؤ
گوشت کے ٹکڑے	ایک پاؤ
تیل	تین کھانے کے چمچے
سیب کا جوس	تین کھانے کے چمچے
نمک	نصف کھانے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

کاہو کے پھول سے پتوں کو علیحدہ کر کے ان کو اچھی طرح صاف کر کے ایک طرف رکھ لیں، ان پتوں کو ایسے برتن میں ڈال کر رکھیں جس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوں تاکہ ان پر لگا ہوا پانی بھی نیچے گر جائے اور پتیاں بالکل خشک ہو جائیں۔

شملہ مرچ کا تمام گودا اور بیج اس میں سے نکال لیں اور اس طرح باقی صرف خول رہ جائے گا، پھر اس خول کے لمبائی کے رخ ٹکڑے کر لیں اور اس طرح کہ ایک ٹماٹر کے آٹھ ٹکڑے بن جائیں، پنیر اور ابلے ہوئے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں اور سلاد کے پتے کاٹ لیں پھر سلاد کے پتے، ٹماٹر، پنیر، گوشت، ہری مرچ کے ٹکڑے ایک بڑے پیالے میں ڈالی لیں، اس کے بعد ان چیزوں میں تیل، سیب کا جوس، نمک، کالی مرچ، چینی ڈال دیں ان تمام کو اچھی طرح ملا دیں، سلاد تیار ہے، یہ سلاد چار افراد کے لئے کافی ہے۔

دہی و سبزیوں کا سلاد

اشیاء

دہی	آدھ کلو
آلو ابلے ہوئے	تین عدد
پیاز باریک کتری کٹی ہوئی	ایک پیالی
کھیرا	دو عدد
نمک کالی مرچ پسی ہوئی	حسب ذائقہ
مرغی ابلی ہوئی	چند ٹکڑے

ترکیب

مرغی کے باریک ٹکڑے کر لیں، ابلے ہوئے آلو کش کر لیں، ایک عدد کھیرا، کش کر لیں، دوسرے کھیرے کے پتلے ٹکڑے کر لیں، ایک کھلے منہ کے پیالے میں دہی ڈال کر پھینٹ لیں، دہی میں آلو اور کٹی ہوئی پیاز ڈال کر پھینٹیں، ساتھ نمک اور کالی مرچ شامل کر دیں، دہی میں مرغی کے ٹکڑے اور کش کیا ہوا کھیرا ڈال کر یکجا کر لیں، ڈش میں دہی کا آمیزہ ڈالیں، دہی کے آمیزے پر کٹا ہوا کھیرا رکھ دیں، عمدہ ترین اور لذت سے بھرپور سلاد تیار ہے، تناول فرمائیں۔

پوٹیٹو سلاد جرمن

اشیاء

آلو	چھ عدد
ٹماٹر سلائس کیا ہوا	ایک عدد
آٹا	چار بڑے چمچے
پانی	ایک چوتھائی کپ
پنیر	ایک پاؤ
سرکہ	آدھا کپ
تازہ دھنیا کے پتے	ایک بڑا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
کھیرا سلائس کیا ہوا	ایک عدد
پیاز سلائس کیا ہوا	ایک عدد
لیموں و پودینہ کے پتے	سجاوٹ کے لئے
شکر	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

سب سے پہلے آلوؤں کو ابال لیں اور ٹھنڈا ہونے لگے تو انہیں چھیل لیں، اس کے بعد انہیں باریک سلائس کی شکل میں کاٹ کر ایک بڑے پیالے میں ڈال دیں اور پھر اس میں شکر اور آٹا شامل کر لیں، اس کے بعد اس میں نمک اور سیاہ مرچ بھی ڈال دیں اور پھر بتدریج اس میں سرکہ اور پانی بھی ڈالتے جائیں اور چمچہ چلاتے جائیں، جب گاڑھا ہو جائے تو اس مکسچر کو آلو والے پیالے میں انڈیل دیں، کھیرا، ٹماٹر، لیموں اور پودینہ کے پتے سے سجا کر پیش کریں، بہت ہی عمدہ اور ذائقے سے بھرپور صحت بخش سلاد ہے۔

بارلے و چکن سلاد

اشیاء

بارلے (جو)	ایک کپ
مکھن	دو کھانے کے چمچے
چکن ٹکڑے	آدھا کلوگرام
سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ضرورت
سلاد کے پتے	چند عدد
پانی	حسب ضرورت
ادرک پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
[illegible]	سات ملی لیٹر

ترکیب

مرغ کے ٹکڑے اور بارلے (جو) پانی میں ڈال کر ہلکی آنچ پر پکا لیا جائے اور جب تھوڑا سا پانی پانی رہ جائے تو اسے چھان لیں اور گوشت کے ٹکڑے نکال کر پلیٹ میں رکھ لیں، اس کے بعد اسے اس پانی میں پکا لیں جو پھینک دیں اور پھر اس میں ادرک اور پیاز ڈال کر پکنے کے لئے

رکھ دیں، کچھ دیر بعد اسے اتار لیں اور گوشت کے ٹکڑوں کو پلیٹ میں ڈال کر پسی ہوئی سیاہ مرچ اور نمک چھڑک دیں، پھر اس کے اوپر سرکہ ڈال دیں، اس کے بعد اس پر سیسم آئل چھڑک دیں اور خوب اچھی طرح سے ہلائیں اور پھر اس پر سلاد کے پتے ڈال کر نان کے ساتھ تناول فرمائیں، بہت ہی مزے دار اور پر لطف سلاد ہے۔

ریڈ بین سلاد

اشیاء

ریڈ بین فلنگ کے لئے	
ریڈ بین سرخ پھلیاں	پندرہ گرام
پیاز لچھے دار کاٹیں	پانچ گرام
سوڈا واٹر	چند عدد
سلاد کے پتے	تین سو ملی لیٹر
وائٹ گرینولیٹڈ شوگر	چند عدد
ادرک کٹا ہوا	چھ گرام
مونگ پھلی کا تیل	دس گرام
سرکہ	ڈیڑھ لیٹر
	چالیس لیٹر
سیسم آئل	دس ملی لیٹر
چینی	بیس گرام
سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب

سب سے پہلے ریڈ بینز یعنی سرخ پھلیوں کو دھو کر صاف کر لیں اور پھر ان کو ایک گہرے برتن میں ڈال دیں، پھر اس قدر پانی ڈالیں کہ اس سے پھلیاں اچھی طرح ڈھک جائیں، ہلکی آنچ پر ابال لیں اور صرف اس قدر ابالیں کہ پھلیاں نرم ہو جانی چاہیں، سوڈا ڈالنے سے پھلیاں جلد اور کافی نرم ہو جاتی ہیں، اس کے بعد پھلیوں کو پانی سے نکال کر ان کا پیسٹ بنا لیں اور پھر اس پیسٹ کو کپڑے کی تھیلی میں ڈال دیں، پھر اسے بند کر کے زور سے دبائیں اور اس میں موجود تمام مواد نکال دیں۔

پھر مونگ پھلی کے تیل کو ایک ساس پین میں گرم کر لیں اور جب تیل اچھی طرح سے گرم ہو جائے تو پھر اس میں بین پیسٹ ڈال کر فرائی کر لیں، یہاں تک کہ پیسٹ خشک ہو جائے اور لیس دار بھی ہو جائے، اس کے بعد تیز چھری سے اس کے ٹکڑے کر لیں اور اس پر سلاد کے پتے ڈال دیں، اس کے بعد سرکہ اور چینی ایک پیالے میں ڈال کر اسے اچھی طرح سے مکس کر کے چینی سی بنا لی جائے اور پھر لچھے دار کٹا ہوا پیاز پیسٹ کے ٹکڑوں پر پھیلا دیا جائے، اس کے بعد اس پر سرکے والی چینی ڈال دی جائے اور اس پر کٹا ہوا ادرک اور سیسم آئل ڈال دیں، اس کے بعد نان اور روسٹ گوشت کے ساتھ پیش کریں، سلاد کی عمدہ ترین اور لذت سے بھرپور ڈش تناول فرمائیں۔

☆☆☆

کہیں وفا مہک کے پیغام

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لئے بہت سی دعائیں!

اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم کو اور ہمارے پیارے وطن کو دوست نما دشمنوں سے محفوظ اور اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

انسانی تاریخ عروج زوال کی بے شمار داستانوں سے بھری پڑی ہے، نہ زمانوں کی باگ دوڑ اسی خالق کائنات کے ہاتھ میں ہے، وہی عزت و ذلت دینے پر قادر ہے، سدا بادشاہی صرف اللہ کی ہے باقی سب ریت پر لکھی تحریر ہے، تمنا جن کا مقدر ہے بڑے بڑے فرعون جب اللہ کی پکڑ میں آئے تو نشان عبرت بن گئے، بلاشبہ اللہ کی پکڑ بہت شدید ہے اور انسان ظالم بھی اور جاہل بھی کہ وہ تاریخ سے سبق سیکھتا ہے نہ عبرت حاصل کرتا ہے۔

گزرتے زمانے نے صبح سحر کے تخت نشینوں کو بوقت غروب آفتاب دربدر ہوتے دیکھا شکست و فتح انسانی زندگی کا حصہ ہے اہل ادراک کے لئے یہ کوئی بہت زیادہ انہونی بات نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ اہل ظرف، اختیار و اقتدار پا کر بے قابو نہیں ہوتے زبان و بیان میں شائستگی اور افعال میں کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہار جائیں تو اپنا اعتماد اور حواس برقرار رکھتے ہوئے خوش دلی سے اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہیں، مہذب قوموں کا یہی مثبت رویہ ہوتا ہے۔

وطن عزیز اس وقت بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہے، ان مسائل پر قابو پانے اور ان سے نکلنے کے لئے اللہ چند لوگوں کو ہمارا نجات دہندہ بنا ہی دیا ہے تو ہمیں ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے نہ کہ دل شکنی یہ جو امید کا دیا روشن ہوا ہے اسے ہم سب نے مل کر سازشوں کی آندھیوں سے بچا کر جلائے رکھنا ہے، کہ ایک چمکتی اور خوشگوار صبح ہمارے دروں پر دستک دینے کو تیار ہے۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا کہ کہتے ہیں ہوائیں موسموں کا رخ بدلتی ہیں اور دعائیں مصیبتوں کا، تو جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں وطن عزیز کے لئے خصوصی دعا کیا کریں کہ آزاد وطن کسی بھی قوم کا انمول اور قیمتی اثاثہ ہوتا ہے۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، درود پاک، استغفار اور تیسرے کلمے کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ خط ہماری مصنفہ فوزیہ سرور کا ہے جو لاہور کینٹ سے آئیں ہیں وہ لکھتی ہیں۔

اس ماہ کا حنا چار تاریخ کو ملا، دل چاہا میں بھی تبصرہ لکھوں، میں نے کبھی کسی ڈائجسٹ میں خط نہیں لکھا، وجہ یہ ہے کہ پوسٹ کروانے کے لئے بہت منت سماجت کرنی پڑتی ہے بھائی کی، افسانے کے ساتھ خط آسانی سے پوسٹ ہو جاتا، اس لئے اپنی آرا قلم بند کرنے بیٹھ گئی، میں سب سے پہلے فہرست پر نظر دوڑاتی ہوں، اپنا نام نا پا کر

دل کو کچھ کچھ ہوا لیکن چلو خیر اگلے ماہ سہی کہہ کر کچھ باتیں ہماریاں پڑھتی ہوں، ملکی حالات جان کر بہت دکھ ہوتا ہے، اللہ پاکستان کو نااہل نکمے سیاستدانوں سے نجات دے (آمین) پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں میں اپنی امی کو بلند آواز میں پڑھ کر سناتی ہوں، پھر عمل کی شمع جلانے کی بھرپور سعی کرتی ہوں، کیونکہ یہ بھی علم ہے اور علم بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا، ابن انشاء کو پڑھا، حسب معمول اچھا لگا، میری بہن افراح نے پھر میرے ہاتھ سے رسالہ لے لیا، اسے ”محبت خوش گماں ہے“ پڑھنے کی بے تابی تھی، ”محبت خوش گماں“ کے بعد ”شہر دل کے راستے“ پڑھ کر اس نے مجھے دیا، ”می رقصم“ کا تو ہم تینوں بہنوں کو انتظار ہوتا ہے، ”محبت خوش گماں ہے“ ایک بہترین تحریر جس میں ایک بہترین سبق دیا گیا ہے، اپنے دل کی بات ماسوائے اپنی ماں اور بہنوں کے کسی سے شیئر نہ کریں، اینڈ بھی ہیپی ہیپی ہو گیا، منزہ کی اتنی سزا کافی ہے جس شوہر کے دل میں تن تنہا راج کرنے کی چاہ میں اس نے نوشینہ کے لئے گڑھا کھودا، اسی شوہر کے دل میں اتر گئی میری طرح ”شہر دل کے راستے“ بھی اچھی تحریر ہے، مریم علوی ایک محبت کرنے والا کریکٹر بے حد پسند ہے، نایاب جیلانی ”پربت کے اس پار کہیں“ اچھی تحریر ہے، جو ناول پڑھ کر ہم تینوں بہنوں اور بھابھی نے تبصرہ کیا وہ تھا ”دعائیں مستجاب ہوئیں“ اچھی تحریر تھی، فضول جذباتی دعائیں مانگنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات ہم اپنے منہ سے آزمائش مانگ لیتے ہیں، ”دل گزیدہ“ شانزے تو مجھے شیطان کی پکی سہیلی لگتی ہے، قدر کچھ زیادہ ہی لڑاکی بلی بنی ہوئی ہے، اچھی تحریر ہے، افسانے بھی اچھے تھے، حنا کی محفل میں عین غین کے برجستہ جوابات ہمیشہ کی طرح پسند آئے، حاصل مطالعہ، رنگ حنا دونوں سلسلے بہترین ہیں، بہت ذوق و شوق سے پڑھتی ہوں، مجموعی طور پر پورا حنا زبردست ہے، یہ تھا میرا تبصرہ، حنا کے لئے بہت زیادہ دعائیں، اللہ حنا کو ترقی و کامیابی عطا فرمائے، یہ اپنا سفر کامیابی سے طے کرتا رہے۔

فوزیہ سرور اس محفل میں آپ کو دل و جاں سے خوش آمدید دیکھئے قارئین آپ کو اپنے درمیان پا کر کس قدر خوش ہے اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی [illegible] گئی اور اب ذرا آپ اپنے بھائی کی کلاس لینے کے لئے تیار ہو جائیں کہ انہوں نے آپ کے دونوں افسانے ہی ماہنامہ حنا کو ہی پوسٹ کر دیئے جبکہ ایک پر ایڈریس کسی اور ڈائجسٹ کا تھا، آپ کی محبتوں کی میں دل سے ممنون ہوں اس محفل میں شرکت کر کے اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا، آپ کی سسٹرز اور بھائی کے بھی حنا کو پسند کرنے پر شکر گزار ہے۔

سماوہ انعم: ڈیرہ غازی سے تشریف لائی ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہے۔

اس دفعہ بھی حنا لیٹ ملا، سرورق انتہائی پیارا تھا، معصومیت لئے ہوئے بالکل ام مریم کے ناولز کی ہیروئین کی طرح شاندار ”کچھ باتیں ہماریاں“ میں انکل مہنگائی سے نالاں نظر آئے، بالکل ہماری طرح، نااہل وزیر مشیر کیا خوب کہا، نا اہلوں کا ٹولہ حکومت کر رہا ہے، سلام ہے قوم کو بھی برداشت کے لئے۔

”حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں“ کیا کہنے نئے سرے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے سبحان اللہ، مستقل سلسلوں میں ”حاصل مطالعہ“ میں خوب محنت نظر آ رہی ہے، ایکسیلنٹ، تحریم محمود باقی شاعر و شاعری سے خاص شغف

نہیں رکھتی، ”بیاض“ سرسری سا دیکھا، ”کس قیامت کے یہ نامے“ خطوط کی کمی کے باوجود بہترین ہے، آپ کی باتوں سے سو فیصد متفق ہوں کہ عورت آج بھی مظلوم ترین مخلوق ہے، ہمارے معاشرے میں آج بھی بھیڑ بکریوں کی طرح ٹریٹ کیا جاتا ہے، خیر چھوڑیں، سعدیہ ریحان کا خط لاجواب تھا، مصنفین کے انٹرویو کا ہمیں بھی انتظار ہے، کہانیوں میں اس دفعہ شروعات حنا بشریٰ کے ناول ”دعائیں مستجاب ہوئیں“ سے کیا، گریٹ گریٹ سو گریٹ، حنا بشریٰ آپ نے اپنے نام کی لاج خوب رکھی، کیپ اٹ اپ، اس کے بعد ناولٹ ”می رقصم“ پڑھا کہ پچھلی قسط کے بعد بے چینی سی تھی کہ آگے کیا ہو گا؟ گریٹ آپ اسی طرح لکھتی رہیں، دونوں مکمل ناول ویسے ہی پسند ہے اب کی بار تو [illegible] میں [illegible] دن تھا، فرحت انصاری مبارک باد قبول کریں [illegible] افسانے تقریباً سب ہی اچھے تھے، سلسلے وار ناول کے کیا کہنے ”دل گزیدہ“ میں بس قدر کو اب قدر آ جانی چاہیے، نایاب جیلانی کی تحریری ”پربت کے اس پار کہیں“ خوبصورتی و سسپنس سے آگے بڑھ رہی ہے ویلڈن نایاب جی آپ مکمل ناول بھی لکھیں نا، [illegible] کے ناول میں شوق سے پڑھتی ہوں اور ہاں فوزیہ آپی، ”ہیں خواب کچھ“ اور ”کاسہ دل“ کب حنا کی زینت [illegible] شدت سے منتظر ہوں اب دیکھیں کب یہ انتظار [illegible] ہے۔

سماوہ انعم کیسی ہو؟ اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تحریریں انشاء اللہ جلد شائع کی جائیں گی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

رفعت جہاں: کراچی سے لکھتی ہیں۔

اپریل حنا کا شمارہ ہاتھ میں آیا تو یہ فیصلہ ہو گیا کہ اب کی بار اپنے اندر چھپی مصنفہ کو باہر لانا ہے، اپنی ایک چھوٹی سی کاوش کو ارسال کر رہی ہوں امید ہے نظر کرم ہو گی۔

اب چلتے ہیں اپریل کے شمارے کی طرف، اس ماہ مکمل ناول تینوں ہی بہترین تھے، افسانوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے کیونکہ مختصر تحریر کم وقت میں سوچ کے ایک نیا ار کھول دیتی ہے میں نے گھر میں حنا بہت شوق سے پڑھتے دیکھا تھا، پھر مستقل پڑھنے سے آغاز کیا اور افسانوں تک آ پہنچے اب تو طویل عرصے سے ناول سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

رفعت جہاں خوش آمدید اپریل کے حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ نے جو تحریر ای میل کی وہ فائل اوپن نہیں ہو رہی، پلیز آپ تحریر لکھ کر بھیجئے گا قابل اشاعت ہوئی تو شائع ہو جائے گی شکریہ۔

تبسم بشیر حسین: شاہسوار ڈنگہ سے لکھتی ہیں۔

اس دفعہ حنا سات کو ملا سرورق پر معصوم سی سجل علی بہت پیاری لگ رہی تھی ایک نظر فہرست پہ ڈالی اداریہ میں طاہر انکل کی باتوں سے سو فیصد اتفاق کرتے ہوئے حمد و نعت کو دل و دماغ کو سکون بخشا اس کے بعد پیاری بنیؐ کی پیاری باتوں کے کیا ہی کہنے ویسے میں اس ماہ بھی غائب ہونے کا ارادہ تھا، لیکن حنا بشریٰ کی ”دعائیں مستجاب ہوئیں“ نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا کیا کمال کی تحریر میری فیورٹ ٹھہری، وردہ اور مناہل کی دوستی لاجواب تھی، مہران نام پسند آیا، مجھے لگا ہی تھا زوہیب اور فروان ایک ہیں عاصم جیسے گھٹیا لوگوں کا یہی انجام ہے بے چاری مناہل کو آخر کار دکھوں کے بعد ایک حسین زندگی مل گئی۔

باقی سلسلہ وار بھی خوب رواں دواں ہیں، لیکن سارے ہی قسط وار، افسانوں میں ماہ منیر کا



افسانہ ''سوچ سے کہیں زیادہ'' واقعی زویا کی محبت اسامہ کی سوچ سے کہیں زیادہ ہے باقی دو بھی ٹھیک تھے۔

''حاصل مطالعہ'' میں ہری مرچیں، اقوال اختری، کرن شرگوشیاں، اقوال سعدی اور تعبیر لاجواب تھے ''بیاض'' میں فضہ، ام رباب، نعمہ، نمرہ، عمرانہ، عظمیٰ ایمان اور صائمہ کا انتخاب اچھا تھا، ''رنگ حنا'' میں مقام شکر، عورتیں کہاوتیں انداز اور پیشکش اچھے تھے، ''میری ڈائری سے'' میں فائزہ صائمہ، نازیہ، ثمن، شاہین ماہ رخ وفا اور سدرہ کا ذوق لاجواب رہا، کس قیامت کے یہ نامے میں سعدیہ ریحان کا تبصرہ لاجواب تھا اللہ کرے حنا یونہی ترقی کرے آمین، پلیز مجھے باقی سلسلوں میں بھی جگہ دے دے۔

تبسم بشیر سب سے پہلے یہ بتائیں آپ کی والدہ صاحبہ کی طبیعت اب کیسی ہے دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ان کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا کرے آمین، آپ کے لئے ہمارے پاس بہت جگہ ہے بس آپ کا اس محفل میں آنا شرط ٹھہرے، اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ انشاء اللہ مستقل سلسلے میں آپ کا انتخاب اگلے ماہ شائع کیا جائے گا شکریہ۔

اقراء الیاس: مریدے ضلع شیخوپورہ سے لکھتی ہیں۔

حنا پانچ تاریخ کو ملا حیرت کی انتہا نہ رہی، ورنہ ہم تو نو تاریخ آنے کے منتظر تھے، ٹائٹل ہمیشہ کی طرح اچھا لگا اور کچھ گرمیوں کی مناسبت سے بھی، سب سے پہلے تو حمد و نعت اور احادیث مبارکہ سے دل و روح کو منور کیا اخلاقیات کا درس دیتی احادیث مبارکہ پڑھتے دل میں ٹھنڈک سی اتری، ''اہل دل کو پنجابیوں نے لوٹ لیا'' کہنے کو تو ہم بھی پنجابی ہیں مگر صرف نام کے کام کے ہر گز نہیں، ام مریم اپنے منفرد انداز میں ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں ''پربت کے اس پار کہیں'' ہیام اور نشرہ کی نیا تو پار لگنے لگی ہے ویسے ہمیں مورے کا ردعمل لئے اس دن کا شدت سے انتظار ہے اور عروفہ تو آدھی سائیکو کیسی لگتی ہے، اپنی ہی بہنوں سے حسد اور اب تو بھائی کی ڈور بھی اس کے ہاتھ میں آ چکی ہے اور ہیام بیچارے کو بھی عشیہ کا حوصلہ تھا ہمدرد بہن کے جاتے ہی نایاب جیلانی نے اسے پھنسا دیا ''دعائیں مستجاب ہوئیں'' وردہ کا اتنا ظرف حیرت انگیز لگا اور مناہل تو اس سارے قصے میں شروع سے آخر تک معصوم لگی ورنہ تو قارئین بہنیں اس طرح کی کہانی پڑھتے پڑھتے یہی سوچ رہی ہوتی ہیں کہ جو دوسروں کے حق پہ ڈاکہ ڈالے آخر پے اس کی چٹنی ہی بن جائے ملک حنا بشریٰ نے کمال مہارت سے شروع سے آخر تک کہانی پر اپنی گرفت مضبوط رکھی، فرحت انصاری نے اتنی جلدی اپنے ناول کا اینڈ کر دیا یقین نہیں آ رہا ''خوابوں کی ہری شاخ'' افسردہ سا کر گیا اور اس افسردگی کا ازالہ ''اس سادگی پہ'' سویرا فلک نے ہنسا کر کروایا ''فردوس بیگم'' ''دوسروں کو نصیحت خود میاں فصیحت'' جیسے محاورے پر پورا اتری حیا بخاری نے بھی اچھا لکھا، تحسین اختر اور بشریٰ سیال کے ہر کردار میں ان کی بھرپور محنت اور توجہ نظر آ رہی ہیں۔

اقراء الیاس خوش رہو حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ، ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی آپ نے مکمل اور جامع تبصرہ کیا، آپ کی رائے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہیں آئندہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہے گے شکریہ۔

☆☆☆